تاریخ

جمعیۃ علماء ہند

جلد دوم

اسیر ادروی

جمعیۃ علماء ہند
۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی–۱۱۰۰۰۲

نام کتاب : تاریخ جمعیۃ علماء

مصنف : اسیرادروی

سنِ اشاعت : ۲۰۰۱ء

قیمت : ؟

کمپوزنگ : نعمت کمپوزنگ ہاؤس، دہلی

طباعت : ؟

جمعیۃ علماء ہند کی سرگرمیاں

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی

کے

پچیس سالہ

دورِ صدارت میں

عنوانات

❑❑

مولانا سیّد اسعد مدنی کے پچیس سالہ دورِ صدارت میں

جمعیۃ علماء ہند کی سرگرمیاں

آزاد ہندوستان میں جب تک زمام اختیار اُن لوگوں کے ہاتھوں میں رہی جنھوں نے جنگ آزادی میں برطانوی پولیس کے مظالم دیکھے اور سہے تھے، جیلیں کاٹی تھیں، چکیاں پیسی تھیں، کوڑے کھائے تھے، ان کے جیل کے ساتھیوں میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی، سکھ بھی تھے اور پارسی بھی، ان میں سے ہر ایک کا نصب العین آزادی تھا، ان کی جدوجہد کی آخری منزل آزادی تھی، سب ہم خیال، ہمنوا اور دوش بدوش برطانوی استعمار سے سر سے کفن باندھ کر جنگ آزما تھے۔ اس لیے اس جیل کی زندگی میں سماجی زندگی کی تفریق کی جگہ انسانی وحدت، اخوت ومساوات، دوستی ومحبت کا رشتہ مستحکم سے مستحکم تر تھا، ہر شخص ایک ساتھ ہر ایک دوسرے کا احترام کرتا تھا۔ آزادی کے بعد جب زمامِ اختیار ان کے ہاتھوں میں آئی تو دل کی دُنیا اخوت و مساوات جذبوں سے آباد تھی اگرچہ اختیارات کی منتقلی کے وقت فرقہ واریت کا زہرنا گزیر اسباب کی وجہ سے پوری فضا میں تیرنے لگا تھا، لیکن جیلوں کی کربناک زندگی کی دوستی وقدرشناسی پر اس زہر کا اثر نہیں تھا اس لیے آزادی کے فوراً بعد تقسیمِ ملک کی لعنت کی وجہ سے مسلمانوں پر قیامتِ صغریٰ ٹوٹ پڑی اور قتل وغارت گری کا جو طوفان آیا تو اس کی تفصیلات سن کر اور دیکھ کر برادرانِ وطن جواب برسرِ اقتدار تھے ان کا دل بھی اسی طرح تڑپ اُٹھتا تھا جیسے خود ان کے حقیقی بھائی پر یہ مظالم ہورہے ہیں اور وہ ہر ممکن کوشش کرتے تھے کہ مسلمانوں کی مشکلات ومصائب دُور ہوں، وہ بھی اس ملک میں امن اور چین کی زندگی بسر کریں مگر وہ اس وقت ایسے گھوڑے پر سوار تھے جو

نو آموز بھی تھا اور سرکش بھی، کبھی کبھی لگام ہاتھ سے نکل جاتی تھی، مگر سوار اپنی مرضی کے خلاف گھوڑے چند قدموں سے آگے نہیں چلنے دیتا تھا اور خلوص قلب کی طاقت کے بل پر اُسے پھر سیدھی راہ پر لے آتا ہے۔

اختیارات نئی نسل کے ہاتھوں میں

آزادی کے بعد تیز رفتار ترقی کے لیے قومی یک جہتی، ملک میں اتحاد و اتفاق ضروری تھا، اس کے پورے اخلاص کے ساتھ اس کی ہر امکانی کوشش جاری تھی، لیکن آزاد ہندوستان میں کچھ نئی طاقتیں اُبھری تھیں جو بسا اوقات اس یک جہتی اور اتحاد و اتفاق کی ساری کوششوں کو رائیگاں کر دیتی تھیں۔ مگر اقتدار اب بھی پرانے نسل کے ہاتھوں میں تھا، فرقہ وارانہ فسادات بتدریج بڑھنے لگے اور دھیرے دھرے ان میں شدت بھی آنے لگی۔ اسی صورت حال میں آزادی کے تیس برس گزر گئے، اب آزاد ہندوستان کی تاریخ میں وہ دور آ گیا جب اس نسل نے زمام اختیار اپنے ہاتھوں میں لی جس نے چاندنی میں آنکھ کھولی تھی، اس نے غلامی اور برطانوی سامراج کے مظالم کی شبِ دیجور دیکھی ہی نہیں تھی اس لیے انسانیت، موت وفسادات کا دُکھ درد ان کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ تنگ نظری، تنگ دلی، تنگ خیالی، نفرت وتعصب کی فضا میں پرورش پائی تھی۔ اس نے انسانیت دوستی کو کبھی خواب میں نہیں دیکھا تھا، وسیع تر قومی مفاد کے لیے کامل یک جہتی اور فرقہ وارانہ اتحاد کی قدر و قیمت کو اس نے کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اس کو اقتدار اور منصب واعزازِ دولت وسرمایہ کی ہوس تھی اور یہی جذبہ اس کو سیاست میں لے آیا تھا اور اس کو وہ سب کچھ مل گیا جس کی تمنا اس کے دلوں میں چھپی ہوئی تھی کیونکہ اس کو حاصل کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا، اور ہندوستان کی بدقسمتی یہ ہے کہ سیاست کی راہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے بہترین اسلحہ ہندو مسلم منافرت، اشتعال انگیزی، عوامی جذبات کو نفرت کے شعلوں سے دہکانا بھی ہے، یہ اسلحہ انھوں نے بے حساب استعمال کیا جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ پورے ملک کی فضا میں فرقہ واریت کا زہر شہروں سے لے کر گاؤں اور دیہاتوں کے سیدھے

سادے عوام تک پہنچ گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں بتدریج نراج، لاقانونیت پھیل گئی، نئی نسل کا ذہن اتنی تیزی سے بدلا اور تانا سرکش اور جری ہو گیا کہ دستور میں دیئے گئے بنیادی حقوق کی دفعات کو بھی آئین سے نکالنے کے بارے میں اظہارِ خیال کیا جانے لگا۔ اب حکمراں طبقہ ہر اخلاقی بندش سے آزاد ہو کر نفسانیت و ہوس کا غلام ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل اب عقدۂ لاینحل ہوتے جارہے ہیں۔ پورے ملک میں چند افراد ہیں جو پرانے زمانے کو یادگار ہیں اور انسانی اقدار کی ملحوظ رکھتے ہیں باقی حکومت کے تمام کلیدی عہدوں پر وہ لوگ قابض ہیں جو قانون کی بالادستی کے بجائے عملاً اپنے جذبات کی رہنمائی میں تمام ابناء وطن کے ساتھ پیش آتے ہیں، بالخصوص مسلم مسائل میں ان کا رویہ بڑا ہی جارحانہ ہوجاتا ہے، ان حالات میں مسلمان اپنے مسائل کس امید پر اربابِ اقتدار کے سامنے پیش کرے جہاں کوئی دلیل کام نہیں آتی۔

لیکن حالات سے نبرد آزمائی مسلمانوں کی تاریخ رہی ہے، مایوسی ان کے مذہب میں کفر ہے اس لیے تمام تر نامساعد حالات کے باوجود محض کارکنوں کا دل ابھی ریزہ ریزہ نہیں ہوا ہے، دل پر زخم لگتے ہیں، غیرت وخودداری لہولہان ضرور ہوتی ہے لیکن حالات سے آنکھیں بند کر کے زندگی گذارنا بھی ناممکن ہے اس لیے جدوجہد کا سلسلہ جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔

جمعیۃ علماء ہند کی مشکلات

اسی ماحول میں جمعیۃ علماء ہند مسلمانوں کی قیادت کرتی ہے ان کو احساسِ کمتری سے بچائے رکھنا ہے، دوسرے درجہ کا شہری بننے کا تصور ان کے دل ودماغ سے نکالتے رہنا ہے، مایوسی اور جمود کی لعنت سے ان کو محفوظ رکھنا ہے، خطرات سے بچانا ہے ان کی مصیبتوں اور دُکھ درد میں ڈھارس بندھانی ہے، ان کے زخموں پر کافوری مرہم رکھنا ہے۔

فسادات کا ایک لامتناہی سلسلہ جو تقسیمِ ملک کے ساتھ ہی چلا ہے وہ آج تک ختم نہیں ہوا۔ فسطائی عناصر سوچ سوچ کر مسلمانوں کے خلاف نئے نئے مسائل کھڑے

کرتے رہتے ہیں، کبھی آسام کے مسلمانوں کے قوانین شریعت کو پامال کرنے کی شرارت کی جاتی ہے، کبھی بابری مسجد پر یلغار بڑھ جاتی ہے، مصائب کی آندھی کس سمت سے چلے گی؟ اس کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔

علاقائی مسائل

مسلمان ہندوستان کے ہر خطہ میں ہیں۔ ہر جگہ کے مسلمانوں کے اپنے اپنے مسائل اور مشکلات ہیں، ہر ریاست کی حکومت کا طرزِ عمل مسلمانوں کے معاملے میں یکساں ہے، ہر جگہ تنگ نظر، تنگ دل غنڈہ صفت، فرقہ پرست عناصر انتظامیہ پر جاری ہیں اسی وجہ سے ہندوستان کے کونے کونے میں مسلمانوں کے مسائل عقدۂ لاینحل بنے ہوئے ہیں، ان کی زندگی اجیرن بنانے کی خبریں روزمرّہ اخباروں میں آتی رہتی ہیں۔ اتنے بڑے ملک کے ہر خطے پر نظر رکھنا جمعیۃ علماء ہند اپنے محدود وسائل کے باوجود اپنا فرض سمجھتی ہے۔ ادھر پچیس برسوں سے جمعیۃ علماء ہند کی قیادت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی کے ہاتھوں میں ہے جو ایک نہ تھکنے والی شخصیت کا نام ہے، عزم و ہمّت کے پیکر، انتہائی بیدار مغز، متحرک وفعال قائد کی حیثیت سے آج پورے ملک میں مشہور ہیں۔

ایک عظیم قائد

جمعیۃ علماء ہند کی تنظیم ہندوستان گیر پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے۔ اہلِ علم مسلمانوں کا دینی تعلیم سے بہرہ ور طبقہ، علماء، صلحاء، دین کی سربلندی کا جذبہ رکھنے والے، دینی ذہن و مزاج کے اہلِ فکر، مدارسِ اسلامیہ کے اساتذہ دینی اداروں، تنظیموں اور اصلاحی اداروں سے وابستہ افراد کا طبقہ جمعیۃ علماء ہند سے پہلے بھی وابستہ رہا ہے اور آج بھی ہے۔ جوشِ عمل اور عظمت کردار سے بھرپور اس تنظیم میں زندگی کی جو حرارت پہلے تھی وہ اب بھی باقی ہے۔

آج کردار و عمل کی جو برقی رو اس تنظیم کی رگوں میں دوڑ رہی ہے وہ مولانا سیّد اسعد مدنی دامت برکاتہم کے عزم محکم، جوشِ عمل اور عظمت کردار کا پرتو ہے۔ ان کی

شخصیت میں یہ جوہرا کابر جمعیۃ سے منتقل ہوکرآیا ہے، کسی اخلاص اور انتھک جدوجہد کا ثمرہ ہے کہ آج بھی جمعیۃ کی تنظیم بنیان مرصوص کی حیثیت رکھتی ہے جو کسی بھی شکست و ریخت سے متاثر نہیں ہوتی، ہندوستان کے کسی بھی خطے کے مسلمانوں کے تلووں میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کی کھٹک قائد کے دل میں محسوس ہوتی ہے اور آج ۸۷ سال جو جمعیۃ سیکڑوں قیامتوں سے اُلجھتے جھگڑتے گذر چکی ہے۔ آج زندگی کے مسائل کی خارداروادیوں میں حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی کی رہنمائی اور قیادت میں ملّت کے فرائض کوانجام دے کر اپنی روایت برقرار رکھی ہے۔

ہندوستان میں سیاسی بحران

مولانا سیّد اسعد مدنی ۱۹۷۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر منتخب ہوئے وہ دور ملک میں سیاسی بحران کا دور تھا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد ایمرجنسی کا نفاذ، جس نے بعد میں چل کر پورے ملک میں طوفان برپا کردیا۔ جمہوریت نے ڈکٹیٹرشپ کی شکل اختیار کرلی۔ جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تو جنرل الیکشن کا اعلان ہوا اور کانگریس انتہائی ذلت کے ساتھ اقتدار سے محروم ہوگئی۔عوام کا فیصلہ نافذ ہوگیا، مسز اندرا گاندھی پرائم منسٹر ہونے کے بجائے چند ہی دِنوں بعد جیل تک ہو آئیں۔ اب جنتا دَل کے ہاتھوں میں زمامِ اقتدار تھی، جنتا دَل نے درجنوں متضاد نظریات والی جماعتوں کو ساتھ لے کر جو حکومت بنائی تھی وہ دوڈھائی سال سے زیادہ نہیں چل سکی۔ اسی دور میں جمعیۃ علماء ہند نے ملک وملّت بچاؤ تحریک چلائی تھی۔ مرار جی ڈیسائی پرائم منسٹر بنے۔ دو سال بعد مسٹر چرن سنگھ وزیر اعظم ہوئے مگر تین ہی ہفتوں کے بعد وہ تھک گئے اور پارلیمنٹ کو تحلیل کر کے صدر جمہوریہ سے جنرل الیکشن کی سفارش کردی، اب کی بار الیکشن نے پھر کانگریس کو اقتدار سونپ دیا۔ اندرا گاندھی کے ہاتھ میں پھر زمامِ اختیار آ گئی۔

جمشید پور میں قتل وغارتگری

اقتدار کسی کا ہو مسلمانوں کے مسائل جوں کے توں رہے، ان کی نسل کشی کا

سلسلہ کبھی بند نہیں ہوا جیسے یہ ان کا مقدر بن چکا ہے۔ ۱۹۷۹ء کے بالکل آخر میں بہار کے علاقہ جمشید پور میں مسلمانوں پر جو تباہی و بربادی آئی اس کی کربنا کی کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس خوبصورت شہر میں نہ صرف قتل و غارتگری اور لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری ہوئی بلکہ انسانیت سوز اور وحشیانہ درندگی کے ہولناک اور دلدوز مناظر نگاہوں کے سامنے آئے، ایک ایمبولینس کو پٹرول چھڑک کر جلانے اور اس میں سوار تیرہ مسلم خواتین، لڑکوں اور لڑکیوں کو زندہ جلا دیئے جانے کا لرزہ خیز واقعہ بھی ہوا۔ جمشید پور میں محلے کے محلے اُجڑ گئے، ویران ہوگئے اور نانِ شبینہ کو محتاج ہو گئے۔ ۴۵ ہزار اشخاص بے گھر ہوگئے، ۹ سو سے زائد لوگ قتل ہوئے اور جلائے گئے، جمعیۃ علماء ہند نے اپنی روایت کے مطابق ریلیف کا انتظام کیا اور دو لاکھ چار ہزار ایک سو پچاس روپے اپنے وسائل سے فراہم کرکے ان کی مدد کی۔ یہ ضروریاتِ زندگی کے لیے فوری امداد تھی۔ اس کے علاوہ مکانات کی مرمّت، مقدمات کی پیروی، گرفتار شدگان کی رہائی اور چھوٹے موٹے کاروبار کرنے والوں کو ان کے پیروں پر کھڑے ہونے کے لیے رقمیں دی گئیں۔

جتیندر نرائن کمیشن

جمشید پور کا فساد کتنا بھیانک، کتنا رُوح فرسا تھا سرکاری تحقیقات کے بعد بہت سے حقائق سامنے آئے۔ جتیندر نرائن کمیشن نے اپنی رپورٹ میں نہ صرف ظالموں اور قاتلوں کی نشاندہی کی بلکہ فسادات کے انسداد کے سلسلہ میں بھی کچھ اہم سفارشات بھی کیں، مگر افسوس کہ ان سفارشات کو کبھی عملی جامہ نہیں پہنایا گیا اور ردّی کی ٹوکری میں ڈال دی گئیں۔

مسلمانوں کو شہادتوں کے لیے تیار کرنا بڑا اہم کام تھا، جمعیۃ علماء ہند مقدمات اور کمیشن کے سامنے بیان دینے اور دلانے میں ایک فریق مقدمہ کی حیثیت سے آخر تک شریک رہی اور اس کی کوششیں نتیجہ خیز ثابت ہوئیں، جمشید پور کے مسلمانوں کی بازآبادکاری، ان کی ابتدائی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی اور ان کے دُکھ درد کے ان

لمحات میں ان کی شریک رہی۔ ان لٹے پٹے لوگوں کی ہر نازک مرحلہ پر پوری پوری مدد کی اور ان کو نئی زندگی شروع کرنے میں ہر امکانی مدد کرنے میں کوئی دریغ نہیں کیا۔

بہار کے مختلف علاقوں میں فساد

اسی ۱۹۷۹ء کے آخر میں جمشید پور کے علاوہ بہار میں سہسرام، گیا، پورنیہ اور نالندہ ضلع میں کئی مقامات پر فرقہ پرست غنڈوں نے مسلمانوں کی آبادیوں میں تباہی مچائی، قتل و غارتگری، آتشزنی اور لوٹ مار کی ہر جگہ یکساں حکمتِ عملی اختیار کی گئی، بہار ملٹری پولیس بی ایم پی نے مسلمانوں کو کچلنے اور ان کے گھروں کو لوٹنے میں وہی کردار ادا کیا جو اتر پردیش کی بدنام زمانہ پی، اے، سی، کرتی آئی ہے، بہار کے یہ فسادات اتنے بھیانک اتنے وحشتناک تھے جیسے بہار کے ان علاقوں کو مسلمانوں کے مگر مچھ کی طرح نگل جائیں گے اور اس سرزمین پر مسلمان نام کے کسی فرد کو زندہ نہیں رہنے دیں گے، مایوسی کی انتہا یہ تھی کہ خود جمعیۃ علماء ہند کے افراد جن کی راتوں کی نیند حرام ہو چکی تھی حکومت سے مطالعہ کیا کہ ان تمام علاقوں کو فوج کے حوالے کر دیا جائے اور حکومت بہار سے مطالبہ کیا کہ وہ فوراً استعفیٰ دے کر وزارت کی کرسیاں چھوڑ دے۔

فساد ہی فساد

اس پورے دور میں ہندوستان جیسے جنگلی درندوں کا مسکن بن چکا تھا، اس ملک میں جنگل کا قانون رائج تھا، لا اینڈ آرڈر کا کہیں وجود نہیں تھا جیسے پورے ملک کے مسلمانوں پر بارش کی طرح تباہیاں اور بربادیاں برس پڑی تھیں، بنگال میں ندیا، تامل ناڈو میں پالاکوڈ فسادات کی بھٹی میں سلگتے رہے، بنگلور اور احمد آباد میں نومبر ۱۹۷۹ء میں فسادات ہوئے، مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے ان تمام تباہ شدہ علاقوں کا تفصیلی دورہ کیا۔ اخباروں میں بیانات دیئے۔ گجرات حکومت سے مل کر احتجاج کیے اور ان کو مظلوموں اور تباہ حال مسلم اقلیت پر جو قیامت ٹوٹی تھی اس کی تفصیل بتائی، اور امن و امان قائم کرنے اور مظلوموں کی امداد کی طرف متوجہ کیا۔ اس

پورے دور میں جمعیۃ علماء ہند کے رہنما اور خود صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی کا حال اس مصیبت زدہ شخص کا حال تھا جس کے گھر میں چاروں طرف سے آگ کے شعلے بھڑک اُٹھے ہوں اور وہ دوڑ دوڑ کر چاروں طرف آگ بجھانے کی ہر ممکن کوشش کرر ہے ہوں اور اس کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو رہی ہے۔

الیکشن کے بعد

جنتا حکومت اپنے داخلی انتشار سے مجبور ہو کر مستعفی ہوگئی تو صدر جمہوریہ نے الیکشن کا اعلان کر دیا۔ اس الیکشن میں کانگریس پھر برسرِ اقتدار ہوگئی اور اندرا گاندھی دوبارہ پرائم منسٹر بن گئیں لیکن مسلمانوں کو تباہیوں کے جس سیلاب نے گھیرے میں لے رکھا تھا اس کی تباہ کاریوں میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اگست ۱۹۸۰ء میں دہلی، بریلی اور الٰہ آباد میں زبردست فسادات ہوئے۔ اسی سال بہار شریف شہر میں اور اس کے نواحی علاقوں میں یہ فسادات پھیل گئے۔ فسطائی عناصر نے ان فسادات میں جس سفاکی، درندگی اور وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا اس کا ذکر بھی انتہائی دردناک ہے۔ پہلے تو بلوائیوں نے بہار شریف کے کئی محلوں کو لوٹ کر ویران کر دیا اور پھر پلان کے مطابق دیہات کا رُخ کیا اور دہائی کے بے گناہ اور بے خبر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، اتنے کربناک ظلم وستم توڑے کہ اس کا تصور بھی دُشوار ہے، شہر میں خاندان کے خاندان قتل کر دیئے گئے یہاں تک کہ بچوں پر بھی ترس نہیں آیا۔

جمعیۃ علماء ہند اور غلام علاقے

ابھی ایک ہی سال گذرا تھا کہ جمعیۃ علماء ہند کو اپنی پوری توانائیاں صرف کر کے یہاں کے فساد زدہ علاقوں کے مظلوم مسلمانوں کی باز آبادکاری کا فریضہ انجام دینا تھا سال بھر کے بعد ہی دوبارہ پھر انھیں قیامتوں کا سامنا کرنے کے لیے جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں کو جانا پڑا۔ مظلوم اور برباد شدہ مسلمانوں کی وقتی مدد اور تسلی تشفی کے بعد سب سے زیادہ توجّہ افسران کی جانبداری اور بلوائیوں کی مدد کے مسئلہ پر دی گئی کیونکہ

اگران افسران کا تعاون اوران کی چشم پوشی نہ ہوتی تو بہادر بلوائی کبھی بھی مسلم آبادیوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کرتے بلوائیوں سے کم یہ افسران انتظامیہ کے افراد مجرم نہیں تھے اس کے وفود وزیر اعلیٰ کے پاس بھیج کر صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے خود ذمہ دارانِ حکومت اور خاص طور پر وزیر اعلیٰ سے مل کر مطالبہ کیا کہ ان افسران کو معطل کیا جائے جن پر بلوائیوں سے ساز باز کا الزام ہے۔ بار بار کے مطالبہ کے نتیجے میں وزیر اعلیٰ بہار نے ۹؍مجسٹریٹوں کو معطل کردیا اور ان میں سے دو کی گرفتاری کا بھی حکم دیا گیا۔

پولیس خود سب سے بڑی مجرم ہے

ہندو مسلم فسادات میں بلوائیوں سے زیادہ خود پولیس بھی مجرم ہے، کیونکہ پولیس اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے جو ملک میں فرقہ پرستوں نے بنایا ہے۔ بلوائیوں کے جور و ستم میں جو کمی رہ جاتی ہے پولیس اس کو مکمّل کردیتی ہے۔ پولیس کا یہ مجرمانہ کردار کانگریس کے پورے دَورِ حکومت میں رہا وہی کردار آج بھی ہے۔ اس میں سر مو فرق نہیں آیا کیونکہ حکومت نے پولیس کے ظلم کو آج تک ظلم ہی نہیں سمجھا ہے، اتر پردیش کی پی، اے، سی، اور بہار کی بی ایم پی کے جتنے جوان ہیں ان فسادات میں ان کے طرزِ عمل سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کبھی آر ایس ایس جیسی فسطائی تنظیم کے والنٹیئر رہے ہوں گے، جمعیۃ علماء ہند کو انھیں سانپوں کے ڈسے ہوئے لوگوں کا علاج معالجہ کرنا ہے، بہار کے تمام فساد زدہ علاقوں میں اور جمعیۃ ریلیف کمیٹیاں بنادی گئیں جس کے ذریعے مظلومین کی ہر طرح کی امداد کی گئی اور ان کو دوبارہ آباد کرنے اور کاروبار کے لحاظ سے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے پر ہر طرح کا تعاون دیا گیا اور مالی مدد کی گئی۔

مرادآباد میں قیامتِ صغریٰ

۱۹۸۰ء میں مرادآباد میں عین عید کے دن ایک معمولی واقعہ کو بہانہ بنا کر پولیس نے عیدگاہ میں اندھادُھند گولیاں چلا کر سینکڑوں جوانوں، بوڑھوں اور بچوں کو خاک و

خون میں تڑپ تڑپ کر جان دینے پر مجبور کردیا، عیدگاہ لاشوں سے پٹ گئی، واقعہ صرف اتنا تھا کہ عید کی نماز ہورہی تھی کہ ایک گلی سے سوروں کا ریوڑ آیا اور نمازیوں کی صفوں میں گھس گیا، فطری طور پر مسلمانوں کو غصہ آیا، عیدگاہ میں انتظام کے لیے جو پولیس موجود تھی اس سے احتجاج کیا، لب ولہجہ قدرے گرم تھا، شور اور ہنگامہ بڑھ گیا، کسی جانب سے شاید ڈھیلے بھی چلے، پولیس کے لیے اتنا بہانہ کافی تھا اس نے بندوقوں کی نالیں سیدھی کیں، نہتے مسلمانوں پر فائر جھونک دیا اور دو سو سے زیادہ بوڑھے جوانوں اور بچوں کی لاشیں عیدگاہ میں بچھا کر رکھ دیں۔ پورے شہر میں کہرام مچ گیا، عید کی مسرت غم واندوہ کے سمندر میں غرق ہوگئی، درندہ صفت پولیس کا کلیجہ ٹھنڈا ہوگیا اور غیر معین مدت کا کرفیو لگا کر زبان حال سے کہہ دیا گیا کہ زندگی بھر آنسو بہاؤ اور ماتم کرو۔

کرفیو لگانے کے بعد مسلمانوں کے گھروں کی اسلحہ کے نام پر تلاشیاں لی جانے لگیں، پی، اے، سی، کی روایتی لوٹ کی دوسری مصیبت بھی مسلمانوں پر پڑی، اور کئی درجن معزز مسلمانوں کو گرفتار کرکے جیلوں میں بھیج دیا گیا اور سخت ترین دفعات لگا کر ان پر مقدمات چلائے گئے، جمعیۃ علماء ہند کے متعدد وفود مرادآباد پہنچے، خود صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند مرادآباد پہنچ کر حالات کا جائزہ لیا۔ ظلم وستم کی ساری داستانیں مظلوموں کی زبانوں سے سنیں، افسران سے گفتگو کی، مظالم کے روک تھام کی ہر امکانی کوشش کی مگر نادرشاہی کی پیشانی شکن آلود ہی رہی۔ مجبوراً ۱۸/اگست کو پارلیمنٹ میں مظلوم مسلمانوں کی فریاد پہنچی۔

پارلیمنٹ میں بیان

۱۸/اگست ۱۹۸۰ء کو ایوانِ میں یہ آواز گونجی:

”ڈپٹی چیرمین صاحب!

آج ہندوستان کا سر شرم سے جھک گیا، مجھے حیرت ہوتی ہے کہ مرادآباد میں کیا اشتعال تھا؟ سور چلا گیا تھا، اس کے جانے کے بعد جو

ثبوت ملتا ہے وہ اتنا ہی ملتا ہے کہ پولیس والوں سے اس بات پر تو تو میں میں ہوئی، نماز پڑھنے والے یہ کہتے تھے کہ یہ سور کیسے آئے؟ ان کو باہر کرو، لیکن وہ پولیس والے جن کے بل بوتے پر الیکشن جیتا جائے اور وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ اب وہ اس ملک کے حکمراں ہوگئے ہیں، ان سے یہ بات پوچھتی بھی ان کی شان کے خلاف ہوگئی، مانا کہ تیز کلامی ہوتی، یہ بھی فرض کرلیا جائے کہ کسی کوارٹر یا کیمپ سے کچھ ڈھیلے بھی آئے، میں نہیں سمجھتا کہ ڈھیلے کا جواب ایسی فائرنگ سے ہو جو ایک وحشیانہ اور درندہ قسم کی فائرنگ ہو۔

آپ نے سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے کہا، ہندوستان کی تاریخ آزادی میں بدنما داغ کی طرح سے جنرل ڈائر کا نام آتا ہے۔ لیکن مرادآباد کے واقعہ نے آج جنرل ڈائر کا نام بھلا دیا ہے۔ مرادآباد میں جس طرح کی فائرنگ ہوئی ہے اس سے اس میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد پچاس ساٹھ بتائی گئی ہے۔ جبکہ دو روز پہلے 'نو بھارت ٹائمز' نے ۲۰۰ کی تعداد بتائی تھی، مرادآباد کے واقعہ نے جلیانوالہ باغ کی وحشتناک فائرنگ کی ہولناکی کو مات کردیا ہے، اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جانا تو سنا گیا تھا لیکن اینٹ کا جواب گولیوں سے نہیں ہوسکتا تھا نہ جانے کتنے بوڑھے جوان اور بچے ان گولیوں کا شکار ہوگئے۔ آج انسانیت سسک رہی ہے۔

مسٹر ڈپٹی چیرمین!

میں صاف لفظوں میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ محض یہ کہہ کر اس میں پاکستان کا ہاتھ ہے، غیر ملکی ہاتھ ہے، ہمیں مرعوب کیا جاتا رہا، مسلمانوں کو ڈرایا جاتا رہا، لیکن ان الزامات سے مسلمانوں سے کو مرعوب نہیں کیا جاسکتا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا دوسرے برادرانِ وطن کا، ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں نے بھی اتنا ہی اپنا

خون بہایا ہے جتنا دوسروں نے، اس لیے ہم یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ ہم کو ہمارا حق ملنا چاہیے، جو آج تک صرف دستور اور آئین کے صفحات میں بند ہے۔‘‘

سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے آپ نے آخری بات فرمائی کہ مرادآباد کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر آر یہ ہیں، ان کا فسادات کا ایک ریکارڈ ہے۔ اعظم گڑھ میں رہا تو وہاں فسادات ہوئے، آگرہ میں رہا تو وہاں بھی فسادات ہوئے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسے لوگوں کی ایک فہرست وزارتِ داخلہ کے پاس رہنی چاہیے۔ ایسے کلکٹروں کو حساس ضلعوں میں ہرگز نہ بھیجا جائے۔

زخموں پر مرہم

مرادآباد ہمیشہ سے جمعیۃ علماء ہند کی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ اس لیے وہاں کے عوام کو بھی اکابرین جمعیۃ سے ذہنی لگاؤ تھا۔ ان کی امیدیں ان سے وابستہ تھیں۔ مرادآباد جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری اور صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی تو عین کرفیو کے ایّام میں پہنچے۔ امن کی بحالی، مسلمانوں پر تلاشی کے کام سے یک طرفہ تشدد کی روک تھام، مقدمات میں ماخوذ مسلمانوں کی دست گیری اور جیل سے رہائی کی ہر امکانی جدوجہد مسلسل جاری ہی۔ جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے رہنماؤں نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے، اور مظلوموں کی خبر گیری اور ضروری امداد کو بہم پہنچائی جاتی رہی۔

وزارت داخلہ کی مشاورتی میٹنگ میں

مرادآباد کا واقعہ صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی کے دل کا ناسور بن گیا، اس واقعہ کو آسانی سے آپ بھلا نہ سکے اور جہاں، جب بھی موقع ملا آپ نے مرادآباد کا دردناک واقعہ چھیڑ دیا۔ چند مہینوں بعد ۱۱ر فروری ۱۹۸۱ء کو وزارت داخلہ کی مشاورتی کمیٹی میں بحیثیت ممبر پارلیمنٹ شریک ہوئے تو مرادآباد کا زخم پھر تازہ ہوگیا، یہ مشاورتی کمیٹی وزیر داخلہ نے فرقہ وارانہ فسادات کے انسداد پر غور کرنے کے لیے

بلائی تھی۔آپ نے بحث میں بولتے ہوئے فرمایا!

''مرادآباد کے فساد کو فرقہ وارانہ کہا جاتا ہے، میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ فرقہ وارانہ فساد قطعاً نہیں تھا، آپ کی انتظامیہ اور پولیس اپنے جرم کو چھپانے کے لیے اس کو ہندو مسلم فساد کہتی آ رہی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے۔کہ پی، اے، سی، اور پولیس نے مسلمانوں کا قتل عام کیا ہے، اس کے باوجود آج تک کلکٹر اور ایس پی کو وہاں سے نہیں ہٹایا گیا جن کے دور میں وہاں دو مرتبہ فساد ہوا جو تقریباً ساڑھے تین ماہ تک چلتا رہا مگر وہی کلکٹر اور ایس پی آج تک وہاں موجود ہیں۔

قومی سلامتی ایکٹ کے تحت پندرہ گرفتاریاں ہوئیں مسلمانوں میں بابو اشفاق حسین انصاری صدر راؤ کانگریس کمیٹی، قاضی نصرت حسین ایڈوکیٹ اور حافظ عظیم الدین جیسے فرشتہ صفت لوگ پکڑے گئے، مگر گریش گوئل ایڈوکیٹ، ایس گوئل ایڈوکیٹ جوہری اور دوسرے وہ لوگ جو مسلم اقلیتی افراد کے قتل میں نامزد ہیں ان کو چھوڑ دیا گیا ہے، آر، ایس، ایس، والوں نے سٹی زون کونسل بنا رکھی ہے اسی سٹی زون کونسل کے اشاروں پر مرادآباد کے افسران چل رہے ہیں، اس کونسل نے ستیش چند گپتا ایڈوکیٹ جیسے آر، ایس، ایس، کے ورکر کو امن وامان کی سفارش کی پرکاش سنگھ ڈی، آئی، جی، نے رات کو تین بجے وہاں کے کانگریس آئی کے ایم، ایل، اے، حافظ محمد صدیق کو کوتوالی سے چلے جانے کے لیے کہا جبکہ شہر میں کرفیو لگا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ اس کا مقصد خطرناک تھا، گویا ان کو موت کے منہ میں ڈالنا تھا، یہ ایک ذمّہ دار افسر کا حال ہے، ڈی، آئی، جی، کی وہاں کے مسلمانوں نے بار بار شکایت کی، امن پسند ہندوؤں نے بھی کی لیکن وہ ڈی، آئی، جی، آج بھی اپنی جگہ موجود ہے شاید اس سے چھٹی پانے کے لیے مرادآباد کا ڈویژن بنایا گیا ہے، ایسے پرکاش سنگھ ڈی، آئی، جی، کو کوئی سزا ملی؟ شاید کسی کانسٹبل کو بھی سزا نہیں دی گئی،

مرادآباد کے وہ قاتل پولیس والے آج دوسرے اضلاع میں کہتے ہیں کہ اتنے مسلمانوں کو مرادآباد میں قتل کرکے آیا ہوں، یہاں بھی مرادآباد بنادوں گا، مرادآباد میں تعینات مانگے رام کانسٹبل نے ملہی پور ضلع سہارنپور میں دومسلمانوں کوشہید کر چکا ہے۔

آج فسطائی طاقتیں سارے ملک میں انتشار پھیلا رہی ہیں اور جمہوریت کومٹا کر ملک پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں،موجودہ صورت حال ملک کے ساتھ غداری ہے وفاداری ہرگز نہیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ مرادآباد میں وہ مسجدوں پر قبضہ کرکے ان کومندر بنالیا گیا ہے،کیا ان کو بحال کرانے کے لیے آپ کوئی قدم اُٹھائیں گے؟ آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا کہ جہاں فساد ہو وہاں کے افسران کومعطل کرکے تحقیقات ہوتو سچائی سامنے آجائے گی ،افسران کومعطل کیے بغیر کوئی تحقیقات بالکل بےمعنی بات ہے۔“

حکومت جان ومال کی حفاظت کی ذمّہ دار ہے

چند ہی دِنوں بعد۲۳رفروری۱۹۸۱ءکو راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبہ پر شکریہ کی تجویز کے دوران بھی صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی نے مظلوم مسلمانوں کی حالت زار کونہیں بھولے۔آپ نے تجویز شکر پر ہونے والی بحث میں حصہ لیتے ہوئے ایوان میں کہا۔ابھی ابھی ایک معزز ممبر نے لا اینڈ آرڈر رانصاف اور قانون پرعمل نہ کرنے کی پولیس کی شکایت کی ہے، وہ شکایت ایک عرصہ سے چلی آرہی ہے، ابھی کتنے دِنوں کی بات ہے کہ مرادآباد میں جو غیرقانونی لوگ تھے، جو مجرم تھے وہ نہیں پکڑے گئے، نامزد رپورٹوں کے باوجود، جو مجرم نہیں تھے،جن پر کوئی جرم ثابت نہیں خود پولیس اس کا اعتراف بھی کرتی ہے۔ایسے بے گناہوں کوگرفتار کیا گیا اور جن دو چارمجرموں کو پکڑا گیا تھا ان کوبھی جلد ہی چھوڑ دیا گیا۔اس طرح سے بالکل ناانصافی کی روش پولیس افسران میں بڑھتی چلی جارہی ہے۔سری نگر میں نیشنل اینٹی گریشن کونسل کی تجاویز جن کی غالبًا ابھی دوسری انٹی گریشن کونسل میں تائید کی گئی ہے، ان پر

عمل نہیں کیا جاتا، ان میں اضافہ بھی ضروری ہے کہ ڈسٹرکٹ اتھارٹیز، کلکٹر اور ایس، پی وغیرہ اس بات کے ذمّہ دار ہوں کہ وہاں امن قائم رکھیں اگر وہ امن قائم کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں تو ان کو بیشک انعام دینا چاہیے، ترقی دینا چاہیے، لیکن اگر وہ ناکام رہے تو تحقیقات اور رپورٹ سے پہلے ضروری ہے کہ ان کو سسپنڈ کیا جائے، اور سسپنڈ کر کے تحقیقات کی جائے کہ وہ امن قائم کرنے میں کیوں ناکام رہے، اگر ان کا کوئی دوش، الزام یا ذمّہ داری نکلے تو سزا دی جائے اور وہ ذمّہ دار ہوں، اور اگر اتفاق سے ایسا ہوا کہ وہ کنٹرول نہ کر سکے تو ان کو بری کر دیا جائے، وہ خود بخود بری ہو جائیں گے۔ ایسے ہی سی آئی ڈی کو بھی ذمّہ دار بنایا جائے کہ وہ مجرموں کا صحیح پتہ لگائے۔ مقدمات کو کامیاب کرے، اگر بجروں کو چھوڑ دیا جائے، جرم ہوتے رہیں، قتل کے، لوٹ مار کے، آتش زنی کے، زنا کے وغیرہ وغیرہ مجرم اسی طرح چھوٹتے رہے تو ملک میں لا اینڈ آرڈر کیسے کامیاب ہوگا؟ اور کیسے لوگوں کی جان اور مال عزت و آبرو کی حفاظت ہوسکتی ہے جو حکومت کی پہلی ذمّہ داری ہے۔

صدر محترم اپنا سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اشتعال انگیزی فساد کا سب سے اہم سبب ہوتی ہے، پریس اور اخبار اس سلسلہ میں اہم کردار انجام دیتے ہیں، بے بنیاد باتیں لکھ کر اشتعال پھیلاتے ہیں۔ ابھی پچھلے دِنوں پریس نے جو رول ادا کیا ہے وہ احساس فرض کا نہیں بلکہ اسی جھوٹی خبریں، اشتعال انگیز باتیں شائع کیں جس کی کوئی حقیقت نہیں تھی مثلاً ۱۷راگست ۱۹۸۰ء کو مسٹر گری لال جین نے ''ٹائمز آف انڈیا'' میں مضمون لکھا جس میں کہا کہ مرادآباد میں عید کے دن مسلمان عیدگاہ میں ہتھیار لے کر گئے تھے۔ یاد رہے کہ وہ گرمیوں کا زمانہ تھا۔ گرمی اور برسات میں آدمی کپڑا پہنتا ہے کرتہ، پاجامہ، لنگی ایسے کپڑے جو اس قابل نہیں ہوتے جن میں ہتھیار چھپائے جاسکیں، پھر اگر ایسا ہو بھی سکتا ہے تو اس قسم کی نیت لے کر جائے گا۔ اور اپنے بچوں کو ساتھ لے کر جائے گا کہ کچل جائیں، مارے جائیں جیسے سیکڑوں مارے گئے، ایسی حرکت کرنے کے لیے بچوں کو لے کر نہیں جائے گا، تو اس طرح اشتعال انگیزی کی جاتی ہے، اسی طرح پی، ٹی، آئی، کے حوالے سے لکھنؤ کے متعلق خبر

۲۶را کتوبر کو شائع ہوئی ہے کہ مسجد کے نیچے بم کی ایک فیکٹری پکڑی گئی جس میں پندرہ بم تھے۔ وہ اس طرح کے تھے جیسے مرادآباد، علی گڑھ میں اشتعال ہوئے تھے، ایک پولیس افسر دوبے صاحب کا بیان آیا کہ بنانے والا بہت پرانا عادی مجرم ہے۔

ایک کہانی گڑھ کر یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ جو کچھ ہورہا ہے وہ ایک سازش ہے، بم فیکٹری مسجد میں بن رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔ دوسری طرف خود افسران کی طرف سے اس کی تردید بھی کی گئی۔ جب فضا خراب کر لی گئی یوپی کے ہوم منسٹر نے اس بات کا اظہار کیا کہ یہ سب جھوٹ ہے مسجد سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بہت دُور ایک مکان ہے جو آتش باز شادی اور دیوالی میں چھوڑی جاتی ہے وہی گولے تھے وہ شخص آتش بازی بنانے والا ہے، وہاں کوئی بم نہیں ملا، لیکن اخبار نے ہوم منسٹر کے اس بیان کو شائع نہیں کیا اور نہ شائع شدہ خبر کی تردید شائع کی، آخر کیوں؟

امروہہ ضلع مرادآباد میں دو پولیس والے مارے جاتے ہیں۔قومی اخباروں میں شاہ سرخیوں کے ساتھ یہ خبر شائع کرکے پورے ملک میں اس انداز سے پھیلائی گئی جیسے ہمارے ملک پر دشمنوں کی یلغار ہوگئی ہو، لیکن جب تحقیقات ہوتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ دو آدمیوں میں ذاتی دشمنی تھی یہ دونوں پولیس والے آپسی جنگ میں مارے گئے، امروہہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ منشا یہ تھی کہ یہ الزام مسلمانوں کے سر ڈال کر ہندو مسلم منافرت بڑھادی جائے اور فساد کرا دیا جائے۔

اسی طرح ریڈیو اور بڑے قومی اخبار ملک میں زہر پھیلاتے ہیں۔ دن رات مصروف رہتے ہیں، مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو بھڑکانے، اُن میں اشتعال پیدا کرنے کی ریڈیو اور اخبارات میں جھوٹی خبریں شائع کی جاتی ہیں۔ وہ سب کی سب بالکل جھوٹ ہیں، ان میں کوئی سچائی نہیں، سونیت چوپڑا نے فائننشیل ایکسپریس ۱۲را کتوبر کے شمارے میں لکھا کہ اس قسم کی خبریں بالکل غلط نکلیں اور صرف پروپیگنڈہ تھا، مگر یہ باتیں اس وقت کہی گئیں جب اخبارات کی جھوٹی خبروں نے زہر پھیلا دیا، اس تردید سے کیا فائدہ نکلا۔

تنگ نظری اور منافرت کی آگ بھڑکانے کے ارادہ سے اخبار ''آرگنائزر'' نے

۱۲/اکتوبر کے شمارے میں لکھا اور حکومت کو مشورہ دیا کہ ہندوستان میں ''مسلمانوں کی تمام مذہبی یونیورسٹیوں کو بند کر دیا جائے اور یہ بھی لکھا کہ مرادآباد کے مسلمانوں کی مخصوص صنعت پیتل کی صنعت ہے اس کو مرادآباد سے ہٹا دیا جائے۔مشہور اخبار'' پرتاپ'' دہلی نے ۳۶/ایڈیٹوریل لکھے ہیں، سب میں ہندو مسلم منافرت کو ہوا دی گئی ہے، یہ اخبار راجدھانی دہلی سے نکلتا ہے،لیکن ''پرتاپ'' سے پوچھنے کی حکومت کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتی کہ ملک کی فضا کو کیوں خراب کیا جا رہا ہے، کیوں مسلسل زہر بویا جا رہا ہے۔

مولانا سیّد اسعد مدنی نے اپنے سلسلہ بیان میں آخری بات یہ کہی کہ آج ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ امتیاز برتا جاتا ہے۔ان کی حق تلفی کی جاتی ہے،سرکاری ملازمتوں سے ان کو قصداً محروم کیا جاتا ہے،صرف اس لیے کہ وہ مسلمان ہے، ان سے کمتر درجہ کی صلاحیتوں والوں کو لے لیا جاتا ہے اور بہترین صلاحیتوں کے مسلمان امیدواروں کو محض مسلمان ہونے کی وجہ سے ملازمت نہیں دی جاتی ہے۔

جمعیۃ ریلیف کمیٹی

مرادآباد میں قتل عام اور تلاشی کے نام پر پی،اے،سی، کے ہاتھوں جو تباہی و بربادی آئی اور بہت سے لوگ تباہ و برباد ہوگئے ان کی فوری مدد کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے ریلیف کمیٹی بنائی اور مسلسل دو مہینوں تک برابر مسلمانوں کی خبرگیری کی گئی، ماخوذ مسلمانوں کی جیلوں سے رہائی، مقدمات کی پیروی، کھانے پینے کی اشیاء کی فراہمی کے سلسلہ میں جمعیۃ ریلیف کمیٹی نے تقریباً پانچ لاکھ روپے خرچ کیے۔مظلوموں کی آبادکاری، متاثرہ مکانوں کی مرمّت اور چھوٹے موٹے کاروبار والوں کو ان کا ذریعہ معاش جاری رکھنے کے لیے نقد امداد کی گئی۔گھریلو ضروریاتِ زندگی فراہم کیے گئے۔ جمعیۃ علماء ہند کی پوری ایک ٹیم شب و روز مصروف کار رہی۔

میرٹھ کا ہولناک فساد

مرادآباد کے بعد سب سے بھیانک فساد میرٹھ میں ستمبر ۱۹۸۲ء میں ہوا۔اس

فساد کا سلسلہ کچھ کم وبیش دو مہینوں تک چلتا رہا، جس کے نتیجے میں میرٹھ شہر دو حصوں میں ہندو میرٹھ اور مسلم میرٹھ میں تقسیم ہو کر رہ گیا۔ فساد دونوں حصوں میں ہوا، پہلا فساد بقرعید سے پہلے ہوا، دوسرا فساد اس کے بعد اس وقت ہوا جب سور کاٹ کر اس کے ٹکڑے مختلف مسجدوں میں پھینکے گئے، ابتداء میں مسلمانوں نے انتہائی صبر وضبط سے کام لیا کیونکہ وہ حتی الامکان فساد سے بچنا چاہتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ شہر کا امن وامان تباہ ہو جائے۔

جو تنازعہ پہلے سے چلا آ رہا تھا اس کا تعلق میرٹھ کے ایک محلّہ شاہ گھاسا سے تھا۔ پورے میرٹھ کے لوگ اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتے تھے۔ اس لیے فساد ٹلتا رہا مگر ضلع انتظامیہ مسلمانوں کو سبق سکھانے کا بہانہ ڈھونڈتی رہی۔ اُتر پردیش حکومت کی بھی نیت صاف نہیں تھی بلکہ ضلع انتظامیہ کو اس کی شہ حاصل تھی اس لیے ضلع انتظامیہ نے کچھ ہندو فرقہ پرستوں اور جرائم پیشہ غنڈوں کو لے کر فساد کے شعلے بھڑکا دیئے۔ صرف اس لیے کہ میرٹھ کے جیالے اور بہادر مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کا موقع ہاتھ آ جائے۔ وہ موقع انھوں نے اپنی سازش کے ذریعے حاصل کرلیا۔ پھر تو میرٹھ میں نادر شاہی کا دَور شروع ہو گیا۔ پولیس اور انتظامیہ کی رگوں میں چنگیز و ہلاکو کی رُوح دوڑنے لگی۔ یہ سب مل کر بھوکے بھیڑیے کی طرح مسلم محلوں پر ٹوٹ پڑے۔ وہ قتل و غارتگری مچائی کہ نادر شاہ کی رُوح بھی شرمندہ ہو گئی۔ جمعیۃ علماء ہند کی ٹرسٹ کمیٹی کے چیرمین جنرل شاہنواز اس وقت میرٹھ میں موجود تھے۔ انھوں نے مجلس عاملہ میں اپنے تاثرات ومشاہدات بیان کرتے ہوئے کہا:

”میں نے اپنی زندگی میں بے شمار فسادات دیکھے ہیں۔ نواکھالی اور بہار کے ۱۹۴۶ء کے فسادات میں میں نے گاندھی جی کی خواہش پر ان مقامات میں امن وامان کے قیام اور عوام میں اعتماد کی بحالی کے لیے مہینوں کام کیا ہے لیکن آج تک میں ان حالات سے کبھی مایوس نہیں ہوا تھا لیکن میرٹھ کے فساد اور اس کے دوران وہاں جو حالات پیش آئے مجھ کو ان سے مایوسی ہوئی، کیونکہ صورت حال میری زندگی کے تجربات سے

بالکل الگ تھی۔ افسران، غنڈے، پی، اے، سی، سب نے مل کر کام کیا، خوب لوٹا، خوب کمایا، بھینسوں اور دوسرے جانوروں کو پی، اے، سی، نے ٹرکوں میں بھر کر باہر بھیجا اور بیچ بیچ کر رقمیں اکٹھا کیں۔ حفاظتی فورسیز محلوں میں پہنچتی تھیں اور خوب لوٹ مار کرتی تھیں۔ نقدی اور زیورات خود وہ لوگ لے جاتے اور باقی سامان بلوائیوں اور ہندو غنڈوں اور فسادیوں کے حوالے کر دیتے تھے۔ اس فساد میں نیچی ذات والے لوگوں کو سامنے لایا گیا اور اونچی ذات کے لوگوں نے ان کی مالی مدد کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نیچی ذات کے لوگوں کو مسلمانوں سے لڑا کر یہ لوگ اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے تھے۔ فیروز بلڈنگ میں بے گناہ لوگوں پر پولیس نے گولیاں چلائیں، بڑی تعداد میں مسلمان شہید ہوئے۔ اُوڈین سینما کے قریب پولیس چوکی کے لوگ مسافروں کو قاتلوں کی طرف بھیج دیتے اور وہ انھیں قتل کر کے نالے میں پھینک دیتے۔ غنڈوں اور فسادیوں کی رپورٹیں درج کرائی گئیں۔ ایسے لوگوں کی لسٹ میں نے خود اندرا گاندھی وزیر اعظم ہند کے ہاتھوں میں دی، مگر کچھ نہیں ہوا۔

(سکریٹری رپورٹ، ص۲۲، ۲۳، ۲۴)

ظلم و جبر کی ایک جھلک

محترم جنرل شاہنواز نے اجمالی طور پر فساد میں مسلمانوں کے جانی و مالی نقصانات کا ذکر کیا لیکن اندر جھانک کر دیکھیے تو بڑا ہی لرزہ خیز منظر نظر آتا ہے۔ جسے دیکھ کر انسانیت کانپ جاتی ہے، گھروں میں ذبح کیے ہوئے لوگوں کا خون بکھرا ہوا ہے، بیٹوں کا خون ان کی ماؤں سے، شوہروں کا خون ان کی بیویوں سے، بھائیوں کا خون ان کی بہنوں سے، بندوقوں کی زد میں لے کر زبردستی دُھلوایا گیا۔ حیوانیت و بربریت کا یہ مظاہرہ بڑا ہی کربناک تھا، جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری اور مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند اس دوران بار بار میرٹھ گئے اور بچشم خود یہ خون کے

آنسورُلانے والے ان مناظر کو دیکھا ہے، اپنے تجربات ومشاہدات اخباروں میں شائع کرائے ہیں، ذمہّ داران حکومت سے بار بار مل کر انتظامیہ کے افسران سے مسلسل مطالبات کرتے رہے کہ امن وامان بحال کرو، مجرمین کو پکڑو۔ اترپردیش حکومت کے وزیراعلیٰ سے مطالبہ کیا کہ قتل عام اور غارتگری کے مرتکب افسران کو میرٹھ سے فوراً ہٹایا جائے اوران کے خلاف کارروائی کی جائے اور پی، اے، سی، کی لٹیری جماعت سے میرٹھ شہر کی زمین خالی کرائی جائے مگر اترپردیش کی حکومت مجرمانہ غفلت برتتی رہی اور کسی کا بھی تبادلہ نہیں کیا گیا کیونکہ میرٹھ کے قتل عام پر اس کو نہ افسوس تھا نہ شرمندگی، بہت بعد میں تبادلہ کا حکم ہوا مگر اس حکم کے باوجود حکومت نے ان کو وہیں رہنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا نہ کوئی باز پرس کی، جس کی وجہ سے میرٹھ کے دیہاتوں میں فضا خراب ہونے لگی، اخبار الجمعیۃ نے بڑی مفصل رپورٹیں شائع کیں اور ہر مجرمانہ اقدام کی نشاندہی کی مگر حکومت کی طرف سے صدائے برنخواست۔ افسوس مسلمان کتنا بے بس اور مجبور بنایا جاچکا تھا۔

بڑودہ میں فساد

جن دِنوں میرٹھ میں فساد برپا تھا انھیں دِنوں بڑودہ (گجرات) میں بھی فساد کی آگ بھڑک اُٹھی تھی، بڑودہ میں پچھلے ایک برس میں رُک رُک کر کئی بار فسادات ہوچکے تھے، عشرہ محرم کے موقع پر فرقہ پرست غنڈوں نے یکطرفہ لوٹ مار شروع کردی پھر ۱۴ردسمبر ۱۹۸۲ء کو دوبارہ مسلم کشی کی مہم شروع کردی گئی۔ تیس گھنٹوں تک انتظامیہ نے غنڈہ صفت بلوائیوں کو مکمل چھوٹ دے دی۔ بازاروں میں مسلمانوں کی دُکانوں کو لوٹا گیا، جلایا گیا، مسلم محلوں پر حملے ہوتے رہے، مسجدوں پر پتھراؤ ہوتا رہا، صورت حال اتنی بدتر ہوگئی کہ دوسرے دِن ۱۵ردسمبر ۱۹۸۲ء کو فوج کو الرٹ ہونے کا حکم دے دیا گیا، لیکن فلیگ مارچ نہیں کرایا گیا۔ گجرات حکومت نے بہانہ بنالیا۔

جمعیۃ علماء ہند نے مرکزی حکومت سے بڑودہ کو فوج کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس لیے جب فوج کا فلیگ مارچ نہیں کرایا گیا تو وزیرداخلہ حکومتِ ہند مسٹر

سیٹھی سے ملاقات کی اور حکومتِ گجرات کے رویہ کی شکایت کی تو وزیر داخلہ کو حیرت ہوئی کہ بڑودہ میں فوج کا فلیگ مارچ نہیں ہوا۔ انھوں نے احمد آباد سے فوراً رابطہ قائم کیا اور تنبیہ کی، تب کہیں جا کر مرکزی فورسیز کو شہر میں تعینات کیا گیا۔ چوتھے روز تک شہر میں داخلہ ممکن نہیں تھا، سرکاری اور غیر سرکاری اطلاعات میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے، بڑودہ میں جائداد کی تباہی کا کوئی صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکا۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا مسئلہ

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جو مسلمانوں کا ایک عظیم ادارہ ہے، اس کی تعمیر و ترقی میں مسلمانوں نے اپنا خون پسینہ بہایا ہے۔ آزادی کے بعد سے اس پر فرقہ پرستوں کی نگاہیں لگی رہیں کہ اس کی خصوصیات و امتیازات اور اس کے اقلیتی کردار کو ختم کر کے حیدرآباد کی عثمانیہ یونیورسٹی کی سطح پر کھڑا کر دیا جائے۔ جمعیۃ علماء ہند اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے بھرپور کوشش کی کہ یہ ادارہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں محفوظ رہے، جمعیۃ علماء ہند بار بار حکومتِ ہند سے مطالبہ کرتی رہی کہ اس کا اقلیتی کردار بحال کیا جائے۔ جو قانون پچھلے دِنوں بنایا گیا تھا وہ جمعیۃ علماء ہند کے لیے قابلِ قبول نہیں تھا۔ یونیورسٹی کا مستقبل محفوظ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ پچھلے دستور میں ترمیم کر کے واضح لفظوں میں اس کو اقلیتی ادارہ حکومت تسلیم کرے۔ اس کا نظم و نسق مسلمانوں کے ہاتھوں میں سپرد کر دے، مختلف سمتوں سے بھی اس سلسلے میں جدوجہد ہوئی اور ایک ترمیمی بل لانے کی راہیں ہموار ہو رہی تھیں کہ مسلم یونیورسٹی اندرونی طور پر ایک بحران میں مبتلا ہوگئی اور مسلسل آٹھ مہینوں تک اس کا نظم و نسق معطل رہا، اس مدت میں دو بار یونیورسٹی بند کی گئی اور ایک طالب علم کا قتل بھی ہوگیا۔ اس طرح پورا سال تعلیم کا برباد ہوگیا۔ پولیس یونیورسٹی کیمپس میں خیمہ ڈالے پڑی رہی، نہ امن قائم ہوتا ہے اور نہ پولیس کیمپس سے جاتی ہے۔ روزانہ ہڑتال، احتجاج، مظاہرہ، اساتذہ اور طلبہ دونوں خطرے میں گھرے ہوئے، بدقسمتی سے تاریخ کے ایک پروفیسر عرفان حبیب نے ملحدانہ ذہن و مزاج کی روشنی میں ایک نہایت ہی دل آزار بیان دے دیا جو مسلمان

طلبہ کے لیے نا قابلِ برداشت ثابت ہوا۔اس نے یونیورسٹی کی فضا کوایک دم زہر آلود بنادیا۔اس کی انکوائری کے لیے کمیشن مقرر ہوا، یونیورسٹی میں امن وامان مفقود ہوگیا۔ ہنگامے ہوئے،ایسامحسوس ہوتا تھا کہ یونیورسٹی میں سیلاب بلا چل پڑا ہے وہ کہیں رُکنے کانام ہی نہیں لیتا۔

جمعیۃ علماء ہنداس تشویشناک صورت حال سے نبردآزمائی کے لیے میدان میں آئی۔اس نے مجلس عاملہ میں ۲۹ر اگست ۱۹۸۱ءکو دہلی میں ''کل ہند کنونشن برائے علی گڑھ یونیورسٹی'' بلانے کا فیصلہ کیا اور عملی اقدامات شروع کردیئے۔ اس کنونشن کی مختلف سمتوں سے مخالفت کی گئی۔اس کی راہ میں روڑے اٹکائے گئےلیکن عزم مصمم کی راہ میں کوئی سنگ گراں حائل نہ ہوسکا اور جمعیۃ علماء ہند نے اٹھا ہوا قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔جمعیۃ علماء ہند نے ایک کمیٹی تشکیل کی جومولانا سیّداسعدمدنی صدرجمعیۃ علماءہند، شفیع قریشی سابق وزیرحکومت ہند، جنرل شاہنواز سابق وزیرریلوےحکومت ہنداور مولانا سیّداحمد ہاشمی ناظم عمومی جمعیۃ علماءہند پر مشتمل تھی۔اسی کمیٹی کی طرف سےاس کنونشن کے لیے پورے ملک میں دعوت نامے جاری کیے گئے اور ۲۹ر اگست ۱۹۸۱ءکو یہ کنونشن دہلی میں ہوااور پورے ملک کے مندوبین نے اس کنونشن میں پورے جوش وخروش سے حصہ لیاساری مخالفتوں کے باوجود بھرپورنمائندگی کےساتھ یہ کنونشن دہلی میں ہوا۔

کنونشن میں جذبات وخیالات کے اظہار کے بعد ایک چارنفری کمیٹی تشکیل کی گئی جو پاس شدہ تجاویز کی روشنی میں عملی اقدامات کی ذمّہ دار ہوگی۔ جناب شفیع قریشی سابق وزیرحکومت ہند اس کے چیرمین بنائے گئے اوراس کے ارکان میں مولانا سیّداسعدمدنی صدرجمعیۃ علماءہنداورچودھری مجیب حسین ممبرپارلیمنٹ اورمولانا سیّد احمد ہاشمی شامل تھے۔اس کنونشن میں جوتجویزیں پاس ہوئیں ان کی اہم ترین تجاویز درج ذیل تھیں:

تجویز-۱: پروفیسرعرفان حبیب کے رسوائے عالم بیان کے خلاف چلنے والی انکوائری آج تک مکمّل نہیں کی جاسکی جبکہ اس معاملہ کی وجہ سے دومرتبہ یونیورسٹی بند ہوچکی ہے اور طلبہ کا پورا تعلیمی سال تباہ و برباد ہوگیا اورایک طالب علم کی

شہادت بھی ہوئی۔ یہ افسوسناک صورت حال ہے اس معاملے میں فوری کارروائی کی جائے۔

تجویز-۲: مسلم یونیورسٹی کے حدود سے تمام پولیس فورس فوراً ہٹالی جائے، یونیورسٹی کے تمام مسائل جو طلباء، اساتذہ، ملازمین اور وائس چانسلر کے درمیان متنازعہ رہے ہیں باہمی بات چیت کے ذریعے طے کیے جائیں، جس کے لیے یہ کنونشن ایک ذمّہ دار رہبر کمیٹی مقرر کرتا ہے جو مسائل کو جلد از جلد حل کرانے کی خاموش جدوجہد کرے گی۔

تجویز-۳: یونیورسٹی کی موجودہ انتظامیہ کے ایسے ذمّہ دار اشخاص جن کے طرزِ عمل سے موجودہ بحران پیدا ہوا ہے، جس کی وجہ سے یونیورسٹی کا وقار مجروح ہوا ان کو فوراً تبدیل کردیا جائے۔

تجویز-۴: طلباء کے خلاف چلنے والی مقدمات واپس لے لیے جائیں۔

کنونشن کی سب سے اہم تجویز میں حکومتِ ہند سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ:

"حکومت ہند و مسلم یونیورسٹی ترمیمی بل کو پارلیمنٹ کے اسی اجلاس میں پاس کرکے یونیورسٹی کے تاریخی اور اقلیتی کردار کی بحالی کا اعلان کرکے عوام و خواص کو مطمئن کرے اور یونیورسٹی کے سلسلہ میں جو سازشیں چل رہی ہیں ان کا سدِّباب کرے۔"

مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار بحال

جمعیۃ علماء ہند نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اس دور میں یہ کنونشن بلایا تھا جب وہ بدترین قسم کے بحران میں مبتلا تھی، یہ کنونشن ۳۱ ر اگست ۱۹۸۱ء کو دہلی میں ہوا، کنونشن کے ساڑھے تین مہینے بعد ۲۳ ر دسمبر ۱۹۸۱ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ترمیمی بل پارلیمنٹ میں پیش ہوکر پاس ہوا، 'قومی آواز' لکھنؤ نے ۲۴ ر دسمبر ۱۹۸۱ء کی اشاعت میں یہ خبر دی۔

"۲۳ ر دسمبر ۱۹۸۱ء کو لوک سبھا نے آج شام کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایکٹ اور ضوابط میں ترمیم منظور کرکے اس کے اقلیتی کردار کو بحال

کردیا۔ مسلمانوں کو ایک مدت سے اس کا انتظار تھا، یہ بل آج شام کو چند گھنٹوں کی بحث کے بعد منظور ہوا، کانگریس آئی کے ممبروں نے اس کو مسلمانوں کے لیے سال نو کا تحفہ کہا ہے، وزیر تعلیم مسز شیلا کول جنھوں نے یہ بل پیش کیا ہے، کہا کہ اس سے یونیورسٹی کا اقلیتی کردار بحال کرنے کے سلسلے میں کانگریس نے اپنا الکشنی وعدہ پورا کردیا اور یونیورسٹی کا جمہوری اور سیکولر کردار بھی مجروح نہیں ہوا ہے۔

جمہوری کنونشن پٹنہ

جمعیۃ علماء ہند برابر یہ کوشش کرتی رہی کہ مسلسل فسادات اور یک طرفہ قتل و غارت گری کی وجہ سے مسلمانوں میں احساسِ کمتری نہ پیدا ہوجائے، حوصلے ہار نہ جائیں اوران کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں ہوجائے کہ اس ملک میں ہمارا کوئی ہمدرد نہیں، کوئی ہمارے آنسو پونچھنے والا نہیں، مظلومیت، بے بسی، کسمپرسی ہی ہمارا مقدر ہے، کیونکہ یہ خیال جمود، ذلت کی زندگی پر قناعت پیدا کرتا ہے جو قومی زندگی کے لیے خودکشی سے بدتر ہے۔ پھر وہ از خود اس ملک میں دوسرے درجہ کے شہری بن کر رہ جائیں گے، ذلت و پستی ان کا مقدر بنا دی جائے گی۔ اس لیے جمعیۃ علماء ہنداوراس کے صدر محترم مولانا سیّدا سعد مدنی پورے ملک میں فرقہ واریت اور فسطائی تنظیموں کی سرگرمیوں پر پوری نظر رکھتے ہیں، حکومت اور حکومت کے ذمّہ داروں کو فرقہ پرست تنظیموں کے خلاف دستور و آئینی سرگرمیوں کی طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کو زندگی کی حرارتوں سے معمور رکھنے کی جدو جہد کرتے ہیں۔ اسی سلسلے میں ۷رفروری ۱۹۸۲ء کو پٹنہ (بہار) میں ہونے والے جمہوری کنونشن کی صدارت قبول فرمائی اور ایک پر جوش خطبہ صدارت پیش کیا۔

خطبہ صدارت

چونکہ یہ جمہوری کنونشن ایسے ماحول میں ہورہا تھا جب ملک کی فضا میں مسلمانوں

کے خلاف اشتعال انگیزی کی مہم پورے شباب پر تھی اور اس میں روز بروز شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ پورے ملک میں نفرت و دشمنی کی بارود بچھائی جا رہی تھی اور جب جب کوئی چنگاری گر جاتی بارود بھڑک اُٹھتی تھی، جمشید پور میں ایک خونریز فساد ہو چکا تھا جس کا پوری ریاست بہار پر اثر پڑا تھا۔ اسی کے بعد یہ کنونشن بہار کے دارالحکومت پٹنہ میں ہو رہا تھا۔ اس لیے مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے اپنے خطبہ صدارت میں جمشید پور کے فساد کا پس منظر بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ!

''کسی بھی جگہ فساد یک بیک نہیں ہو جاتا۔ پہلے آر، ایس، ایس، کے لیڈر پہنچتے ہیں، ریلیاں نکالی جاتی ہیں، جن میں نہایت تشدد آمیز اور نفرت انگیز تقریریں ہوتی ہیں، مسلمانوں کے وجود کو بھارت کے لیے خطرناک قرار دیا جاتا ہے، عرب ملکوں سے ان کے ڈانڈے جوڑے جاتے ہیں اور تشدد کی چنگاری ڈال کر آگ اور خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے۔''

صدر محترم نے جمشید پور کمیشن کی رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے نقطہ نگاہ کو مدلل کرتے ہوئے اپنے خطبہ صدارت میں کہا!

''جمشید پور کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ جس دن بالا صاحب دیورس نے مذکورہ بالا تقریر کی جمشید پور کی فرقہ وارانہ فضا میں سخت کشیدگی پیدا ہو گئی، فرقہ وارانہ مسئلہ کا محور روڈ نمبر ۱۴ کے متعلق اور سخت ہو گیا، آگے چل کر کمیشن نے کہا کہ فرقہ وارانہ پروپیگنڈہ فرقہ پرستوں کے اسلحہ خانے کا ایک طاقتور ہتھیار رہے، بھیونڈی، جلگاؤں اور مہاراشٹر کے فرقہ وارانہ فسادات پر جسٹس مدن نے اپنی رپورٹ میں فرقہ وارانہ پروپیگنڈے کے ستائیس اہم شعبوں کی فہرست دی ہے، ان میں ایک دوسرے فرقہ کی مذہبی رسومات و روایات کی مذمت کی ہے، یہی وہ حرکت ہے جو بالا صاحب دیورس نے اس دن سے پانچ دن قبل کی تھی جبکہ رام نومی کا جلوس نکلنے والا تھا، ہندوؤں کے صبر و تحمل کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا اور مسلمانوں میں اس کے فقدان کو اُجاگر کرنا، فرقہ وارانہ پروپیگنڈہ ہے۔

اوّل بالا صاحب دیورس کی تقریر کا مقصد یہ تھا کہ ہندو انتہا پسندوں کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ وہ وارڈ نمبر۱۴ کے بارے میں اپنی مانگ سے کسی طرح پیچھے نہ ہٹیں، دوسرے یہ تقریر بلا شبہ فرقہ وارانہ تھی، تیسرے ڈویژنل کانفرنسوں کے دوران جو شاکھائیں اور کیمپس لگائے گئے ان کے ذریعے ہندو عوام کے سامنے ایک لڑا کو فضا پیش کی گئی۔

ان حالات میں کمیشن کے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ آر، ایس، ایس، کو ان ہنگاموں کے لیے جو ۱۱/اپریل اور اس کے بعد ہوئے ان کا ذمّہ دار ٹھہرائے، اگر انتظامیہ نے شروع ہی میں ایسے فتنہ انگیزوں سے بازپرس کرنے اور فتنہ پھیلانے والے اخباروں اور پریس پر کارروائی کرنے میں تندہی کرتی تو شاید قتل وفساد کی نوبت ہی نہیں آتی اور فساد کی تباہ کاریوں سے شہر محفوظ رہتا۔‘‘

صدر محترم نے فسادات میں اہم رول ادا کرنے والے عناصر، فساد کی تکنیک اور طریقہ کار سب کو تفصیل سے بیان کیا اور بتایا کہ فسادات کے کام پر مسلمانوں میں تباہیاں پھیلانے والے حکومت کے ذمّہ دار افسران، انتظامیہ پولیس، سب کا الگ الگ کردار ہے، یہ سب کے سب مسلمانوں پر بھوکے بھیڑیے کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں اور قانونی فرائض اور اپنی ذمّہ داریوں سے جان بوجھ کر چشم پوشی کرتے ہیں، بلکہ اس کے برعکس یہ کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو ایسی عبرتناک سزا دیں کہ یہ برسوں سر نہ اُٹھا سکیں، اس سلسلے میں آپ نے خفیہ پولیس کے کردار کا بھی ذکر کیا کہ اگر وہ ایمانداری سے اپنے فرائض ادا کرتے تو کبھی بھی اور کہیں بھی فساد ہو ہی نہیں سکتا، امن وامان کی بحالی کے لیے ہر ریاستی پولیس جو اتر پردیش میں پی، اے، سی، اور بہار میں بی، ایم، پی، کے نام سے مشہور ہے اس کا بہت بڑا حصہ انتہائی وحشیانہ فرقہ پرستی میں مبتلا ہے اور ہر جگہ کے فساد میں مسلمانوں کے جان و مال عزت وآبرو کی تباہی بربادی میں بڑا حصہ اسی پولیس کا ہوتا ہے۔ صدر محترم نے اپنے خطبہ صدارت میں واضح لفظوں میں بیان کیا!

”بہار ملٹری پولیس کا رویہ ان فسادات میں نہایت تکلیف دہ اور شرمناک رہا ہے۔ جتیندر نرائن سنگھ نے بی، ایم، پی، کے فرقہ پرستانہ رویہ کے بارے میں لکھا ہے کہ جمشید پور کے فساد میں بہار ملٹری پولیس کے رول کی پی، اے، سی، اتر پردیش کی طرح بہت لوگوں نے بہت پر زور مذمت کی ہے۔ بہار ملٹری پولیس کے مسلم دشمن رویہ کے بارے میں ہندوستان کمیونسٹ پارٹی اور دوسری قومی تنظیموں نے سخت شکایت کی ہے، ان الزامات کی تصدیق سرکاری عہدہ داروں پر جرح کے دوران صاف ہوتی تھی۔“

خطبہ صدارت میں آگے چل کر پرزور لفظوں میں کہا گیا کہ بہار ملٹری پولیس کا تعاون ان فسادیوں کو حاصل نہ ہوتا تو یہ فساد ہی نہیں ہوتا، مزید آپ نے فرمایا کہ حکومت نے فساد کے انسداد کے لیے بہت غور وفکر کے بعد جو لائحۂ عمل تیار کیا ہے اس پر عمل کیوں نہیں، اس مقصد کے لیے سری نگر میں نیشنل اینٹی گریشن کونسل کے جو فیصلے پنڈت جواہر لال نہرو پرائم منسٹر کی صدارت میں ہوئے تھے، جس میں فرقہ وارانہ فسادات کے لیے ضلع افسران کو ذمہ دار قرار دیا جانا طے ہوا تھا۔ نفرت اور امتیاز کے پرچار کو روکنے، تاریخ کی کتابوں کے صحیح واقعات یک جہتی کی سمت میں پھر سے مرتب کرے اور درسی کتابوں پر پھر سے نظر ثانی کر کے ان کو سیکولر بنانے کے لیے فیصلے ہوئے تھے۔ وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی صدارت میں نیشنل انٹی گریشن کونسل نے امن فورس بنانا طے کیا تھا جس میں اقلیتوں اور پسماندہ طبقوں کی معقول نمائندگی دینے کی بات طے ہوئی تھی۔ لیکن یہ سب فیصلے کسی سرد خانے میں ڈال دیئے گئے ہیں یہاں تک کہ ضلع افسران پر ذمّہ داری ڈالنے اور ان کے تبادلے تک کے فیصلوں پر بھی عمل درآمد نہیں کیا گیا۔

صدر محترم نے اپنے خطبہ صدارت میں حکومت کے ذمّہ داروں کی ذہنیتوں سے پردہ اُٹھاتے ہوئے یہ انکشاف کیا کہ حکومت کے اعلیٰ ذمّہ داروں کے نزدیک مسلمانوں کی جان کی قیمت جنگلی جانوروں کی قیمت سے بھی کم ہے، سیکڑوں مسلمان

قتل کیے جائیں تو کوئی باز پرس کرنے والا نہیں، افسران موج مستی میں گم رہتے ہیں۔ یہی افسران کسی ممنوعہ جانور کا شکار کر لیتے ہیں تو ان کو فوراً سزا دی جاتی ہے۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے اور کتنی دردناک سچائی ہے۔ ابھی کتنے دِنوں کی بات ہے کہ مرادآباد ڈویژن کے کمشنر اور ضلع بجنور کے ڈی، ایم، اور ایس، پی، کا تبادلہ بلاتاخیر کر دیا گیا۔ ان پر الزام تھا کہ انھوں نے ایک ممنوعہ جنگل میں ''چیتل'' کا شکار کیا تھا، ایک ''چیتل'' مارنے کا جرم اتنا بڑا تھا کہ افسران کو سزا دینے میں کوئی تامل نہیں تھا۔ اس کے مقابلے میں یہ صداقت بھی پیش نظر رکھ لیجئے کہ مرادآباد میں رُوح کو تڑپا دینے والے قتل عام کے باوجود کسی ذمہ دار افسر کا تبادلہ تک نہیں کیا گیا جبکہ وہ اس سے بڑی سزا کے سزاوار تھے۔

جناب صدر نے آخر میں فرمایا کہ انصاف پسند، امن پسند، انسانیت دوست ہندوؤں کی کمی نہیں۔ اگر جدوجہد کی جائے اور ان کو ساتھ لے کر ملک کی فضا کو اس فرقہ وارانہ زہر سے پاک کرنے کی مہم چلائی جائے تو حالات میں تبدیلی ممکن ہے۔ ہم کو مایوس نہیں ہونا چاہیے، سماج کے دانشوروں، صحافیوں اور سماجی کارکنوں کو ایمانداری سے اپنے فرائض اور ذمّہ داریوں کو ادا کرنا چاہیے۔ تبھی اس ملک میں امن وامان کی فضا قائم کی جاسکتی ہے۔ ورنہ جس تیزی کے ساتھ یہ ملک تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے خطرہ ہے کہ ملک کو کسی بڑے عذاب میں نہ مبتلا کر دیا جائے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس ملک میں عزت و آبرو کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی راہیں ہموار کرے۔ ہم اس ملک میں جو ہمارا ملک ہے اپنی خصوصیات اور امتیازات کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی سبیل پیدا کریں۔ (خطبہ صدارت بہار جمہوری کنونشن)

جمعیۃ علماء ہند اور مسئلہ آسام

آسام میں کبھی مسلمانوں کی اکثریت تھی، آزادی سے پہلے جو وزارت بنی تھی، اس کا وزیر اعلیٰ اسی لیے مسلمان تھا لیکن تقسیمِ بنگال کے بعد آسام کا کچھ حصہ مشرقی پاکستان میں شامل ہو جانے کی وجہ سے مسلمان اقلیت میں آ گئے اور آج پچاس برسوں سے وہ فرقہ پرستوں کی نظر بد کا شکار ہیں اور وہاں کے مسلمانوں کو مختلف جھوٹے

اتہامات والزامات لگا کر مسلسل ستایا جارہا ہے۔

آسام کے مسلمانوں کی زندگی میں اسلام رچا بسا ہوا ہے، وہاں دینی تعلیم عام ہے، بڑے بڑے اسلامی مدارس ہیں، وہاں کے مسلمان خوشحال بھی ہیں اور ایماندار بھی، شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دیار کو اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے، وہاں دین کا فروغ اور اسلامی زندگی ان کی محنتوں کا ثمرہ ہے، وہاں شیخ الاسلامؒ کے کئی خلفاء ہیں جن کا علمی مقام ہی نہیں بلند ہے بلکہ قومی وملّی سطح پر بھی ان کا بلند مقام ہے، انھیں خصوصیات کی وجہ سے مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کو بھی مسلمانانِ آسام کے مسائل سے خصوصی تعلق اور دلچسپی ہے۔ جمعیۃ علماء ہند برابر ان کے مسائل و مشکلات پر نظر رکھتی ہے اور فرقہ پرستوں کی برپا کی ہوئی مشکلات و مصائب میں سینہ سپر ہوکر ان کو حل کرنے اور دور کرنے میں پیش پیش رہتی ہے، ۱۹۷۹ء سے لے کر آج تک یکساں طور پر وہ آسام کے مسائل سے مسلسل وابستہ رہی، صوبائی اور مرکزی حکومتوں سے اُلجھتی رہی اور جو کچھ بھی ممکن ہوسکا بروقت مسلمانانِ آسام کی مدد کرتی رہی۔

مسلمانانِ آسام کا اہم ترین مسئلہ

مسلمانانِ آسام سرحدی ریاست میں رہنے کی وجہ سے فرقہ پرستوں کے اس الزام سے متہم کیے جاتے رہے کہ وہاں کے مسلمانوں کی بڑی تعداد غیر ملکی ہے، کئی مرحلے ایسے آئے کہ آسام کے مسلمانوں کو وطن سے بے وطن کرنے، جائدادوں و املاک سے محروم کرنے اور انھیں غیر ملکی قرار دینے کی سازشیں کی گئیں، اس صورت حال پر جمعیۃ علماء ہند نے نہ صرف شدید احتجاج کیے بلکہ اس ظلم کو ختم کرانے کے لیے زبردست جدوجہد کی۔

چنانچہ قانونی طور پر جائز شہریوں کے لیے نیشنل رجسٹر آف سٹیزن جاری کرائے گئے اور اس کی کاپیاں جمعیۃ علماء آسام کے ضلعی دفاتر میں رکھوائی گئیں، اس طرح ظلم و ستم کا سلسلہ ایک گونہ رُک گیا، جمعیۃ علماء ہند آسام کے مسلمانوں کے سلسلہ میں نئی

دہلی میں ایک کنونشن بلایا اور ۲۸؍ستمبر ۱۹۷۹ء کو ملک بھر میں ''یومِ آسام'' منانے کی اپیل جاری کی گئی۔ اپیل میں آسام کے مسلمانوں کے اپنے وطن سے نکال دینے کی فرقہ پرست عناصر کی سازشوں پر تشویش ظاہر کی گئی۔ آسام کی دو تنظیموں جن سنگرام پریشد اور چھاتر سنگھ نے ووٹر لسٹوں سے مسلمانوں کے نام خارج کرنے کی جو مہم الگ الگ شروع کر رکھی تھی اس پر احتجاج کیا گیا تھا، مسلمانانِ آسام کے خلاف موجودہ غیر ملکی ایجی ٹیشن کا زور جنتا حکومت کے زمانہ میں شروع ہوا، اس تحریک ہی کی وجہ سے مسلمانوں سے نفرت عام ہوگئی اور ریاستی حکومت کے افسران بھی مسلمانوں کے ساتھ ناروا امتیازی سلوک کرنے لگے، زندگی کے تمام شعبوں میں حتیٰ کہ سیلاب زدگان کی ریلیف کے معاملے میں بھی حکومت کے افسران کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ امتیاز برتا گیا، اور سیلاب زدہ مسلمانوں کو سرکاری امداد محض اس لیے نہیں پہنچائی گئی کہ یہ مسلمان ہیں، یہ خون رُلا دینے والی صداقت ہے، تنگ نظری اور تعصب کی یہ انتہا ہے، ان حالات کو دیکھ کر جمعیۃ علماء ہند کو سامنے آنا پڑا اور سیلاب زدگان کی آبادکاری اور ان کی ریلیف کا بڑے پیمانے پر بندوبست کیا۔

فسطائی عناصر اور فرقہ پرستوں نے آسام کی فضا ایسی بنادی کہ جب ۱۹۷۹ء کے آخر میں الیکشن ہوا تو کانگریس کے خلاف پورے ملک میں جنتا پارٹی کی لہر چل پڑی اور کانگریس کو بری طرح شکست کھانی پڑی۔ اسی زمانہ میں ایک فرقہ پرست اخبار ''آرگنائزر'' نے ۱۶؍دسمبر ۱۹۷۹ء کی اشاعت میں لکھا کہ:

> ''آسام سے آنے والے کسی شخص سے دریافت کیا جائے کہ آسام میں کس کی لہر ہے، جنتا لہر ہے یا کانگریس لہر؟ تو فوراً جواب ملے گا ان میں سے کوئی لہر نہیں، بلکہ آسام میں صرف ہندو لہر ہے۔''

اس دَور میں فرقہ پرست ہندوؤں نے ہندو لہر چلا کر مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دینے اور آسام میں آبادی کا تناسب بدل دینے کی مہم چلا رہے تھے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ آسام میں سرحد پار سے لوگ آ کر توازن خراب کر رہے ہیں، اور آسام میں بنگلہ دیشی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد گھس آئی ہے، ان تمام مسلمانوں

کوآسام کے حدود سے نکالنا ضروری ہے، آسام کے اخبارات بھی اس مہم کے چلانے اور طاقتور بنانے میں اہم رول ادا کررہے تھے، اور ہر مسلمان کو مشتبہ بنارہے تھے۔

جمعیۃ علماء ہند نے شروع ہی سے حکومت کو ان اخبارات کی طرف توجہ دلاتی رہی ہے مگر اب جبکہ خود حکومت کے سامنے لا اینڈ آرڈر کے ساتھ ساتھ دستوری تقاضوں کے مسائل اُٹھ کھڑے ہوئے تو ایسے اخبارات میں خرابیاں نظر آنے لگیں، اُنھیں دِنوں مرکزی وزیر داخلہ مسٹر پی، سی، سیٹھی اور وزیر دفاع مسٹر ''وینکٹ رمن'' نے آسام کا دورہ کیا اور سرحدی علاقوں میں گئے، اس دَورے میں ''سنگرام پریشد'' اور ''چھاتر سنگھ'' کے نمائندے بھی ان کے ساتھ تھے، وزیر داخلہ اور وزیر دفاع دونوں حیران رہ گئے کہ کس طرح سرحدوں سے ناجائز داخلہ کا پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے، یہ سب جھوٹ اور فریب ہے، سرحدوں پر ایسے سخت حفاظتی انتظامات ہیں کہ کوئی شخص سرحد پار کرکے آسام میں آ ہی نہیں سکتا، اس کے باوجود بھی غیر ملکی مسلمانوں کے نام پر ایجی ٹیشن کرنے والے نہ پشیماں ہوئے اور نہ اپنی تحریک بند کی، وہ بدستور اب بھی وہی نعرے لگا رہے تھے کہ بنگلہ دیشی مسلمان آسام میں بھر گئے ہیں۔ مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دینے کی مہم چلانے والے جتنی شدت اختیار کرتے اُتنی ہی آسام کی فرقہ وارانہ فضا میں تناؤ بڑھتا رہتا، جس کے نتیجے میں آسام کے مختلف علاقوں میں ہندو مسلم فسادات کا بھی سلسلہ جاری رہتا اور ان مسلمانوں کو مکانات اور جائداد سے جبری بے دخل کیا جاتا رہا، ان تمام مرحلوں میں جمعیۃ علماء ہند اور جمعیۃ علماء آسام ہمیشہ آسام کے مسلمانوں کی بھرپور اور پوری پوری مدد کرتی رہی۔

ظلم و جبر کی انتہا کردی گئی

آسام کے مختلف گاؤں اور شہروں میں پولیس والے شب میں جاتے اور آسامی مسلمانوں کو پکڑ کر کسی نامعلوم مقام پر ٹرک کے ذریعے لے جاکر سرحد کے پار ڈھکیل کر چلے آتے اور یہ سب کچھ ریاستی حکومت کے علم میں ہوتا تھا، پولیس کے اس جرم میں حکومت برابر کی شریک تھی کیونکہ اس نے پولیس کو یہ اختیارات دے رکھے تھے جو

ہندوستان جیسے جمہوری ملک کے لیے باعثِ شرم تھے جس کو چاہا پولیس نے غیر ملکی قرار دے دیا، نہ کوئی قانونی طریقہ کار، نہ مجسٹریٹ، نہ عدالت، پولیس والے خود طے کر لیتے کہ یہ مسلمان بنگلہ دیشی ہے اور اس کو آسام سے نکال دیتی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند نے اس کے خلاف جدوجہد کی، حکومت سے بار بار مطالبہ کیا اور کہا کہ یہ بڑا ہی ظالمانہ طریقہ کار ہے، ایسے اہم ترین مسائل میں جوڈیشل مجسٹریٹ کے فیصلہ کے بغیر کوئی بھی مسلمان غیر ملکی قرار دیا جائے اور پولیس کو قطعی یہ اختیار نہ دیا جائے۔

پولیس کی نادرشاہی

انتظامیہ اور پولیس کے ظلم و جبر کا اس سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس نے نیشنل رجسٹر کی کاپیاں بھی مسلمانوں سے چھین لیں تاکہ ثبوت ختم ہوجائے، جمعیۃ علماء ہند نے حکومت آسام کے اس رویّہ کی سخت مذمّت کی اور حکومت ہند سے احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ حکومت اپنے شہریوں کو آسام سے ڈھکیلنے اور ناجائز اخراج کے اقدامات کو بلاتاخیر بند کرے اور مشکوک شہریت والے افراد کا عدلیہ سے فیصلہ کرالے اور اس کا بارِ ثبوت پولیس پر ہو اور مدعا علیہ کو اپنا وکیل کھڑا کرنے کی اجازت ہو۔

صدر محترم کی پریس کانفرنس

آسام کے مسئلہ کے سلسلے میں صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی نے ۷/دسمبر ۱۹۷۹ء میں ایک پریس کانفرنس بلائی اور اس کے سامنے آپ نے بیان دیا اور آسام کی پوری صورت حال پریس نمائندوں کے سامنے رکھی، آپ نے فرمایا کہ!

> ”غیر ملکی دراندازوں کا بہانہ بنا کر آسام کے جائز اور قانونی شہریوں کو ووٹ کے آئینی حق سے محروم کرنے اور انھیں اپنے وطن عزیز سے نکال دینے کی خطرناک تحریک ’آسام جن سنگرام پریشد‘ اور ’چھاتر سنگھ‘ کے ذریعے چلائی جارہی ہے، اس کے درپردہ آر، ایس، ایس، مرکزی اور صوبائی جنتاپارٹی کے لیڈروں مثلاً دلال بروا، پورن نرائن سنگھ، مسز لیلا

کیتھکی اور آر، ایس، ایس، کا آسامی آرگن ’آلوک‘ کی وہ ناپاک سازش
کارفرما ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہاں سے غیر آسامی شہریوں
خاص طور پر مسلمانوں کو آبادیوں سے نکلوا کر خواہ مخواہ انھیں غیر ملکی قرار
دے کر پہلے ان کو کیمپ کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا جائے اور پھر ان کو
آہستہ آہستہ اپنے وطن سے باہر ڈھکیل دیا جائے۔‘‘

آپ نے پریس کانفرنس میں غیر مبہم اور واضح لفظوں میں یہ فرمایا کہ ہم کو کسی غیر ملکی سے کوئی ہمدردی نہیں ہے، لیکن غیر ملکی دراندازی کا بہانہ بنا کر جائز اور قانونی شہریوں کو نکالا جانا، مظلوم شہریوں اور خاص کر مسلمانوں کے آئینی حقوق کو غنڈہ گردی اور تشدد کے ذریعے چھین لینے کی ناپاک کوشش کرنا بیحد شرمناک ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ کس قدر تکلیف دِہ حقیقت ہے کہ ریاست آسام میں بڑی تعداد غیر ملکیوں کی موجودگی کا جھوٹا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے، سادہ لوح عوام سے سادے فارم پر پولیس کے ذریعے زبردستی دستخط کرائے جاتے ہیں، اور خود فارم پر کر کے غیر ملکی ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، بے بنیاد اور جھوٹے اعتراضات رجسٹرڈ کیے جاتے ہیں اور ان کو بنیاد بنا کر ہر شہری سے شہریت کا دستاویزی ثبوت طلب کیا جاتا ہے۔

مظلوم شہریوں کو غیر ملکی کا الزام لگا کر غنڈہ گردی کے ذریعے زدوکوب کیا جاتا ہے اور ان کی شہریت کے دستاویز کو پھاڑ دیا جاتا ہے، لوگوں سے ثبوت کے لیے زمین کے کاغذات طلب کیے جاتے ہیں، بے گناہوں کے مکانات جلا دیئے جاتے ہیں اور قتل بھی کیا جاتا ہے، آپ نے مزید فرمایا کہ این۔آر۔سی۔ نیشنل رجسٹر آف سٹیزن کی کاپیاں جو جمعیۃ علماء آسام کے ضلعی دفاتر میں محفوظ تھیں جو وہاں کے مظلوم شہریوں اور خاص طور پر مسلمانوں کے لیے آسام میں ۱۹۵۰ء سے پہلے کی موجودگی کا ثبوت مہیا کرتی تھیں، جنتا حکومت کے سابق وزیر اعلیٰ ’’گلاب بار بورا‘‘ کے حکم پر پولیس کے ذریعے زبردستی چھین لیے گئے ہیں، اعتراض داخل کرنے والوں پر بارِ ثبوت کی ذمّہ داری ڈالے بغیر اب تک تقریباً ایک لاکھ ساٹھ ہزار مظلوم شہریوں کے نام ووٹر لسٹ سے خارج کیے جا چکے ہیں۔ شہریت کے لیے جو ٹریبونل بنائے گئے ہیں ان میں

ایسے افسران کا تقرار کیا گیا ہے، جن کا محکمہ انصاف سے دُور کا بھی تعلق نہیں، مولا نا سیّد اسعد مدنی نے فرمایا کہ آخری بات یہ ہے کہ پوری ریاست میں لاقانونیت اورنراج کی حکومت قائم ہے، دستور اور قانون کی دھجیاں اُڑائی جارہی ہیں، تمام تحفظات بے اثر کردیئے گئے ہیں، اس طرح آج پورا آسام بے انصافی، ظلم وزیادتی، نفرت، تنگ نظری، رشوت ستانی، کرپشن اور غنڈہ گردی کی آگ میں جل رہا ہے، کسی بھی انصاف پسند اور انسانیت دوست کے لیے اس کھلی بے انصافی پر خاموش رہنا ممکن نہیں ہے۔
اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ!

(۱) آسام کے جائز اور قانونی شہریوں کو مکمّل تحفظ دیا جائے۔

(۲) شہریت کا فیصلہ کرنے کے لیے مکمّل عدالتی طریقہ کار اپنایا جائے۔

(۳) ووٹروں کی فہرست سے ناجائز طور پر اخراج یا کسی کو غیر ملکی قرار دینے کے لیے اعتراض داخل کرنے والوں پر بارِثبوت پوری ذمہ داری ڈالی جائے۔

(۴) جن آسامی شہریوں کو غیر قانونی طور پر آسام سے نکالا جارہا ہے یا نکال دیا گیا ہے ان کو واپس آنے کا موقع فراہم کیا جائے۔

(۵) فرقہ پرست طاقتوں اور بدامنی پھیلانے والوں کی سرگرمیوں کو ختم کردیا جائے۔

(۶) مرکزی حکومت اس بات کی مکمّل یقین دہانی کرائے کہ بغیر مکمّل عدالتی کارروائی کے آسام سے کسی بھی شہری کو نہیں نکالا جائے گا۔

(۷) این، آر، سی کی کاپیاں ریاستی ''جمعیۃ علماء آسام'' کے ضلعی دفاتر کو واپس کی جائیں۔

آسام کا مسئلہ کلی طور پر حل نہیں ہوا

ہندوستان کی یا مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ یہاں کوئی مسئلہ آسانی سے حل نہیں ہوتا، ووٹ کی سیاست کی یہ سب سے بڑی خرابی ہے، دستور پر عمل، آئین وقانون کی پابندی اور وطن دوستی کا وہ جذبہ جو ترقی یافتہ ملکوں میں عام ہے وہ یہاں مفقود ہے،

آسام کا مسئلہ اسی ماحول کی وجہ سے اٹکا ہوا ہے، جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی منعقدہ جون ۱۹۸۰ء میں بھی اس کا ذکر ہے اور اگست ۱۹۸۲ء میں بھی اس مسئلہ پر غور کیا گیا، یہ مسئلہ بہت دِنوں تک چلتا رہا، ۱۹۹۳ء کے آغاز میں ایجی ٹیشن کے لیڈروں سے حکومت کی بات چیت کے بعد کچھ آثار اچھے ضرور نظر آئے، لیکن چند ہی مہینوں کے بعد صورت حال بد سے بدتر ہوگئی۔

جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس عام

جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس عام ۱۹۷۳ء میں دہلی میں ہوا تھا، اس کے ٹھیک دس برس بعد ۱۴-۱۵ جنوری ۱۹۸۳ء کو عروس البلاد بمبئی میں ہوا، مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے صدارت فرمائی، تقریباً پانچ ہزار مندوبین اور پورے ملک کے نمائندے ہر حصہ اور ہر علاقہ سے آئے تھے جن میں علمائے کرام، مشائخ عظام، سیاسی وسماجی رہنما، ماہرین تعلیم، ماہرین اقتصادیات، مورخ، صحافی، ادیب اور مجالس قانون ساز کے ممبران شامل تھے، ۱۴؍جنوری کی شب میں آزاد میدان میں پچاس ہزار انسانوں کا جم غفیر جمع تھا۔

جلسہ عام کی صدارت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی، بمبئی کی مشہور شخصیت مصطفیٰ فقیہ نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا، دوسرے دِن کے اجلاس کو خطاب کرنے والوں میں وزیر سیاحت وہوائی جہاز جناب بھگوت جھا آزاد، جناب جنرل شاہنواز سابق وزیر حکومت ہند، مولانا سیّد احمد ہاشمی، مسٹر محمد امین انصاری وزیر صنعت حکومت اتر پردیش شامل تھے۔

تیسرے دن کے اجلاس میں بتایا جاتا ہے کہ ایک لاکھ سے زائد کا مجمع تھا، اس دِن کے جلسہ میں سبجیکٹ کمیٹی کی مرتب کردہ تمام تجاویز پڑھ کر سنائی گئیں، آج کے اجلاس کے مہمانِ خصوصی ڈاکٹر فاروق عبداللہ وزیر اعلیٰ کشمیر تھے، شری وینکٹا سبیہ وزیر ریاست برائے امور داخلہ، مہاراشٹر کے سابق وزیر اعلیٰ مسٹر عبدالرحمٰن انتولے، مشہور سیکولر رہنما ڈی، آر، گوئل کی تقریریں ہوئیں، آج کے اجلاس کو صدر محترم نے بھی

خطاب فرمایا، اجلاس عام میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے جو تجاویز مرتب کر کے لاکھوں کے مجمع میں پڑھ کر سنائی گئیں اوران کی تائید حاصل کی گئی، وہ تجاویز اخباروں میں آئیں، ان تجاویز میں ایک اہم تجویز فرقہ واریت اورامن وامان سے متعلق تھی، چونکہ یہ تجویز ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے دِلوں کی آواز ہے، اس لیے صرف اسی تجویز کا متن یہاں دیا جارہا ہے!

”ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی اور آر، ایس، ایس، نیز دوسری فرقہ پرست جماعتوں کے ہاتھوں جہاں مسلمان اور ہریجن تباہ ہورہے ہیں وہیں ملک میں بدامنی، نراج اور لاقانونیت بھی پھیل رہی ہے، ہندوستان سے فرقہ پرستی کے زہر کو روکنے کے لیے مہاتما گاندھی نے اپنی جان کی قربانی دے دی تھی، لیکن اقتدار کی ہوس رکھنے والے فرقہ پرست اور فاشسٹ عناصر باز نہ آئے اور وہ فرقہ واریت اور نفرت کو برابر بڑھارہے ہیں۔

سال بہ سال فرقہ وارانہ فسادوں کی تعداد اور شدّت بڑھ رہی ہے۔ آر، ایس، ایس، وشو ہندو پریشد اور بی جے پی مسلمانوں پر یک طرفہ حملہ اوران کا قتل عام کررہے ہیں، اب یہ فسادات یک طرفہ اور مسلمانوں کی نسل کشی کی شکل اختیار کرچکے ہیں، مسلمانوں کے مکانوں، دُکانوں، زمینوں اور قبرستانوں پر قبضہ کرنے کے لیے تباہ کن فسادات علی گڑھ، بہارشریف، پھلواری اور بڑودہ (گجرات) میں یہی ہوا، مسلمانوں کو اقتصادی طور پر تباہ کرنے کے لیے منظّم اور منصوبہ بند غارت گری کی جاتی ہے، ان کے روزگاروں اور معاشیات کو خاص طور سے تباہ کیا جاتا ہے۔ بھیونڈی، علی گڑھ، ساگر، احمد آباد، سنبھل، مرادآباد، بڑودہ اور بنارس میں یہی کیا گیا، میرٹھ میں تو بربریت، ظلم وستم اور سفاکی کی انتہا کردی گئی، نہ صرف مردوں بلکہ عورتوں اور بچوں تک کا قتل عام کیا گیا، نوجوان مسلمان خاص طور پر نشانہ بنائے گئے۔

یہ نسل کشی صرف غنڈہ اور فاشسٹ عناصر کے ہاتھوں ہی نہیں ہوئی،

وہاں کی مقامی حفاظتی فورسیز بی، ایم، پی، پی، اے، سی، وغیرہ نے کھل کر ان جرائم میں شرکت کی، اور انتظامیہ نے یا تو فسادیوں کا ساتھ دیا ورنہ مجرمانہ خاموشی اختیار کرلی اور اکثر جگہ یہ فسادات پولیس ایکشن بن گئے، یہ نہایت دُکھ کی بات ہے کہ ان ہنگاموں میں مسلمانوں کی قتل و غارت گری، لوٹ مار اور آتش زدگی کرفیو ٹائم میں ہوتی ہے، اکثر اوقات پولیس اور غنڈوں کی سازش سے اسی حالت میں مسلمانوں کو مارا اور گرفتار بھی کیا جاتا ہے اور اب تو نوجوانوں کو خاص طور پر مارا اور پیٹا جاتا ہے اور ان کے ہاتھ پاؤں توڑ کر ان کی زندگی بیکار کردی جاتی ہے۔ عورتوں کی عصمت دری تک کے واقعات ہوئے ہیں، ریاستی حکومتوں کا رویّہ عام طور پر نہایت شرمناک اور مجرمانہ رہا، مرکزی حکومت کا رویّہ بھی کچھ کم افسوسناک نہیں ہے، پی، اے، سی، کے مظالم کا وزیر داخلہ نے خود اعتراف کیا ہے اور ایک نئی امن فورس بنانے کا اعلان بھی کیا اور اس میں خصوصیت سے اقلیتی اور پسماندہ طبقہ کے افراد کو بھرتی کرنے کا وعدہ کیا، مگر آج تک یہ امن فورس کہیں دِکھائی نہیں دیتی۔ یہ مزید افسوسناک حقیقت ہے کہ جن مسلمانوں پر ظلم وستم کیا گیا انھیں مظلوموں کو ملزم بنا کر جھوٹے مقدمات میں پھنسایا جاتا ہے۔

نیشنل انٹی گریشن کونسل کے واضح فیصلے موجود ہیں کہ فسادات کی ذمّہ داری ضلع انتظامیہ پر ہوگی اور ان کو معطل کیا جائے گا لیکن بار بار مطالبہ کرنے اور پارلیمنٹ کے ایوان میں تقاضا کرنے کے باوجود ان منصوبوں پر عمل نہیں کیا جاتا ہے۔ ان حالات کی بنا پر مسلمانوں اور مظلوم طبقوں میں مایوسی اور عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوگیا ہے جو ملک کے کروڑوں افراد اور وطن کے لیے نہایت نقصان دِہ ہے۔ فرقہ پرستی اور نفرت کو بڑھانے میں فساد زدہ علاقوں کے بعض مقامی اخبارات اور فاشسٹ، فرقہ پرست تنظیموں کے ترجمان پیش پیش رہتے ہیں، موجودہ

بعض درسی کتابیں بھی اس نفرت کو ہوا دے رہی ہیں، حیرت ہے کہ میرٹھ میں تو زخمی اور ستم رسیدہ مسلمانوں کے ساتھ طبّی دیکھ بھال اور امداد و بحالی میں بھی امتیاز برتا گیا اور متعدد موقعوں پر ان کو محروم کر دیا گیا۔

جمعیۃ علماء ہند نے اقلیتی فرقہ کی فرقہ پرستی کی کبھی حمایت نہیں کی، ہمیشہ اس کے خلاف مورچہ لیا ہے اور آج بھی اس کی مخالف ہے، لیکن اکثریتی فرقہ کی فرقہ پرستی ملک کو فاشزم کی طرف لے جارہی ہے جس سے پورا ملک اس کی جمہوریت اور آزادی خطرے میں پڑ گئی ہے، فاشسٹ ذہنیت یہاں تک پہنچ گئی کہ ۴۵ ممبرانِ پارلیمنٹ کے میمورنڈم پر زبردست شور و غوغا کیا جارہا ہے، جبکہ میمورنڈم میں نہایت منصفانہ اور جمہوری مطالبات ہیں، اب فاشزم کا حملہ مسلمانوں پر ہی نہیں پورے ملک پر ہے، اب فساد مسلمانوں کا نہیں ملک کا مسئلہ ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس مرکزی اور ریاستی سرکاروں سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس صورت حال کو روکنے کے لیے مضبوط اقدامات کیے جائیں، یہ سرکاری فرقہ پرستی اور نفرت کو روک کر مسلمانوں، کمزوروں، مظلوموں کو تحفظ دینے کے لیے اپنی قانونی ذمّہ داریوں کو پورا کریں، اور نیشنل انٹی گریشن کونسل کے فیصلوں پر بلاتاخیر عمل درآمد کریں تاکہ مسلمانوں کی نسل کشی کے افسوسناک اور رُسواکن واقعات کو روکا جاسکے، ضلع انتظامیہ پر ذمّہ داری مظلوموں کے نقصان کی مکمل تلافی اور تباہ شدہ اشخاص کی مکمّل بحالی کے احکامات جاری کرے، پی، اے، سی، اور بی، ایم، پی، وغیرہ کی تشکیل نو کی جائے اور اس میں ۳۳ فیصدی مسلمانوں اور ۳۳ فیصد پسماندہ طبقوں سے کیے جائیں، ان امور پر عملدرآمد کی نگرانی کے لیے وزیر اعظم ہند اور وزراء اعلیٰ کی نگرانی میں اقلیتی امور کی وزارتیں قائم کی جائیں جن کی رہنمائی کے لیے اقلیتی و پسماندہ طبقات کے نمائندوں پر مشتمل کمیٹیاں بنائی جائیں، یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ آر، ایس، ایس،

اور دوسری کمیونل فاشسٹ جماعتوں پر پابندی لگائی جائے، فرقہ پرستی اور نفرت پھیلانے والے اخبارات اور ان کو چھاپنے والے پریس پر ایکشن لیا جائے، سرکاری ونیم سرکاری اسکولوں اور پبلک مقامات پر آر، ایس، ایس، کی شاکھاؤں پر فوراً پابندی لگادی جائے، حکمراں جماعت کو اپنی جماعت کے ان افراد کے خلاف سخت کارروائی کرنی چاہیے جو فرقہ وارانہ فسادات میں شریک اور فرقہ پرستوں کے ساتھ سازش میں شریک ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند مسلمانوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اس تکلیف دِہ حالت میں مایوس نہ ہوں بلکہ پامردی سے اس کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے لیے ملک وقوم میں باعزت مقام بنائیں، جمعیۃ علماء ہند ملک کے مسلمانوں اور خاص طور پر نوجوانوں کو مبارکبا د دیتی ہے کہ وہ وطن عزیز میں ہر طرح کی پریشانیاں برداشت کرتے اور قربانیاں دیتے ہیں، مگر ہمّت کا دامن نہیں چھوڑتے ہیں، جمعیۃ علماء ہند ملک کے تمام سیکولر عناصر کو آواز دیتی ہے کہ وہ سیکولرزم کی حفاظت جمہوریت اور آزادی کی بقا کے لیے متحدہ طور پر اقدام کریں اور وطن دشمنی اور مخالف سرگرمیوں کو ناکام بنانے کے لیے آگے آئیں۔ (مختصر کارروائی وتجاویز)

دوسری تجاویزی

مسلمانوں کے بنیادی مسائل پر اس مفصل تجویز کے علاوہ قومی یکجہتی، مسلمانوں کے خلاف حکومت کے امتیازی سلوک، مسلم پرسنل لا، دینی تعلیم، آسام کے شہریوں کے مسائل، حج، اوقاف، روزگار اور ملازمتوں پر تجویزیں پاس ہوئیں اور اجلاس عام میں ان تجاویز کو پیش کر کے تائید حاصل کی گئی۔

خطبہ صدارت

بمبئی کے اجلاس عام کی صدارت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء

ہند نے فرمائی تھی اور خطبہ صدارت پڑھا تھا، جس میں آپ نے قوم وملّت کے اہم ترین اور نازک ترین حالات ومسائل پر دل کے پورے درد کے ساتھ روشنی ڈالی اور ان کے دُوررَس اثرات کی نشاندہی فرمائی، یہ تو تاریخ کی ایک حقیقت ہے کہ آزادی کے بعد ۳۶ برسوں میں مسلمان جن حالات سے گذرا ہے وہ بڑے ہی کربناک ہیں، وہ اب تک ایک ایسے جنگل میں زندگی کے دن گزار رہا تھا جہاں وحشی درندے، پھنکارتے ہوئے سانپ اور بچھوؤں کی کثرت ہے، کب کوئی درندہ حملہ آور ہوجائے، کب کوئی زہریلا سانپ ڈس لے، ڈنک اُٹھائے ہوئے کالے کالے بچھوڈنک ماردیں، اور درد وکرب سے کراہتے ہوئے شب وروز گذریں۔ ان ۳۶ برسوں کی کہانی کچھ ایسی ہی جگر خراش ہے، انسانیت زخموں سے چور، بلکہ بیشتر زخم تو ناسور بن چکے ہیں، ان کی مرہم پٹی کرنا جمعیۃ علماء ہند کی پہلے دن سے ذمّہ داری ہے، شب وروز کے بیشتر اوقات اسی زخم خوردہ انسانیت کے لیے مرہم شفا تلاش کرنے میں گذرتے رہے ہیں۔

یہ حالات کی مجبوری تھی کیونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی کوئی تنظیم تقسیم ملک کے بعد مجرم بن گئی تھی، یا اس نے خود کو مجرم سمجھ لیا تھا اس لیے کسی میں زبان کھولنے کی جرأت نہیں تھی۔ اس لیے عوام کی ٹھکرائی ہوئی یہی جمعیۃ علماء ہند تنہا ایسی جماعت تھی جو رودررو کچھ کہنے کی ہمّت رکھتی تھی اور کچھ کرنے کی جرأت و جسارت اس کے سینوں میں موجود تھی اور تاریخ شاہد ہے، کہ وہ اپنی ذمّہ داریوں اور اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں رہی، اس نے اس سلوک کو ہمیشہ کے لیے فراموش کردیا جو عوام نے اس کی مرضی ومنشا کے خلاف راہ اختیار کرکے ہندوستان کے سارے مسلمانوں کو عذاب کی بھٹی میں جھونک دیا اور آج مصائب کے ایسے سمندر میں کھڑے ہیں جس کا کنارہ نظر نہیں آتا۔

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند اپنے اکابر، اپنے اسلاف کے جذبات اور عظمت کردار اور جوشِ عمل کے وارث وامین تھے اسی لیے بمبئی کے اجلاس عام میں جب اپنا خطبہ صدارت پیش کیا تو ماضی کی داستان ان کی نگاہوں میں تھی، اس

میں قوم وملّت کے دُکھ درد کی کہانی ان کے زخموں کے اعداد وشمار اوران کے علاج کی تدابیر، جدوجہد کی مشکلات ومصائب کو پورے سوز وگداز کے ساتھ بیان کر دیا، اور ہر جگہ ان کے دل کا درد بولتا ہوا اور فریاد کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے، آپ نے خطبہ صدارت میں اپنے اسلاف اور جمعیۃ علماء ہند کے اکابر اور رہنماؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا،

”آج ہم ایک ایسے شہر میں جمع ہوئے ہیں جہاں کبھی ۱۹۴۲ء کی کوئٹ انڈیا، انگریزو ہندوستان چھوڑو کی ولولہ انگیز تحریک شروع ہوئی اور برطانوی سامراج کے خلاف نعرۂ جہاد بلند کیا گیا تھا، یہیں سے وہ گرم اور پرجوش تحریک چلی، جس نے ہندوستان کی سرزمین کو انگریزوں کے لیے دہکتا ہوا توا بنادیا۔“

صدر محترم اپنے خطبہ صدارت میں فرماتے ہیں!

”خدا کا شکر ہے کہ آج ہمارا ملّی قافلہ اس شہر میں اُترا ہے جہاں ۱۹۴۲ء میں آزادی کا بگل بجا کر ملک کے سرفروشوں نے سامراج کے خلاف آخری جنگ کا اعلان کر دیا تھا اور جن کی زبانوں سے انگریزوں کے لیے ہندوستان چھوڑو تحریک کا نعرہ سن کر اتنا حیران ہوگئی کہ ان متوالوں کا کیا حشر ہونے والا ہے لیکن یہ حیرانی اس وقت خوشی میں بدل گئی جب ۱۹۴۲ء نے سارے عالم کے سامنے یہ حقیقت کھول دی کہ برطانوی اقتدار کی قہرمانی طاقت ہار گئی، اور آزادی کے نہتے سپاہی جیت گئے، اور یہ صرف اس وجہ سے جیت گئے کہ ان کے مقاصد نیک تھے اور اپنے مقاصد کے لیے مرمٹنا جانتے تھے، ان کی قومی یکجہتی، ناقابلِ شکست تھی، اور ان کا خلوص ناقابلِ انکار، اسی طرح برطانوی سامراج اس وجہ سے پسپا ہوگیا کہ اس کا ظلم آشکارا ہوگیا تھا، اس کی بدعہدیاں، ناانصافیاں لاعلاج بن گئی تھیں اور اس کی بدنظمی سے سارا ملک پریشان تھا۔ ان وجوہ سے اس کی انانیت کا جوا اُتارنے کے لیے عوامی طاقت سینہ تان کر کھڑی ہوگئی اور اس طرح کھڑی ہوگئی کہ گولیاں مار کر بھی اس کی آواز کو دبایا نہیں جاسکتا تھا۔“

مولانا سیّد اسعد مدنی صدر اجلاس نے اپنے خطبہ صدارت میں جمعیۃ علماء ہند کی اجمالی تاریخ بتاتے ہوئے آزادی کی راہ میں بزرگانِ جمعیۃ کی بے مثال قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک کا مختصر جائزہ لیا اور بتایا کہ تحریک آزادی کے ہر موڑ پر اکابر جمعیۃ نے جان کی بازی لگا کر کاروانِ آزادی کو آگے بڑھایا، ہر طرح کے حالات کا مقابلہ پوری جرأت ایمانی کے ساتھ کیا، اپنے ملّی امتیازات اور دینی ذمّہ داری کو بھی کبھی فراموش نہیں کیا، ملّت اسلامیہ کی راہ میں اگر کہیں سے بھی خطرات کے سنگریزے آئے تو ان کو اپنے پاؤں کی ٹھوکروں سے راستہ سے دُور کر دیا، چاہے وہ نہرو رپورٹ ہو، چاہے شدھی سنگھٹن کی تحریک یا واردھا ایجوکیشن اسکیم، ہر لحاظ سے جمعیۃ علماء ہند نے ان حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور آزادی کی منزل کی طرف بڑھتے رہے، یہاں تک کہ ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو ہمارا کاروانِ آزادی اپنی منزل پر پہنچ گیا۔

صدر محترم نے پھر آزاد، کے معاً بعد جو صورتِ حال پیدا ہوگئی۔ غلط قیادت کے نتیجہ میں جو تباہیاں اور بربادیاں آئیں اور مسلمانانِ ہند موت و زیست کے دوراہے پر کھڑے کر دیئے گئے اور ان کے بہروپیے قائد ان کو بھوکے بھیڑیوں کے جنگل میں لاوارث چھوڑ کر اتنی دُور نکل گئے کہ پھر ان کی صورت نظر نہیں آئی اور نہ کوئی آواز سنائی دی، نزع کی حالت میں مسلمانوں کے نمائشی مسیحا مریض کے سرہانے سے اُٹھ کر غائب ہوگئے، اس وقت بھی اکابر جمعیۃ سامنے آئے جنھوں نے ان کے ہر زخم پر مرہم لگایا، پھایا رکھا اور ان کو بستر عدالت سے اُٹھا کر کھڑا کیا اور ان میں از سرنو زندگی کی توانائیاں پیدا کیں اور ان میں حالات سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا کیا، صدر محترم نے آزادی کے بعد کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا!

”آزادی کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے اکابر خصوصاً مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ نے ملک میں مسلمانوں کے بقاو تحفظ اور انھیں باعزت مقام دلانے کے لیے انتھک جدوجہد کی اور اس

سلسلہ میں بے مثال قربانیاں دیں، گاندھی جی کو نواکھالی اور بہار سے
بلاکران کے تعاون واشتراک اور قیادت میں دہلی اور ملک کے دوسرے
مقامات پر آگ اور خون کے طوفان کے آگے بند باندھنے کی کوشش کا
آغاز کیا۔''

تاریخ کی یہ حقیقت ہے کہ آگ اور خون کے اس سیلاب میں ہندوستان کا مسلمان خس وخاشاک کی طرح بہہ جانے پر مجبور ہو چکا تھا، لیکن انھیں کوششوں کا ثمرہ ہے، کہ آج پورے ملک میں مسلمان اپنی خصوصیات وامتیازات کے ساتھ زندہ ہے اور حالات کا مقابلہ کرنے کی اس میں توانائیاں موجود ہیں، صدر محترم نے بتایا کہ جان و مال، عزت وآبرو کی حفاظت کا فرض ادا کرتے ہوئے اکابر جمعیۃ نے اور دوسرے بھی اہم کارنامے انجام دیئے، مولانا موصوف نے خطبہ صدارت میں کہا!

''مسجدیں واگزار کرائی گئیں، درگاہیں کھلوائی گئیں، امن وامان کی فضا
بحال کرنے کی غرض سے امن مارچ کیے گئے اور تقسیم وطن کے نتیجے میں
نکاسی جائداد جیسے ظالمانہ قانون کی زد سے مسلمانوں کو بچایا گیا اور انھیں
کی کوششوں سے مسلمانوں کی کروڑوں اور اربوں کی جائدادیں واپس ملیں۔''

صدر محترم نے اپنے خطبہ صدارت میں اس بات کا بھی ذکر کیا کہ جمعیۃ علماء ہند نے دین کی حفاظت کے لیے کیا کیا اور کیا تدبیریں اختیار کیں، مسلمانوں کے تحفظ کے لیے قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لیے اور امن وامان کی بحالی کے لیے کتنے مشترکہ کنونشن بلائے، جن میں مسلمان لیڈروں کے ساتھ غیر مسلم ممتاز ترین لیڈروں کو بلایا، پھر آپ نے پورے ملک میں فرقہ وارانہ تنظیموں کی وجہ سے جو فضا ہمیشہ زہر آلود بنی رہی، اس کا ذکر کرتے ہوئے آر، ایس، ایس، اور دوسری فسطائی تنظیموں کی حکمت عملی کا جائزہ لیا، پھر انتظامیہ اور اربابِ اختیار کی مسموم ذہنیت کو واشگاف لفظوں میں بیان کرتے ہوئے مختلف مقامات کے فسادات میں کلیدی عہدوں پر فائز ذمّہ دار افسروں اور وزراء کے غلط کردار پر روشنی ڈالی، مرکزی اور ریاستی حکومتوں میں شامل وزراء کی تنگ نظری اور طبیعت کو کھلے لفظوں میں بیان کرتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کے موجودہ

مسائل کا ذکر کیا اور اربابِ حکومت کو ان مسائل کے حل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

اجلاسِ عام کے بعد

بمبئی کے اجلاسِ عام کے بعد ہی مسلمانانِ آسام پر پھر ایک قیامت ٹوٹ پڑی، جمعیۃ علماء ہند آج ۳۵ برسوں سے آسام کی صورت حال پر نظر رکھے ہوئے ہے، کیونکہ ریاستی سطح پر کئی تنظیمیں خالص مسلم دشمن تحریکیں مسلسل چلا رہی ہیں، بین حکومتی سطح پر بعض مسائل حل ہونے کے آثار پیدا ہوتے ہیں کہ پھر کوئی تحریک اُٹھتی ہے اور جمعیۃ علماء ہند کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیتی ہے، وہاں امن وامان کی فضا بگڑ جاتی ہے اور خونریز فسادات شروع ہو جاتے ہیں۔ بمبئی میں اجلاسِ عام کے دوران ہی آسام کے پانچ ضلعوں میں نوگانگ، درانگ، لکھیم پور، گوالپارا اور کامروپ میں بڑے پیمانے پر فسادات شروع ہو گئے، سب سے زیادہ جانی و مالی نقصان نوگانگ کے علاقہ نیلی میں ہوا۔

صدر محترم کا دورۂ آسام

آسام کی صورت حال انتہائی خطرناک ہو چکی تھی اور اتنی ہی خطرناک کہ جب نیلی کے قتل عام کا خیال آتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ وہ دَور تھا کہ ریاستی حکومت ناکام ہو چکی تھی، سرکاری مشینری کی ایجی ٹیشن کے لیڈروں سے کھلی ساز باز تھی، انتظامیہ فسادیوں کی ہم نوا، ہم خیال اور معاون تھی، جان مال کے تحفظ کی ضمانت دینے والا کوئی نہیں تھا، ایسے پر آشوب دَور میں مولانا سیّد اسعد مدنی جمعیۃ علماء ہند آگ اور خون کے سیلاب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آسام کی قتل گاہوں میں پہنچے، مسٹر جنرل شاہنواز صاحب آپ کے رفیق سفر تھے، وہاں پہنچ کر نیلی کی دردناک صورت حال دیکھی۔ مظلومین کی ڈھارس بندھائی، مختلف اضلاع کا تفصیلی دَورہ کیا اور تمام قتل گاہوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد آپ دہلی واپس آئے اور فوراً پریس کانفرنس بلائی، کانفرنس میں پریس کے نمائندوں کے سامنے آپ نے اعلان فرمایا کہ آسام ملٹری پولیس نے آر، ایس، ایس، اور ایجی ٹیشن کے لیڈروں فرقہ پرست اور فسطائی

عناصر سے سازباز کر کے تباہی وغارتگری میں کھلم کھلا حصہ لیا، اس کی ساری ذمّہ داری حکومت آسام پر آتی ہے، آپ نے پریس کانفرنس میں نیلی کے دردناک واقعات کی تفصیل بتائی، پھر آپ نے فیصلہ کیا کہ وزیراعظم حکومت ہند کو اس مسئلہ پر ایک میمورنڈم دیا جائے، جس میں آسام میں فرقہ پرستوں کی سرگرمیوں، آسام ایجی ٹیشن کے لیڈروں کے مقاصد، پولیس اور انتظامیہ کے رول اور گورنر راج کی ناکامیوں کے سلسلے میں اپنے مشاہدات پر تفصیلی رپورٹ ہو، یہ میمورنڈم مرتب کر کے وزیراعظم حکومت ہند کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

آسام کے خونیں مناظر

مولانا سیّد اسعد مدنی نے پریس کانفرنس میں جو تفصیلات پیش کیں اور وزیراعظم حکومتِ ہند کو جو میمورنڈم دیا ان میں اپنے مشاہدات آپ نے پیش کیے، کچھ اس طرح تھی۔

آسام میں غیرملکی ایجی ٹیشن کی تحریک چلائی جارہی تھی، وہ صرف مسلمانوں کے خلاف تھی، اسی دَور میں آسام میں ریاستی اسمبلی کے الیکشن کا اعلان ہوا، اس اعلان کے بعد آر، ایس، ایس، بھارتیہ جنتا پارٹی کی ذیلی تنظیم ’’آسام اسٹوڈنٹس یونین‘‘ اور ’’چھاتر سنگرام پریشد‘‘ نے وہاں کی شورشوں میں فرقہ وارانہ فسادات کا اضافہ کر دیا۔ ۱۲؍فروری ۱۹۸۳ء کو یہ سازش اس وقت بے نقاب ہوئی جب گوہاٹی سے اسّی میل دُور زیریں آسام میں ’’جوکو‘‘ تھانے کے مختلف علاقوں اور دیہاتوں میں فسادات برپا کیے گئے، جوٹولی، ترلوچن اور گڑ کی باری میں سات افراد ہلاک اور متعدد افراد زخمی ہوئے۔ دوسو کے قریب مکانات جلا دیئے گئے۔ انتخابی تشدد میں بھی فرقہ واریت کا مظاہرہ نمایاں طور پر کیا گیا، مولا باڑی میں ایک درجن سے زیادہ مکانات جلا دیئے گئے، جورہاٹ، نوگاؤں اور لکھیم پور کے اضلاع میں جانی و مالی نقصان پہنچایا گیا۔ کامروپ ضلع کے قصبہ منڈیا میں بھی ایک درجن کے قریب گھروں میں آگ لگائی گئی۔

۱۴؍فروری ۱۹۸۳ء کو جب پہلے مرحلے کی پولنگ مکمل ہوئی، بعض مقامات پر

فرقہ وارانہ فسادات ہوئے، سرکاری اعداد وشمار کے مطابق مرنے والوں کی تعداد ۹۱
سے زیادہ تھی، یہ فسادات ''وارانگ''، ضلع کے مختلف قصبات میں ہوئے، لاٹھیوں،
بلموں اور تیر کمان سے مسلح لوگوں نے یہ حملے اس وقت کیا جب رات میں ایک بجے
لوگ اپنے گھروں میں گہری نیند سورہے تھے، انتخابی تشدد قتل و غارت گری اور فرقہ
وارانہ فسادات کا یہ سلسلہ ۲۲ر فروری ۱۹۸۳ء تک زورشور سے جاری رہا، ''گوہ پور'' میں
جو لوگ مارے گئے وہ آسامی تھے اور جن لوگوں نے حملے کیے وہ نیپالی اور قبائلی تھے،
نیلی میں ایک رات میں تقریباً بارہ سو مسلمان عورتوں مردوں اور بچوں کو قتل کیا گیا، اب
فسادات میں تقریباً بارہ لاکھ مسلمان بے گھر وبار ہوگئے جو نسلوں سے آسام میں رہتے
تھے، اس فساد میں کل تین ہزار مسلمانوں کو شہید کیا گیا، جو سب کے سب آسام کے
قدیم باشندے تھے، ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ بنگلہ بولتے تھے، اسی وجہ سے ان کو
غیر ملکی کہا جارہا تھا، ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگادی گئی، جو کچھ اثاثہ تھا لوٹ لیا
گیا، یہاں تک کہ ان کے مویشیوں کو بھی زندہ آگ میں جھونک دیا گیا، ''ہندوستان
ٹائمز'' کے نامہ نگاروں نے ''نیلی'' اور کچھ دوسرے علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد اپنی
رپورٹ میں لکھا آسام کے واقعات نے تقسیم کے بعد کے واقعات کی یاد تازہ کردی،
''انڈیا ٹوڈے'' اور ''سنڈے'' نے نیلی کے مقتولین کی تصاویر شائع کرکے ہندوستان
میں مسلمانوں کے اس سب سے بڑے قتل عام کا انکشاف کرکے انسانی ضمیر پر دستک
دی ہے، ''انڈیا ٹوڈے'' کا وہ شمارہ جس میں کھیتوں میں بکھری ہوئی لاشوں کے مناظر
کی تصویریں شائع ہوئی تھیں ضبط کرلیا گیا، ''الجمعیۃ ویکلی'' نے ان میں سے کچھ
تصاویر کو شائع کیا تھا۔

عہد بہ عہد کی کہانی

آسام میں جب پہلی بار آسامی مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دے کر تحریک اُٹھی تو
جمعیۃ علماء کی مساعی کے نتیجے میں نیشنل رجسٹر کھلا تھا، اس وقت مرحوم صدر جمہوریہ ہند
فخر الدین علی احمد حکومت آسام میں وزیر خزانہ تھے، کیفیت یہ تھی کہ آسام کے

مسلمانوں میں تحفظ کا احساس تک ختم ہوگیا تھا، جمعیۃ علماء ہند کا احتجاج کامیاب ہوا، مسلمانوں کو بازاروں، گھروں، ٹرینوں اور بسوں سے پکڑ پکڑ کر سرحد پار ڈھکیلنے کی وبا ختم ہوئی، لیکن تحریک کے لیڈروں کی سرگرمیاں جاری رہیں، جب آسام میں ''جنتا پارٹی'' کی حکومت قائم ہوئی تو اس مسئلہ کو پھر اُٹھایا گیا۔ جمعیۃ علماء کے مقامی دفتروں پر چھاپے مارے گئے، ثبوت کے کاغذات اور رجسٹر پولیس اُٹھالے گئی، اس طرح ایک بار پھر آسام کے مسلمانوں کو آزمائش میں مبتلا کردیا گیا، تحریک پھر چلائی گئی، ابتداء میں اس کے پس منظر میں علیحدگی پسندی کا جذبہ نظر آتا تھا، بعد میں اس کی فرقہ وارانہ نوعیت اس وقت واضح ہوگئی جب گنتی کے مسلمان طلبہ بھی اسٹوڈنٹس یونین سے الگ ہوگئے۔

صدر محترم کا پارلیمنٹ میں بیان

۲۴؍فروری ۱۹۸۳ء کو مولانا اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے ملک کے مختلف حصوں میں اقلیتوں اور پسماندہ طبقات کے اتلافِ جان کے مسئلہ پر توجہ دلاؤ تحریک پر راجیہ سبھا میں تقریر کرتے ہوئے آسام کے مسئلہ پر بھی گفتگو کی، آپ نے فرمایا!

''آسام میں جن لوگوں کو بنگلہ دیشی کہا جارہا ہے وہ آسام میں ۱۹۱۰ء سے رہتے آئے ہیں اور ان کی کئی کئی پشتیں وہاں گذر چکی ہیں، ان پانچ سات لاکھ افراد کو نکالنے کا مطالبہ ناجائز ہے، حکومت کے بیان کے مطابق الیکشن مخالف تشدد کے واقعات میں تین ہزار آدمی مارے گئے، یہ صورت حال کس قدر افسوسناک اور شرمناک ہے، اس کے لیے جو بھی ذمّہ دار ہے سب کی مذمّت ہونی چاہیے، وہ آر، ایس، ایس، کے لوگ ہوں یا پبلک کے دوسرے لوگ، سب کی مذمّت ہونی چاہیے۔

فسادزدہ علاقوں میں ریلیف

صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی اپنے دورۂ آسام میں گوہاٹی جب پہنچے تو آپ

نے وہیں ۳؍مارچ ۱۹۸۳ء کو ''آسام جمعیۃ ریلیف کمیٹی'' کی تشکیل کی، مولانا احمد علی صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم بانس کنڈی کو ریلیف کمیٹی کا صدر اور مولانا عبدالحق صاحب عاصم گنجی کو جنرل سکریٹری نامزد فرمایا، اور ابتدائی امداد کے طور پر مرکزی جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ ریلیف کمیٹی کو حوالہ کیا، اس کے بعد آپ نے وزیر اعلیٰ آسام سے ملاقات کی اور فساد اور اس سے ہوئی تباہی و بربادی پر گفتگو کی، امن و امان کی بحالی، مظلومین کی امداد و بحالی کے مطالبے کیے۔

تحقیقاتی وفد

۱۱؍مارچ ۱۹۸۳ء کو جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے دونفری وفد گوہاٹی بھیجا گیا تاکہ فساد میں جانی و مالی نقصانات کا سروے کرے اور مفصل رپورٹ مرتب کرے، اس وفد نے آسام اسٹیٹ جمعیۃ ریلیف کمیٹی کے جنرل سکریٹری مولانا عبدالحق صاحب کی معیت میں فسادزدہ علاقوں کا دس روزہ دورہ کیا، ۲۲؍مارچ ۱۹۸۳ء کو صدر محترم مولانا اسعد مدنی بھی آسام پھر پہنچے۔ ابھی جمعیۃ کا وفد وہاں موجود تھا، صدر محترم نے ارکانِ وفد کو لے کر وزیر اعلیٰ آسام مسٹر سیکیا سے ملاقات کی، مظلوم کی آبادکاری، ریلیف، امن کے قیام اور دوسرے معاملات پر مشتمل ایک میمورنڈم ان کو پیش کیا اور ایک گھنٹہ زبانی بات کی۔

وزیر اعلیٰ سے ملاقات کے بعد واپس آکر گوہاٹی میں آسام اسمبلی کے ممبران کے ایک اجتماع کو خطاب کیا اور ان سے گذارش کی۔ وہ اپنے اپنے علاقوں میں جائیں اور انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے مظلومین کی امداد و بحالی کے لیے کام کریں، کسی کی مصیبت میں کام آنا انسانیت کا بہت بڑا فریضہ ہے، ممبرانِ اسمبلی کو کام کا طریقہ ریلیف امداد فراہم کرنے کے مشورے دیئے، صدر محترم نے پھر جمعیۃ ریلیف کمیٹی کی کارکردگی کا جائزہ لیا، ریلیف کا یہ سلسلہ بہت دنوں تک چلتا رہا، مرکزی جمعیۃ علماء ہند نے تین قسطوں میں آسام کی جمعیۃ ریلیف کمیٹی کو ساڑھے تین لاکھ روپے بطور امداد دیئے جو مظلومین کی راحت رسانی میں کام آئے۔

مغربی بنگال میں بھی

آسام کے ساتھ ساتھ مغربی بنگال میں بھی فرقہ پرستوں نے یہی غیر ملکی ہونے کا مسلمانوں پر الزام لگاکر پریشان کرنا شروع کردیا، فرقہ پرست تنظیمیں اس میں پیش پیش تھیں، مسلمانوں کے ساتھ دلی بغض وعداوت کے ساتھ ووٹ کی سیاست، اس خلافِ انسانیت کام پر فسطائی عناصر کو اس طرح کے فتنے کھڑے کرنے پر مجبور کرتی ہے، جب بنگال میں یہ فتنہ کچھ شدت اختیار کرنے لگا، تو مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کلکتہ گئے اور مدنی نگر کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے ریاست کو فرقہ پرستوں کی اس خفیہ مہم کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ مغربی بنگال کے مسلمانوں پر جھوٹا الزام لگایا جارہا ہے کہ وہ بنگلہ دیش سے آکر مغربی بنگال میں سکونت پذیر ہوگئے ہیں، یہ تمام مسلمان اسی علاقے کے باشندے ہیں اور پشتہا پشت سے یہاں رہتے آئے ہیں، حکومت مغربی بنگال کو امن وامان کو تباہ کرنے والی اس تحریک اور اس کے لیڈروں سے باخبر رہنا چاہیے، اور اس فتنہ کا سدّ باب کرنا اس کا قومی وملکی فریضہ ہے۔

بہار میں بھی یہی فتنہ

جمعیۃ علماء ہند ہندوستان کے ہر خط میں آباد مسلمانوں کے مسائل اور حالات سے ہمیشہ باخبر رہنے کی برابر کوشش کرتی رہتی ہے، مرکزی دفتر، بہادر شاہ ظفر مارگ میں واقع جمعیۃ علماء ہند کا سکریٹریٹ پورے ملک سے ہمیشہ رابطہ بنائے رکھتا ہے، آج بھی یہی صورتحال ہے، مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند اپنے دورِ صدارت میں دفتری نظام کو اتنا چوکس بنادیا ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو اخلاص سے ادا کرنے پر مجبور ہے، جونہی یہ خبر ملی کہ بہار میں بھی غیر ملکی کہہ کر ظلم وستم کا آغاز کردیا آسام اور مغربی بنگال کے فرقہ پرستوں کا سبق بہار کے فسطائی کی عناصر نے سیکھ لیا یہاں بھی آر، ایس، ایس، اور بی، جے، پی، کی ذیلی تنظیم ''چھاتر پریشد'' کی طرف سے غیر ملکی ہوّا کھڑا کیا گیا اور برملا کہا جانے لگا کہ بہار کے مختلف اضلاع میں

بھی بڑی تعداد میں بنگلہ دیشی مسلمان گھس آئے ہیں، وہ ناجائز طور پر یہاں مقیم ہیں ان کو یہاں سے نکال باہر کیا جائے، جلسے اور جلوسوں کے ذریعے فضا میں تلخی اور منافرت پھیلائی جاتی رہی اور زہر بھرا جاتا رہا۔

اسی تحریک کے سلسلہ میں ایک مقام لکشمی پور میں زبردست فساد برپا کردیا، جہاں سنتھالیوں کو اُبھار کر مسلمانوں پر حملہ کرا دیا گیا، فسادیوں اور بلوائیوں کو پولیس کا تعاون حاصل تھا، کئی آدمی قتل ہوگئے، کھیتوں کی کھڑی فصلیں بلوائی کاٹ لے گئے اور طرح طرح سے ان کو تنگ کیا جانے لگا، جبکہ وہ بہار کے قدیم باشندے تھے، کوئی بنگلہ دیشی نہیں تھا، لیکن ''خوئے بدر ابہانہ'' بسیار حکومت کے ذمّہ دارانہ عہدوں پر فائز مسموم ذہنیت کے افسران نے اس آگ کو اور ہوا دی، الیکشن افسروں نے جان بوجھ کر بدنیتی سے ووٹر لسٹوں سے ان کے نام کاٹ دیئے اور نوٹس دیا کہ وہ اپنی شہریت کا ثبوت پیش کریں، یہ مسئلہ بڑا ہی پریشان کن بنتا چلا گیا، آخرکار جمعیۃ علماء ہند کو سامنے آنا پڑا، ان علاقوں میں جہاں اس طرح کے اقدامات کیے گئے تھے، وہاں ''جمعیۃ قانونی کونسل کی''، تشکیل کی گئی، جو اس سلسلہ کے سارے کیسوں اور مقدموں کو دیکھے اور پیروی کرے۔

خود صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی کو ۱۱ر نومبر ۱۹۸۳ء کو پورنیہ اور کٹیہار کے متاثرہ علاقوں کا دَورہ کرنا پڑا، شب وروز کی جدوجہد اور ذمہ داروں سے مل کر بار بار مطالبہ کرکے صورت حال کو بدلنے کی کوشش کی گئی مسلمان وکیلوں کی خدمات حاصل کی گئیں، وزیر اعلیٰ بہار اور حکومت ہند کے ذمہ داروں سے مل کر اس ظلم وستم کی شکایت کی گئی، اور اس بات پر زور دیا گیا کہ جو لوگ ہندوستان کے شہری ہیں، ان کو ہراساں کرنے کا سلسلہ ختم کیا جائے، وزیر اعلیٰ بہار نے بہت صفائی سے کہا کہ ایجی ٹیشن کرنے والوں سے متاثر ہوکر افسروں نے یہ نوٹس جاری کردیئے جو نہیں ہونا چاہیئے تھا، فرقہ پرستوں کے پروپیگنڈہ کے سبب ایسا ہوگیا، خدا کا شکر ہے کہ آر، ایس، ایس، اور ''چھاتر سنگھ'' کا پروپیگنڈہ غلط ثابت ہوا اور حکومت نے اپنی ذمہ داری محسوس کی اور یہ فتنہ جمعیۃ علماء ہند کی کوششوں سے اپنی موت آپ مر گیا۔

صدر محترم پریس کانفرنس میں

انگریزی اور ہندی اخبارات نے جمعیۃ علماء ہند کو بدنام کرنے کے لیے کچھ جھوٹے پروپیگنڈے شروع کردیئے تھے، اس لیے صدر جمعیۃ علماء ہند مولانا سیّد اسعد مدنی نے دہلی میں پریس کانفرنس بلائی اور اس میں بہت واضح لفظوں میں کہا!

''ملک کے اخبارات میں بہار کے ضلع پورنیہ کے کشن گنج علاقے اور دیگر مقامات پر غیر ملکیوں کی دراندازی اور بالخصوص اس ضمن میں جمعیۃ علماء ہند کے رول کے متعلق مختلف خبریں شائع ہوئی ہیں، ان اطلاعات میں نہ تو صحیح واقعات وحقائق کو جاننے کی کوشش کی گئی ہے، اور نہ جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ داروں کے ذریعہ جمعیۃ کے موقف کو جاننے کی کوشش کی گئی ہے، اس لیے آج کی پریس کانفرنس میں اس بات کی وضاحت ضروری سمجھی گئی۔

شمالی بہار کے اضلاع کٹیہار اور پورنیہ میں پیپلز ریپریزنٹیشن ایکٹ کی دفعہ ۲۳ کے تحت ہزاروں خاندان کو الیکشن کمیشن کی طرف سے بذریعہ نوٹس اطلاع دی گئی ہے، کہ آپ کی شہریت مشتبہ ہے اس لیے اپنی شہریت کا ثبوت پیش کریں، اگر آپ اپنی شہریت ثابت نہیں کرتے تو کیوں نہ آپ کا نام ووٹر لسٹ سے خارج کردیا جائے، نوٹسوں کے اجرا کا سلسلہ برابر جاری ہے۔

یہ لوگ ضلع کے مختلف مقامات ٹھاکر گنج، ناپوٹھیا، ریگیا نگ، بہادر گنج، کوچا دھانن، ٹیھا کاچھ، چوکی وغیرہ کے علاقوں میں آباد ہیں، ان میں بیشتر خاندان وہاں کے قدیم باشندے ہیں، کچھ لوگ وہ ہیں جو مغربی بنگال کے مالدہ اور مرشدآباد علاقوں سے آکر ۱۹۵۱ء کے بعد آباد ہوئے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ پورنیہ کے جنوبی علاقہ سے آئے ہیں اس لیے ان کو بھاٹیہ کہا جاتا ہے، کیونکہ وہاں کی زبان میں جنوب کو بھاٹی کہا جاتا ہے، کچھ لوگ وہ ہیں جو بہار کے دیگر اضلاع سے یہاں آکر بس گئے ہیں،

تمام متاثرہ خاندان اپنی مقررہ تاریخوں میں حاضر ہوکر برابر اپنی شہریت کا ثبوت پیش کرر ہے ہیں، افسران اُلٹے سیدھے سوالات کر کے ان کے معاملے کو برابر التوا میں ڈالے ہوئے ہیں۔ متاثرہ خاندان ایسا محسوس کرر ہے ہیں، کہ افسران فریق کا رول ادا کرر ہے ہیں، جہاں تک جمعیۃ علماء ہند کے رول کا اور موقف کا تعلق ہے اس کی وضاحت بار بار کی جا چکی ہے، کہ جمعیۃ علماء ہند کسی غیر ملکی درانداز کی حیثیت سے آنے والے کی پشت پناہی، حفاظت، پردہ پوشی کے حق میں نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی جمعیۃ علماء کا موقف یہ ہے کہ مفاد پرست عناصر کی طرف سے بڑے پیمانے پر غیر ملکی دراندازی کے بارے میں شر انگیز پروپیگنڈہ کو بنیاد بنا کر ملک کے جائز اور با قاعدہ شہریوں کو اکھاڑ پھینکنے اور پریشان کرنے کا سلسلہ بند ہو، غیر ملکی دراندازوں کی شناخت کی کاروائی، قانون، انصاف اور آئین کے مسلمہ اصولوں کے مطابق ہو، جمعیۃ علماء ہند ٹھاکر گنج، دیگھلیا نگ، بہادر گنج، کوچہ دھامن، ٹیڑھا گاچھ، اروریہ اور کٹیہار کے علاقوں میں ملک کے جائز شہریوں کی مدد کے لیے ''جمعیۃ شہریت بچاؤ'' کے نام سے کونسلیں قائم کی ہیں، ان کونسلوں کا مقصد غیر ملکی دراندازوں کی شناخت میں رُکاوٹ ڈالنا نہیں، بلکہ جائز شہریوں کی قانونی مدد کرتی ہے، جمعیۃ ان کونسلوں کے ذریعے اَن پڑھ، غریب اور جائز شہریوں کی مدد کرر ہی ہے، جو پیچیدہ قانونی معاملوں میں اپنی مدد خود نہیں کر سکتے، جمعیۃ کی خدمات ان کونسلوں کے ذریعہ قانونی مدد کے ان اداروں کی طرح ہے جو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے ضرورت مندوں کی قانونی مدد کے لیے قائم کیے ہیں۔ (جہد وعمل، ص۱۹-۲۰)

پرانے زخم پھر ہرے ہو گئے

راجستھان کے مسلمانوں کا مسئلہ آزادی کے بعد فوراً پیدا ہوا، آزادی سے پہلے

اورآزادی کے بعد بھی عرصہ تک وہاں کے اَن پڑھ اور پسماندہ مسلمانوں کو مرتد بنانے کی مہم برابر جاری رہی، اور جمعیۃ علماء ہند ہر زمانہ میں اس فتنہ ارتداد کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر دَور میں تیار رہی اور بڑی حد تک اس فتنہ پر قابو پالیا گیا تھا، طاقت کے بل بوتے پر زبردستی خاندانی مسلمانوں کو مرتد کرنے کا سلسلہ بند ہوگیا تھا، پھر وہی سویا ہوا فتنہ پھر جاگ پڑا، جب میناکشی پورم کے پسماندہ طبقات نے اجتماعی طور پر اسلام قبول کرکے اپنے اسلام کا اعلان کردیا، اس اعلان نے فرقہ پرستوں کے دِلوں میں آگ لگادی، وشو ہندو پریشد کی سرگرمیوں کے نتیجہ میں جگہ جگہ فسادات ہونے لگے اور ظلم و جبر کے ذریعہ ان کو پھر مرتد بنانے کی مہم شروع کردی گئی، اجمیر، پالی، اودے پور، بھیلواڑہ کے اضلاع میں جہاں مسلمانوں کی تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ ہے، یہ فتنہ پوری طاقت سے اُٹھا، جب یہ تازہ ترین صورت حال سامنے آئی تو صدر محترم مولانا اسعد مدنی نے کچھ رفقاء کو لے کر اس علاقہ کا دورہ کیا اور حالات کی سنگینی کا اندازہ لگایا وہاں سے واپس آکر ۵؍اگست ۱۹۸۳ء کو وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی کو ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں یہ شکایت کی گئی ’’کہ آزادی کے بعد سے اب تک مسلسل آریہ سماج اور اب چند برسوں سے وشو ہندو پریشد کی طرف سے مسلمانوں کے مذہبی و تہذیبی شخصیات کو ختم کرنے کی سازشیں کی جارہی ہیں، مقامی انتظامیہ ان فسطائی عناصر کو تعاون دے رہی ہے، جس کے نتیجہ میں سارے علاقوں میں تعلیم بند کردی گئی ہے، اسکولوں میں مسلم بچوں کے نام تبدیل کردیئے جاتے ہیں، خود اپنی زمینوں پر مساجد کی تعمیر کی اجازت نہیں دی جاتی، جو لوگ اپنے مذہب پر پوری طرح عمل کرتے ہیں ان کو پاکستانی ایجنٹ کہہ کر بدنام کیا جاتا ہے، ان علاقوں میں ان تنظیموں کی طرف سے لاؤڈ اسپیکروں پر برملا اعلان کیا جاتا ہے کہ ختنہ کرانا بند کردو، مسجدیں اور مدرسے بنانا بند کرو، بچوں کے نام ہندوانہ رکھو، اگر نہیں کروگے تو تمھارے بچوں کو نوکریاں نہیں ملیں گی۔‘‘

میمورنڈم میں حالات کی تفصیل کے بعد متعصب افسروں کے تبادلے کے مطالبے کے ساتھ ساتھ کچھ اور مطالبات بھی کیے گئے تھے، جن کا تعلق وہاں کے

مسلمانوں کے تعصبی واقتصادی، سماجی اور ثقافتی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے حکومت کے تعاون سے تھا۔

عمر گذری اسی دشت کی سیاحی میں

تقسیم ہند کے بعد جمعیۃ علماء ہند کو اس نوعیت کے مسائل کا سامنا پنجاب، ہماچل پردیش، گجرات اور راجستھان میں، کرنا پڑا تھا۔ جمعیۃ علماء ہند نے ان سبھی ریاستوں میں دینی تعلیم کے لیے بنیادی کام کیے۔ گجرات میں اس فتنہ نے ۱۹۵۳ء میں سر اُٹھایا تھا، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں ایک تنظیم اصلاح المسلمین کے نام سے بنائی تھی، اس نے مخدوش علاقوں میں دینی سرگرمیوں کو بڑھانے کے لیے مسلسل کام کیا اور وہ تنظیم آج بھی وہاں قائم ہے اور سرگرم عمل ہے، اس کے تحت اس وقت ۱۸۰ دینی مدارس و مکاتب چل رہے ہیں اور جہاں مسجدیں نہیں ہیں وہاں مسجدیں تعمیر کی جا رہی ہیں۔ مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے اسی طرز پر راجستھان کے علاقہ بیاور میں ''اصلاح المسلمین'' کے نام سے قائم کی جس میں دینی تعلیم کو عام کرنے کے لیے ایک بڑے کام کا آغاز کر دیا اور تمام دُور افتادہ گاؤں اور دیہاتوں میں چھوٹے چھوٹے ابتدائی تعلیم کے دینی مکاتب کا اجرا کیا اور مکاتب کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے، اس کا سارا بار مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند اُٹھا رہا ہے۔

پھر وہی داستانِ خونچکاں

جنوری ۱۹۸۳ء میں بمبئی میں جمعیۃ علماء ہند کا چوبیسواں اجلاس عام ہوا تھا، اس کے بعد پورا سال جمعیۃ علماء ہند کو طوفان حوادث سے گذرنا پڑا، صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی کو اپنی جان ہتھیلیوں پر رکھ کر آگ اور خون کے اس سیلاب میں اترنا پڑا، جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کی کارروائی رجسٹر خون کے آنسو رُلانے والے ان خونیں مسادات کا انسائیکلوپیڈیا بن گیا ہے، آج ہم ان فسادات کا ذکر چند سطروں میں کر دیتے ہیں لیکن جب یہ فسادات ہوئے اس وقت کی ہولناکی کا آپ تصور بھی نہیں

کر سکتے، فسادزدہ علاقوں میں جانا خود کو موت کے منہ میں ڈالنا تھا، وہ علاقے وحشی درندوں اور خونخوار جانوروں کی بھٹ بن چکے تھے۔ ہر طرف بھوکے بھیڑیے شکار کی تلاش میں پاگل بنے پھرتے تھے۔

صدر محترم اور ان کے رفقاء جماعت کا ان علاقوں میں عین فسادات کے دوران جانا کچھ آسان نہیں تھا، اس ملک کے فرقہ پرست خونخوار درندے تو مہاتما گاندھی کو بھرے مجمع میں گولیاں مار سکتے ہیں، وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی جیسی مقبول و محبوب رہنما کو ان کے قلعہ میں ان کی رہائش گاہ پر رائفلوں سے چھلنی بنایا جاسکتا ہے، راجیو گاندھی وزیر اعظم حکومت ہند جن کے دائیں بائیں باڈی گارڈوں کا پورا راستہ تھا، ہزاروں کی بھیڑ میں اس طرح بم سے اُڑا دیا جاتا ہے کہ ان کا جسم پرزے پرزے ہو کر فضا آسمانی میں اُڑ جاتا ہے اور صرف پاؤں کے جوتے سے ان کی شناخت ہوسکی، ایسی وحشی ذہن و مزاج لوگوں کی بھیڑ میں صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی اور ارکانِ جمعیۃ کا جانا صرف ایک جرأت بیباکانہ اور قوت ایمانی کا ثمرہ ہے۔ قومی وملّی خدمات کا جذبہ ہے اور ان کے کردار وعمل کی صداقت اور ان کے اخلاص کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قدم پر ان کی حفاظت فرماتا ہے اور آگ کے دریا میں ڈوب ڈوب کر زندہ وسلامت واپس آجاتے ہیں۔

۱۹۸۳ء کا پورا سال فسادات کی فہرست شماری میں گذرا، ایک بوسیدہ مکان جس طرح برسات میں ہر طرف سے ٹپکنے لگتا ہے کہیں سکون سے لیٹنے اور بیٹھنے کی جگہ باقی نہیں رہتی ہے، ایک سمت مرمت کی جاتی ہے تو دوسری طرف سے پانی کی دھار آنے لگتی ہے، پوری برسات مرمت ہی میں گذر جاتی ہے بالکل یہی حال صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی کی جدوجہد کا تھا، ذرا فسادات کے تسلسل کا آپ خود اندازہ کریں، مہاراشٹر میں داشم، میرج اور کولھاپور اور کئی دوسرے مقامات پر فرقہ وارانہ فسادات ہوئے، راجستھان میں ہنڈولی میں فساد ہوا اور حیدرآباد میں تو فسادات کا تانتا لگ گیا، اتر پردیش کے مشرقی اضلاع میں کئی مقامات پر فسادات ہوئے اور قتل وغارتگری کا سلسلہ رہا، بہار میں دوبارہ لکشمی پور، بہار شریف میں فسادات ہوئے، مہاراشٹر میں

اس سال کا سب سے ہولناک فساد مالیگاؤں میں ہوا، یہ چند مہینوں کی رودادِ غم ہے کیونکہ جون ۱۹۸۳ء میں پھر سہ بارہ بہار شریف اور حیدرآباد کے فسادات ہوئے۔

بہار حکومت کی قابل تقلید مثال

فسادات کی تاریخ میں صرف بہار حکومت کا کارنامہ انصاف اور ایمانداری پر مبنی تھا، بہار شریف میں اس فساد سے سال بھر پہلے زبردست فساد ہو چکا تھا اور اس کا مقدمہ چل رہا تھا، موجودہ فساد سے کچھ ہی دنوں پہلے اس مقدمہ کا فیصلہ ہوا، عدالت نے سات فسادیوں کو عمر قید کی سزا دی اور ۲۲ بلوائیوں کو مختلف المیعاد سزائیں دی گئیں، ۵۶ دوسرے ملزمان کا فیصلہ باقی تھا، جون کے آغاز میں ان میں سے بھی سات مجرموں کو عمر قید کی سزا دی گئی، ایک فساد میں ۱۴ بلوائیوں کو عمر قید کی سزا ہوئی، باقی ملزمان بھی سزا سے نہیں بچ سکے، یہ پہلی مثال ہے جب انصاف اور ایمانداری سے کام لیا گیا، فسطائی اور فرقہ پرست عناصر کے لیے عدالت کا یہ فیصلہ ناقابل برداشت ہو گیا اور اپنی ناراضگی کے اظہار کے لیے ان غنڈوں نے پھر ایک بار بہار شریف کے مسلمانوں کو خون میں نہلا دیا۔

مزید فہرست

بلمور (کرناٹک) کا فساد بھی اسی ششماہی میں ہوا، یہ انتظامیہ کی مجرمانہ غفلت یا چشم پوشی کے نتیجہ میں ہوا، یہ فساد قطعی طور پر روکا جا سکتا تھا، پولیس کو حالات کا علم تھا، وہ خوب جانتی تھی کہ بارود بچھائی جا چکی ہے، بس چنگاری ڈالنے کی دیر ہے، اس علم کے باوجود پولیس اور انتظامیہ نے آر، ایس، ایس، والوں کو ایک مندر میں جلسہ کرنے کی اجازت دے دی، جس کے بعد مشتعل اور مسلح ہجوم مندر سے نکل کر مسلمانوں کے محلوں پر ٹوٹ پڑا۔

اسی طرح اتر پردیش کے شہر خورجہ میں بھی اسی دوران فساد کرایا گیا، پولیس چوکی کے قریب اسلحہ کی دوکان لوٹی گئی، بازار میں چن چن کر مسلمانوں کی دکانوں کو لوٹا گیا پھر

اس میں آ گ لگادی گئی، آر،ایس ،ایس ، کے لیڈران بلوائیوں کی قیادت کرر ہے تھے۔

فسادیوں کی ستم ایجادی

مہاراشٹر کے مشہور شہر مالیگاؤں کا فساد ایک پلان کے تحت کیا گیا، ہندو علاقہ میں جہاں کسی مسلمان کا گذر بھی نہیں ہوتا اسی ہندو محلّہ میں ایک گائے کا تھن کاٹ کر یہ ہوا اُڑادی گئی کہ مسلمانوں نے گئوماتا کا تھن کاٹ دیا ہے، پھر کیا تھا، دہکتی ہوئی آ گ پر گیلن کا گیلن پٹرول ڈال دیا گیا، خونخوار بھیڑیئے پورے شہر میں بکھر گئے، جو تباہی و بربادی وہ مچا سکتے تھے وہ مچائی، مقامی اخبارات نے زہر بونے اور فساد کو بڑھانے میں جھوٹی خبروں کے ذریعہ اہم کردار انجام دیا، ہندوؤں میں اشتعال پھیلا کر اور اور خونخوار اور خون آشام بنادیا ،اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو دکانداروں نے مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ کردیا، راشن ڈیلروں نے راشن کی سپلائی مسلمانوں کے لیے بند کردی، واٹر ورکس والوں نے مسلم علاقے میں جانے والی پائپ لائن کاٹ دی اور پانی بند ہوگیا، ہندو ڈاکٹروں نے مسلمان زخمیوں اور مریضوں کا علاج بند کردیا، غرضیکہ مسلمانوں پر ظلم وستم کی جو صورت بن پڑی وہ سب کرڈالی، صورتحال بڑی ہی کربناک بنادی گئی انتظامیہ احمقوں کی طرح دوسرے کا منہ دیکھتی رہی۔

انھیں خطرناک ماحول میں صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی مالیگاؤں پہنچے اور سارے حالات کا بچشم خود مشاہدہ کیا، شہر کا تفصیلی دورہ کیا، جماعتی کارکنوں سے مل کر حالات کا گہرائی سے جائزہ لیا، پھر مقامی جمعیۃ کے لیڈروں کو لے کر وزیر اعلیٰ مہاراشٹر سے ملاقات کی، اپنے تجربات ومشاہدات اور تاثرات کو حکومت کے ارباب بست، کشاد کے کانوں تک پہنچایا اور ان کو مالیگاؤں کے مظلومین کی حالت زار کی طرف توجہ دلائی، دہلی واپسی کے بعد آپ نے وزیر اعظم حکومت ہند مسز اندرا گاندھی اور وزیر داخلہ حکومت ہند مسٹر پی سی سیٹھی سے مل کر مہاراشٹر ریزرو پولیس کی ظالمانہ روش کی طرف توجہ دلائی جس نے آر،ایس، ایس، اور ہندو سنگھٹن، ہندومہاسبھا اور بی، جے، پی، والوں کے ساتھ فسادیوں کا رول ادا کیا، گھروں کو لوٹا اور جلایا، صدر محترم

کی جدوجہد کے نتیجہ میں وزیرِاعظم مسز اندرا گاندھی خود مالیگاؤں گئیں، مہاراشٹر اسمبلی میں دو گھنٹے اس مسئلہ پر گرم لب ولہجہ میں بحث ہوئی اور ایک بدنام ترین ذمہ دار افسر جس نے مالیگاؤں کے فساد میں اہم ترین رول ادا کیا تھا، اس کا تبادلہ ہوا اور تحقیقات کے لیے ایک کمیشن کا حکومت مہاراشٹر نے اعلان کیا۔

چنگاریاں دُور تک گئیں

مالیگاؤں کے اس خونیں ہنگامہ کو لے کر فرقہ پرستوں نے مختلف علاقوں میں اشتعال انگیزی شروع کردی، مالیگاؤں اور دھولیہ میں ''پتت پاون'' نام کی ایک فرقہ پرست تنظیم نے جلسے کیے، مسلمانوں کے خلاف زہر پھیلایا، ان زہریلی تقریروں کو مرہٹی اخبارات نے جلی سرخیوں سے شائع کر کے آگ پر پٹرول چھڑکا، جمعیۃ علما ہند نے ان اخبارات کو حاصل کر کے ان کے تراشے اپنی یادداشت کے ساتھ حکومت ہند کو بھیجے اور ان اخبارات کو لگام دینے کا مطالبہ کیا، اندرا گاندھی نے مالیگاؤں کی اپنی تقریر میں ان اخبارات کا ذکر اور ان کے رول کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اور ان کے رویہ پر سخت ناپسندیدگی ظاہر کی۔

بہانہ چاہیے کچھ ظلم ناروا کے لیے

حکومتِ ہند ریاستی حکومتوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ عبادتگاہوں کی سرکاری وغیر سرکاری زمینوں پر ناجائز تعمیرات کو روکیں، ہدایت کے مطابق ایسی تعمیرات کے لیے قبل از تعمیر باقاعدہ اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا، وزیرداخلہ پی سی سیٹھی نے کہا کہ اس ہدایت کا مقصد ملک میں فرقہ واریت کے زہر کو پھیلنے سے روکنا ہے، لیکن پورے ملک میں اس ہدایت کے خلاف عمل ہوتا رہا، وقت کی ان زمینوں، مسجد اور خانقاہوں کی افتادہ، زمینوں پر قبضہ کرنے کے لیے رات کے اندھیرے میں وہاں ایک چھوٹی سی مورتی رکھ کر پوجا پاٹ کا ڈرامہ شروع ہوجاتا ہے اور جب اس ناجائز قبضہ پر اعتراض ہوتا ہے تو فساد پھوٹ پڑتا ہے، فرقہ پرستوں نے اکثر مقامات پر فساد

کی یہی تکنیک استعمال کی اور بہت سی جگہوں پر اسی طرح فساد کرایا ہے۔ دہلی میں بھی اسی طرح کے واقعات ہوئے، اسی سال لال کنواں کے علاقہ میں ایک ہنگامہ ہوا، اس کو اچانک اور اتفاقی حادثہ نہیں کہا جاسکتا، اس سے پہلے بھی اس چبوترے کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی جاچکی تھی اور کئی بار ہنگامہ وفساد کی نوبت آچکی تھی، جبکہ وہ وقف کی ملکیت تھی، اس سال پھروہی مذموم حرکت کرکے فساد کرادیا گیا، وہاں ایک فریق مندر تعمیر کرنا چاہتا تھا، پولیس ریکارڈ کے مطابق اس کو روکنے کا دوسرے فریق کو حق حاصل ہے، اس لیے اب کی بار جب پھر اس پر ناجائز قبضہ کی کوشش کی گئی تو اس کو روکنے کے نتیجہ میں ہنگامہ اتنا بڑھا کہ پولیس کو آنسوگیس چھوڑنی پڑی اور ہوائی فائرنگ بھی ہوئی، بڑی جانفشانیاں اٹھانے کے بعد اس کو ہندومسلم فساد بنانے سے روکا جاسکا ورنہ جذبات کی گھٹا چھاچکی تھی اور آگ اور خون کی بارش ہونے ہی والی تھی، خدا کے فضل سے اس علاقہ کے مسلمانوں کو اس سے پناہ ملی۔

ریوالور سے نمازیوں پر گولی چلائی گئی

حیدرآباد ہندوستان کے ان بدنصیب شہروں میں ہے، جو آزادی کے بعد سے برابر ظلم وستم کی آماجگاہ بنا رہا، کوئی سال اگر خیریت سے گذر گیا اور کوئی فساد نہیں ہوا تو یہ حیرتناک بات ہوتی ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا، اسی روایت کے مطابق امسال بھی مسلمانوں کو خون کے دریا سے گذرنا پڑا، معمولی بہانہ بھی وہاں فساد کے لیے بہت بڑا بن جاتا ہے، ستمبر ۱۹۸۳ء میں ایلون فیکٹری کے احاطہ میں واقع مسجد اور درگاہ ابراہیم شاہ میں رات کے اندھیرے میں مورتیاں رکھ کر فساد کرانے کی پرانی تکنیک استعمال کی گئی، جبکہ مسجد اور درگاہ کا انتظام وقف بورڈ کے تحت ہے، فیکٹری میں موجود پولیس نے خود اس مورتی کی پوجا کرکے یہ تاثر دیا کہ انتظامیہ فسادیوں کے ساتھ اور ان کی ہم نوا ہے، اس لیے اس نے فسادیوں اور بلوائیوں کو موقعہ دیا کہ وہ مسجد اور درگاہ میں لوٹ مچائیں، عمارت کو نقصان پہنچائیں چنانچہ یہ سب کچھ ہوا اور پولیس تماشائی نہیں بنی رہی بلکہ فسادیوں کی حوصلہ افزائی کرتی رہی، پولیس ہی کے اشارے پر ۱۱ر ستمبر سے

۱۷ستمبر تک فرقہ پرستوں کی طرف سے طاقت کا مظاہرہ کیا جاتا رہا،علی الاعلان بی ، جے، پی، کے ایم، ایل، اے، اے، نریندر کی طرف سے خون خرابے کی دھمکیاں دی جاتی رہیں، مگر پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی، فیکٹری کے ملازمین کا بھاجپا سے تعلق تھا، اس لیے فساد کا آغاز انھیں سے کرایا گیا، اس واقعہ کا ایک انتہائی ظالمانہ پہلو یہ بھی تھا کہ مکہ مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے والوں کو مسجد سے باہر آنے سے روکنا اور موقعہ پر موجود پولیس افسر کا ریوالور سے نمازیوں پر فائرنگ کرنا ہے، فساد کے دوران فسادی آزاد ہوکر چھرے بازی اور لوٹ مار کرتے رہے، کرفیوں میں مسلمانوں پر سختیاں کی گئیں، قانون صرف مسلمانوں کے لیے تھا فسادیوں کے لیے نہیں، خود وزیر اعلیٰ ’’راما راؤ‘‘ اس وقت حیدرآباد میں موجود تھے، مگر انھوں نے حق وانصاف کی کوئی ذمہ داری پوری نہیں کی۔

صدرِ محترم کا دورۂ حیدرآباد

صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی کو ہمراہ لے کر حیدرآباد گئے حالات کا جائزہ لیا اور وہاں سے واپس ہوکر اپنی رپورٹ لے کر وزیر داخلہ حکومت ہند مسٹر پی، سی، سیٹھی، سے ملاقات کرکے اپنی رپورٹ پیش کی اور حیدرآباد کے واقعات کی تفصیل زبانی بیان کی، صدر محترم نے مقامی اور سول پولیس اور انتظامیہ کے افسران کی جانبداری اور ریاستی حکومت کی لاپرواہی کے سلسلہ میں تفصیلات سے آگاہ کیا، اس ملاقات اور جدجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسجد سے مورتیاں ہٹوائی گئیں، مسجد اور درگاہ کو پاک صاف کیا گیا اور فسادیوں کا زور ٹوٹا، ایک انگریزی ہفت روزہ اخبار میں بھی فساد زدہ حیدرآباد کی رپورٹ شائع کی گئی، جو جمعیۃ علماء ہند کی رپورٹ کی پوری پوری تائید کرتی ہے، نامہ نگار نے فساد کا الزام آر، ایس، ایس، بی، جے، پی، اور مقامی پولیس پر لگایا تھا اور اس بات کی بھی تصدیق کی کہ بی، جے، پی، کے ایم، ایل، اے، اے، نریندر کی سازش کی وجہ سے یہ فساد ہوا۔

بہرائچ کا فساد

اسی سال مشرقی اتر پردیش میں ٹانڈہ ضلع فیض آباد، مئو ضلع اعظم گڈھ، اور بہرائچ میں محرم کے موقعہ پر فسادات ہوئے، مئوناتھ بھنجن کے فساد کا سرغنہ بی، جے، پی، کا ایک لیڈر رام پرشاد تھا، بہرائچ میں لوک دَل کا مقامی ایم، ایل، اے، فساد کی آگ بھڑکانے میں پیش پیش تھا، ذہنی اور فکری اعتبار سے بی، جے، پی، کا ہم خیال اور ہمنوا تھا۔ جمعیۃ علماء ہند دہلی کے دفتر میں جب بہرائچ کے فساد کی اطلاع آئی تو صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے اسی دن بہرائچ جانے کا فیصلہ کرلیا، حکومت اتر پردیش کے ایک وزیر رام سنگھ کھنہ کے ساتھ بہرائچ پہنچے، بہرائچ کے کلکٹر نے وزیر موصوف کو آخر تک دھوکے میں رکھا اور غلط معلومات فراہم کرتا رہا، صدر محترم اپنے ذرائع سے فساد کی تفصیلات سے آگاہ تھے، اس سے کلکٹر کی پردہ پوشی اور فریب دہی کو فوراً سمجھ گئے اس لیے آپ نے فوراً وزیر اعلیٰ اتر پردیش بذریعہ خط فساد کی لرزہ خیز تفصیلات سے مطلع کیا، اس کے ساتھ وزیر اعظم حکومت ہند اور وزیر داخلہ حکومت ہند، کو اس خط کی کاپیاں روانہ کیں اور غیر مبہم لفظوں میں بتایا کہ یہ فساد نہیں بلکہ پولیس ایکشن تھا، پولیس نے جی کھول کر مسلمانوں پر ظلم وستم کیے ہیں۔

جب صدر محترم بہرائچ پہنچے ہیں تو کرفیو لگا ہوا تھا، آپ نے دیکھا کہ بڑی تعداد میں مسلمانوں کے ہاتھ پاؤں توڑ کر ان کی زندگیاں برباد کردی گئی ہیں، ان مظلوم مسلمانوں کو تھانے میں بھوکا پیاسا بند کرر کھا ہے اور پورے وثوق واعتماد کے ساتھ بتایا کہ بغیر اشتعال کے مسلمانوں پر گولیاں چلائی گئیں، جس کے نتیجہ میں کئی قیمتی جانیں گئیں۔

صدر محترم نے انھیں خطوط پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بہرائچ سے واپس ہوکر ہوم منسٹر پی، سی، سیٹھی، سے ملاقات کر کے ٹانڈہ اور بہرائچ کے مظالم کی تفصیلات بتائیں، آپ نے دونوں مقامات کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد یہ بھی بتایا کہ چونکہ الیکشن قریب ہے اور بعض فرقہ پرست پارٹیوں کو تو ۱۹۸۴ء ہی میں الیکشن کا یقین ہے، یہ

فسادات اسی الیکشن کی تیاری ہے، آپ نے ان دونوں مقامات میں امن وامان قائم کرنے کے لیے موثر اقدمات کرنے پر زور دیا اور مطالعہ کیا کہ قصور وار افسران سے ایکشن لیا جائے اور مظلوموں کی امداد و بحالی کا نظم قائم کیا جائے۔

دینی مدراس نشانے پر

۱۹۸۰ء میں مراد آباد وفساد کے دوران فرقہ پرستوں نے مسلمانوں پر یہ الزام شروع کردیا تھا کہ یہاں بیرون ملک سے پیسہ آتا ہے اور بڑے بڑے ادارے قائم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اتفاق کی بات کہ شہر کے بعض مدرسوں نے شہر سے باہر مدرسہ منتقل کرنے کے لیے ایک قطع اراضی خریدا تھا، اس میں فرقہ پرستوں کو پاکستان کا ہاتھ نظر آنے لگا تھا، یہی نہیں بلکہ ملک کے دوسرے حصوں میں مسلمانوں نے اپنی محنت کی کی کمائی سے مدرسوں کی شاندار عمارتیں تیار کرائی ہیں ان کو دیکھ کر ان کے کلیجہ پر سانپ لوٹنے لگا تھا، فرقہ پرست اخبارات میں ''پیٹرو ڈالر'' کی ایک اصطلاح چل پڑی اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے مدارس سے باہر کے ملکوں سے اندر اندر روابط ہیں اور وہ مما لک ہندوستان میں کام کرنے والے مدارس کو بڑی سے بڑی مالی امداد دے کر ان کو مضبوط کر رہے ہیں، بعض فرقہ پرست اخباروں نے بڑے بڑے آرٹیکل اس موضوع پر لکھے، اس میں انھوں نے پورا زور قلم صرف کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ کل تک ان مدرسوں میں چٹائی پر بیٹھ کر چندسو روپے پانے والے اساتذہ طلبہ کو درس دیتے تھے آج کہاں سے ان کو دست غیب حاصل ہوگیا کہ آج آٹھ آٹھ ہزار دس دس ہزار روپے ماہوار تنخواہیں پانے لگے، اور لاکھوں اور کروڑوں کی لاگت سے عظیم الشان بلڈنگیں کھڑی کردی ہیں، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان مدرسوں کے روابط خفیہ طور پر پڑوسی اسلامی ملکوں سے ہیں اور سارا سرمایہ انھیں ملکوں سے ناجائز طور پر آتا ہے، یہ بڑا ہی خطرناک پروپیگنڈہ تھا۔

ملک کے فرقہ پرست اور وشو ہندو پریشد جیسی مسلم دشمن جماعتیں دینی مدارس کے خلاف محاذ بنا کر انھیں بدنام کرنے اور ان کی کردار کشی کرنے اور انھیں مشکلات

میں مبتلا کرنے کی مہم چلانے لگیں، یہاں تک کہ ان دینی مدرسوں کو جاسوسی کا اڈّہ، غیر ملکی عناصر کی پناگاہ، اور ڈالر کی پیداوار قرار دے کر اکثریتی طبقہ کی نگاہوں میں بدنام کر کے ان کو ان مدارس کا دشمن بنا دینے کی مہم زور شور سے شروع کر دی گئی، تاکہ مستقبل میں فسادات برپا کر کے ان مدارس کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے، جس سے مسلمانوں کا دینی، مذہبی اور ثقافتی مرکز تباہ ہو جائے، مزید ستم یہ ہوا کہ اسلامی علوم کی مرکزی ریاست اتر پردیش نے براہ راست تو نہیں بلکہ بالواسطہ حملہ کر دیا، حکومت اتر پردیش نے سرکلر جاری کر کے کم سے کم اجرت کا قانون عورتوں اور بچوں کے اداروں سے تعلق لائسنس کا نفاذ کر کے مدرسوں پر بھی اس کا اطلاق کر دیا، حالانکہ کم سے کم اجرت کا قانون بنیادی طور پر کارخانوں اور تجارتی اداروں کے لیے بنایا گیا تھا، ایک دوسرا قانون حکومت ہند بہت پہلے ۱۹۵۶ء میں پاس کر چکی تھی، اس کا مقصد فرضی اور جعلی قسم کے یتیم خانوں کی آڑ میں جو لوگ ناجائز کمائی کر رہے ہیں، اس کا سدباب کیا جائے، ان قوانین کا اطلاق دینی مدارس پر قطعاً صحیح نہیں تھا، لیکن کہیں کہیں مدارس بھی اس کی زد میں آ گئے۔

حکومت کی اس بیجا مداخلت نے مدارس دینیہ کے وجود کے لیے خطرہ پیدا کر دیا، اندیشہ تھا کہ یہ مدارس پولیس کی چراگاہ بن جائیں، جمعیۃ علماء ہند بنظر غائر اس صورت حال کا جائزہ لے رہی تھی، جب یہ یقین ہو گیا کہ اگر اس سیلاب کے راستہ میں بند نہ باندھا گیا تو مستقبل میں مدارس کے لیے بہت سے خطرات پیدا ہو سکتے ہیں، یہ سوچ کر فیصلہ کیا گیا کہ دہلی میں ایک تعلیمی وملّی کانفرنس ۶/۷/۸/اپریل ۱۹۸۴ء کو منعقد کی جائے۔

حسب پروگرام یہ کانفرنس مقررہ تاریخوں میں منعقد ہوئی، اس کی صدارت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی، تین دنوں تک اس کے اجلاس ہوتے رہے، علماء کرام نے جو ملک کے مختلف حصوں سے آئے تھے انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا، آخری اجلاس میں تجویزیں پاس ہوئیں اور اجلاس میں پڑھی گئیں، تجویزوں میں پُر زور لفظوں میں حکومت ہند اور حکومت اتر پردیش سے مطالبہ کیا گیا، کہ مدارس دینیہ کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو دور کیا جائے، اور

ان کے ساتھ حق وانصاف کا معاملہ کیا جائے، اور دستور کے بنیادی حقوق کی روشنی میں کیا جائے اور عوام سے بھی اپیل کی گئی کہ وہ اس مرحلے پر اپنی صفوں کو مضبوط کریں اور مدارس اسلامیہ کی حفاظت کے لیے ہر طرح کی جدوجہد کے لیے تیار ہیں۔

حکومت اُتر پردیش کے طرز عمل اور رویہ کے بارے میں حکومت ہند کو خط لکھ کر صدر محترم نے پوری جرأت کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر حکومت اتر پردیش اپنے اس اقدام کو واپس نہیں لیتی تو پھر مسلمانوں کے لیے سوائے احتجاج کے دوسرا چارۂ کار نہیں رہ پائے گا۔

خطبۂ صدارت

اس کانفرنس کی صدارت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی تھی اور ایک پُر مغز اور جرأتمندانہ خطبۂ صدارت پیش کیا، آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں واضح لفظوں میں کہا!

> ”ہم آزاد ہندوستان کے شہری ہیں، ہندوستان کا ایک دستور ہے جس میں تمام شہریوں کو طرح طرح کے حقوق دیئے گئے ہیں، ہر حق کی ادائیگی اور حق تلفی کی تلافی کے انتظامات بھی کیے ہیں، آیئے آج ہم اپنی تعلیمی حالت کا جائزہ لیں اور دستور کے حقوق اور اس کی ضمانتوں کا سراغ لگائیں اور اسی کے ساتھ مرکزی حکومتوں کی کارگذاریاں دیکھیں کہ وہ کہاں تک ہمیں دستوری حقوق مہیّا کرتی ہیں اور کہاں کہاں ہماری حق تلفی کی مرتکب ہیں۔“

اس کے بعد آپ نے ریاستی حکومتوں کے رویّہ کی وضاحت کی ہے، کہ وہ ہمیں اپنی مرضی کا نصابِ تعلیم، نظامِ تعلیم اور طریق کار مرتب کرنے اور نافذ کرنے کا اختیار نہیں دیتیں، اور جن کو اختیار دیتی ہیں تو ان کی بھی شرائط اور پابندیوں کی وجہ سے بے معنی کر دیتی ہیں، ہم اپنے اسکول کو ان کی مرضی اور ان کی شرطوں کے مطابق رکگنائز کرالیں تو اس قسم کی پابندیاں، ایسی شرائط اور رکاوٹیں کھڑی کر دیتی ہیں کہ اقلیتی ادارہ

اپنی تمام خصوصیات کھو دیتا ہے۔

آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں آگے چل کر کہا کہ ضرورت ہے کہ حکومتِ ہند اقلیتی اداروں کی ان مجبوریوں اور دستورِ ہند کی دی ہوئی ضمانتوں میں جو خلیج حائل ہے، اس کو جرأت مندی، انصاف اور مقبولیت کے ساتھ پاٹ دے ورنہ کوئی بھی اقلیت اس طرح اپنی موت کے محضر پر دستخط نہیں کرسکتی، آپ نے اس سلسلہ میں دستور کی مختلف دفعات کے حوالے دیئے ہیں، جن میں اقلیتوں کو بہت سے حقوق جو دیئے گئے ہیں، انھیں میں سے تعلیم کا بھی حق ہے۔

یہ کوئی خفیہ کارروائی نہیں

اس کانفرنس کا بنیادی مقصد دینی تعلیم کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کے طریقے پر غور کرنا تھا، آپ نے دینی تعلیم کے قدیم نظام کی تفصیل بتاتے ہوئے ان مدارس کی خستہ حالی اور اساتذہ کی معمولی تنخواہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ نئے دور میں ان دینی درسگاہوں میں کئی طرح کی تبدیلیاں آئیں، قدیم بوسیدہ سفالہ پوش مدرسوں کی جگہ اب شاندار بلڈنگوں، عالیشان عمارتوں اور کھیل کے وسیع میدانوں میں تبدیل ہوگئے، تقریباً پانچ سالوں سے رابطہ عالم اسلامی نے ساری دنیا میں مدارس و مساجد اور دیگر کارِ خیر کو ترقی دینے کا منصوبہ بنایا تو ان کے بجٹ کا ایک معمولی حصہ ہندوستان میں بھی آیا اور حکومت کے علم و اطلاع میں آیا جس سے ہندوستان کے صرف دو فیصد درسگاہوں نے فائدہ اٹھایا اور اپنی عمارتوں کو بلند و بالا بنالیا۔

تنگ دلی کی یہ انتہا ہے

دینی مدارس کی یہ تبدیلیاں اور ایسی ترقیاں فرقہ پرستوں کو گراں گذرنے لگیں اس لیے جگہ جگہ ان درسگاہوں کے خلاف محاذ بنائے جانے لگے، ان اقلیت دشمن جماعتوں میں زیادہ آر، ایس، ایس، پیش ہے، اس نے ہندوستان کے کونے کونے میں مسلمانوں کے خلاف، دینی مدارس کے خلاف، اسلامی کلچر اور تہذیب کے خلاف،

منظّم سازش اور منصوبہ بند پروپیگنڈہ کر کے ہندوستانی برادری کو اسلام اور مسلمانوں سے نفرت اور مخالفت رکھنے کی مہم چلا رکھی ہے، مدارس و مساجد کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کیے جاتے ہیں اور فرضی دستانیں گھڑ کران کی خوب تشہیر کی جاتی ہے اور ملک میں ہر سطح اور ہر حلقہ سے ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ یہی وہ صورت حال ہے جس کو سمجھنے اور دشواریوں کو حل کرنے کے لیے آپ کو زحمت دی گئی ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے مشن کو جاری رکھیں، اپنی پوزیشن اور صحیح صورت حال کو واضح کرتے رہیں اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ غلط پروپیگنڈہ سے متاثر نہ ہو اور حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

نوٹیفکیشن واپس لیا جائے

اتر پردیش حکومت نے عملی طور پر مذہبی تعلیمی اداروں پر نوٹیفکیشن جاری کر کے فرقہ پرستوں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے، اس لیے جمعیۃ علماء ہند نے ضروری سمجھا کہ اتر پردیش کی راجدھانی لکھنؤ میں ایک کانفرنس بلا کر حکومت سے نوٹیفکیشن کے واپس لینے کا مطالبہ کیا جائے، فرقہ پرستوں کی یہ مہم بہت دنوں تک جاری رہی اور کئی برس سرد جنگ میں گذر گئے، ۲۷؍مئی ۱۹۸۹ء کو یہ کانفرنس ناٹیہ کلا کیندر میں ہوئی، جس میں پوری ریاست سے مدارس اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے اساتذہ، ارباب انتظام، مجالس شوریٰ کے ارکان اور دوسرے لوگ اس کانفرنس میں شریک ہوئے، مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے کانفرنس کی صدارت فرمائی، متعدد علماء کرام اور قومی رہنماؤں کی تقریریں ہوئیں کانفرنس کی کارروائی چل ہی رہی تھی کہ اس دوران وزیر اعلیٰ اتر پردیش مسٹر نرائن دت تیواری کانفرنس ہال میں آئے، صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے کانفرنس کی غرض وغایت بیان کی اور کہا کہ حکومت اتر پردیش کی طرف سے جاری کردہ نوٹیفکیشن پر ہم کو اعتراض ہے، یہ کانفرنس اس نوٹیفکیشن کے خلاف احتجاج ہے، حکومت کا یہ اقدام غلط ہے اور دینی مدارس کے اندرونی نظام میں مداخلت ہے۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں میں غم وغصہ ہے، وزیر اعلیٰ نے مطالبہ کی اہمیت کو محسوس

کیا اور اسی وقت اسٹیج پر آ کر نوٹیفکیشن کے رد کرنے کا اعلان کیا، بعد میں قانونی طور پر نوٹیفکیشن کے منسوخ ہونے کا حکم جاری کر دیا، رسیدہ بود بلاے ولے بخیر گذشت۔

ایک نیا فتنہ

مسلم پرسنلا ''مسلمانوں کا انتہائی سلگتا ہوا مسئلہ ہے، محض اس کے تحفظ کے لیے مستقل ایک کل ہند تنظیم ہے، جو ہمہ وقت حکومت کے اقدامات کا جائزہ لیتی رہتی ہے کہ کسی قانون یا عدالت کے کسی فیصلہ سے مسلمانوں کے ان مخصوص قوانین پر زد نہ پڑے، جمعیۃ علماء ہند کے پیش نظر تو ہر دور میں اسلام، اسلامی قوانین اور اسلامی تہذیب کا تحفظ بنیادی نصب العین رہا اس لیے ارباب جمعیۃ حکومتوں اور عدالتوں کی اس طرح کی کارروائیوں پر ہمیشہ نظر رکھتے رہے کہ مسلمانوں کے مخصوص عائلی قوانین کے کسی پہلو پر اس کا اثر نہ پڑے۔

۱۹۸۳ء کے بالکل آخر میں دسمبر کے مہینہ میں ممبئی کی ایک برسرِ روزگار خاتون شہناز شیخ جس کا تعلق سنی فرقہ سے ہے اس نے اسلامی قوانین میں تبدیلی لانے کے لیے سپریم کورٹ میں رِٹ پٹیشن داخل کی، جس میں اس نے درخواست کی، کہ سپریم کورٹ مرکزی حکومت کو ہدایت کرے، کہ وہ تمام مذاہب کے لوگوں کے لیے یکساں قانون مرتب کرے اور اس سلسلہ میں اسلامی قوانین کے اندر ضروری ترمیمات کی جائیں۔

جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر کو اس رِٹ پٹیشن کی جب اطلاع ملی تو اس کو انتہائی خطرناک اقدام اور تباہ کن فتنہ تصور کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند نے سپریم کورٹ کے وکلاء اور ماہرینِ قانون سے رابطہ قائم کیا، اور صلاح ومشورہ کے بعد طے کیا گیا کہ اس رِٹ کی سماعت کے وقت جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے رِٹ کی منظوری کی مخالفت کی جائے، تا کہ یہ رِٹ پہلی ہی پیشی میں خارج ہو جائے، چنانچہ شہناز شیخ کی درخواست کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند اور ممبئی کے وکیلوں کی ایک تنظیم ''لائیرز کلکٹیو'' نے مداخلت کی درخواستیں پیش کیں، شہناز شیخ کی یہ درخواست ۹/ جنوری ۱۹۸۴ء کو سپریم کورٹ میں سماعت کے لیے پیش ہوئی، جسٹس اُو چنیا ریڈی اور جسٹس ڈی، بی، مدون نے

درخواست دہندہ کی یہ رِٹ تو مسترد کردی یہ کہہ کر کہ عدالت مسلم پرسنل لا پر حکم امتناعی جاری نہیں کرسکتی، البتہ سپریم کورٹ نے حکومت ہند کے نام وجہ بتاؤ نوٹس جاری کردیا جس میں کہا گیا کہ سپریم کورٹ مسلمانوں کے خلاف اس درخواست کو برائے سماعت کیوں نہ داخل کرے، گویا سپریم کورٹ حکومت کو دستور کی دفعہ ۴۴ کے نفاذ کی طرف متوجہ کررہی ہے جس کے نفاذ کا دستور میں وعدہ کیا گیا ہے کہ حکومت اب تک دفعہ ۴۴ یعنی پورے ملک کے لیے یکسان سول کوڈ کیوں نافذ نہیں کررہی ہے؟

یکساں سول کوڈ

یونیفارم سول کوڈ جس کو یکساں سول کوڈ کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کو اپنی مذہبی روایات کے خلاف نکاح طلاق جیسے درجنوں معاملات انجام دینے ہوں گے، وصیت اور وراثت میں بھی انھیں اپنے مذہبی قوانین کے بجائے دوسرے قوانین پر عمل کرنا ہوگا، اس طرح یونیفارم سول کوڈ مسلم پرسنل لا کے متوازی ایک دوسرا مجموعہ قوانین ہے جس کے نفاذ کے بعد مسلم پرسنل لا کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے، مسئلہ کی نزاکت کو سمجھنے کے لیے تھوڑی سی تفصیل ضروری ہے، انگریزی دورِ حکومت میں ابتداءً مسلم پرسنل لا کا تصور بہت مبہم تھا، بنگال، آگرہ، آسام سول کورٹس ایکٹ ۱۸۸۷ء میں کہا گیا کہ کسی متضاد قانون کی غیر موجودگی کی صورت میں وراثت، نکاح، شادی کے تمام معاملات ''محمڈن لا'' کے مطابق فیصلہ ہوں گے بشرطیکہ فریقین مسلمان ہوں، پرسنل لا کا یہ مبہم تصور انتشار کا باعث بنا، مختلف ہائی کورٹس نے مختلف رائیں ظاہر کیں اس کے دوا نڈین شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء لایا گیا جس کی وجہ سے مسلم پرسنل لا میں وراثت، نکاح، طلاق، خلع فسخ، ایلاء ظہار، مبارات، حق شفعہ، مہر، حضانت، ہبہ اور اوقاف کو شامل کرکے اس کو محدود کردیا گیا۔

صدرِ محترم کا غیر مبہم بیان

شہناز شیخ کی رِٹ پٹیشن کے داخل ہونے کے ایک ہفتہ بعد مسلم پرسنل لا بورڈ کا

اجلاس مدراس میں ہوا، مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے ۲۸؍دسمبر ۱۹۸۳ء کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا!

”ہندوستان کی سبھی پارٹیاں ملکی معاملات میں مختلف رائیں رکھتی ہیں، لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ مسلم پرسنل لا کے معاملہ میں ترقی پسند بھی، کمیونسٹ بھی، اور فرقہ پرست بھی سب ایک ہیں اور ان کا مطالبہ یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا تبدیل کردیا جائے، اس کام میں بڑی طاقتیں ان کا ساتھ دے رہی ہیں، اور لاکھوں روپے دے رہی ہیں، مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کردیا جائے تاکہ وہ کمزور ہوجائیں، اخبارات، ریڈیو، ٹی وی والے نالائقوں اور ناواقفوں کو ”عالم دین“ بنا کر اوندھے سوالات کرتے ہیں اور ان کے اوندھے جوابات کو مرچ مصالحہ لگا کر پیش کرتے ہیں۔“

جمعیۃ علماء ہند کا موقف

جمعیۃ علماء ہند بار بار حکومت کو متنبہ کرتی آئی ہے، کہ ایک مسلمان کا پختہ عقیدہ ہے کہ دینِ اسلام مکمل دین ہے، اس کے احکام ناقابل ترمیم ہیں، اور مسلم پرسنل لا دین اسلام کا ایک جز ہے، لہٰذا مسلم پرسنل لا میں کسی قسم کی ترمیم چاہے چھوٹی ہو یا بڑی ان کے عقیدے کے لیے چیلنج ہے۔

جمعیۃ علماء ہند حکومت ہند کے ذمہ داروں کے اس رجحان کو غلط اور جمہوری حقوق اور سیکولرزم کے اصولوں کے منافی سمجھتی ہے، جس کا تعلق اس طرزفکر سے ہے کہ تمام ملک میں یکساں سول کوڈ نافذ ہو، اس طرزِ فکر کا مطلب ہے کہ مسلم پرسنل لا کے شرعی مقاصد اور خصوصیت کو ختم کردیا جائے۔

جمعیۃ علماء ہند نے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے عقائد اور جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے ہمیشہ اس کی وضاحت کی ہے کہ مسلمان اپنے دینی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کرسکتا اور نہ کسی دوسرے ملک کے کسی عمل کو اپنے

لیے دلیل راہ بنا سکتا ہے، مذہبی اور لسانی اقلیتوں کو دستورِ ہند کی رو سے مذہبی بنیادی حقوق دیئے گئے ہیں، اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا جس طرح صراحت سے ذکر کیا گیا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ جمہوریت اور سیکولرزم کی بنیادیں ڈھائی جائیں، مسلمانوں کے جذبات سے اس طرح نہ کھیلا جائے کہ اس کے نتائج ملک اور قوم دونوں کے لیے مضر اور جمہوری زندگی کے لیے مہلک ہوں، مسلم عورتوں کے جلوس نکالے گئے، حمید الوائی کے قبیل کے لوگوں نے جلسے کیے، ملحد نوجوانوں کو برانگیختہ کر کے جب جب اسلامی قوانین میں ترمیم کا ذکر آیا جمعیۃ علماء ہند نے ہمیشہ پوری جرأت سے ان کا مقابلہ کیا۔

آزاد ہندوستان کی تاریخ کا اہم ترین حادثہ

ایمرجنسی کے بعد کانگریس پر زوال آیا اور جنرل الیکشن میں عوام نے اس کو رد کر دیا اور ذلت آمیز طریقہ سے اس کی اقتدار سے محروم کر دیا، جنتا حکومت کانگریس کی جگہ اقتدار کی مالک ہوگئی، مگر اس کی بدنظمی نے رکارڈ قائم کر دیا ملک کا امن وامان تہہ وبالا ہوگیا، مرارجی ڈیسائی اور چرن سنگھ نے مل کر دو ڈھائی سال بھی حکومت نہیں چلائی، خود ہی صدر جمہوریہ سے الیکشن کی سفارش کر دی، الیکشن کے بعد کانگریس پھر برسر اقتدار ہوگئی اور اندرا گاندھی پھر وزیر اعظم بن گئیں، اب تخت حکومت کانٹوں کی سیج تھی، پنجاب میں چنڈی گڑھ جو ایک خوبصورت شہر بنایا گیا تھا، اس سے متعلق تنازعہ کھڑا ہوگیا کہ وہ پنجاب کی راجدھانی ہو یا ہریانہ کی، کیونکہ دونوں کے لیے یہی دارالحکومت موزوں تھا، یہ اختلاف بہت بڑھ گیا، پنجاب میں صورت حال کشیدہ ہوتی چلی گئی، اسی جوش وجذبے کی فضا میں خالستان کا نعرہ بھی بلند ہونے لگا، اور پنجاب میں امن وامان عنقا ہوگیا دہشت گردی کا مزاج ہوگیا، اس پر قابو پانے کے لیے اندرا گاندھی وزیر اعظم نے گولڈن ٹیمپل امرتسر پر فوجی کارروائی کی کیونکہ یہ اطلاع ملی کہ گولڈن ٹیمپل میں اسلحہ جمع کیے جارہے ہیں اور اس میں دہشت گرد جمع ہیں، حقیقت کیا تھی اس کا کوئی یقینی ثبوت تو نہیں ملا، مگر فوجی کارروائی سے گولڈن ٹیمپل کی عمارت

کونقصان پہنچا جس کی وجہ سے سکھوں میں عام ناراضگی پھیل گئی، حکومت نے اس کی مرمت کی ذمہ داری قبول کی مگر سکھوں نے اس کو منظور ہیں کیا اور خود کار سیوا شروع کر دی، دلوں میں تلخی بڑھتی چلی گئی، جس کا انجام بہت تلخ نکلا، اور ۳۰/ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو مسز اندرا گاندھی وزیر اعظم حکومت ہندکوان کی رہائشگاہ پر دفتر جاتے ہوئے ان کے دو باڈی گارڈوں نے گولیوں سے بھون دیا۔ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو اخبار ''قومی آواز'' لکھنؤ نے اس خبر کی تفصیل اس طرح دی۔

''مسز اندرا گاندھی پر قاتلانہ حملہ صبح ۹ بج کر ۴۱ منٹ پر ان کی رہائشگاہ پر ہی ان کے ہی سیکورٹی گارڈوں نے اسٹین گن اور ریوالور سے کیا، ان کو متعدد گولیاں لگیں جن کی تعداد دس سے سولہ تک بتائی جاتی ہے، ان کا پیٹ اور سینہ چھلنی ہو گیا، ان کو فوراً ہسپتال پہنچایا گیا، جہاں ڈاکٹروں کی تمام کوششوں کے باوجود وہ جانبر نہ ہوسکیں۔''

دونوں حملہ آوروں کے بارے میں اسی صفحہ پر یہ خبر درج ہے:

''مسز اندرا گاندھی پر آج جن دو سیکورٹی گارڈوں نے گولیاں چلائیں ان کو وزیر اعظم کے نجی محافظوں نے گولی مار کر قتل کر دیا، ایک گارڈ تو موقعہ ہی پر مر گیا دوسرا رام منوہر لوہیا ہسپتال میں جا کر فوت ہوا، وہیں ہسپتال کے ایک وارڈ میں دونوں سیکورٹی گارڈوں کی لاشیں رکھی ہوئی ہیں اور اس کو ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا گیا ہے، اسپتال کے ذرائع کے بموجب حملہ میں جو اسٹین گن استعمال کی گئی اس کی میگزین بعد میں بالکل خالی تھی۔''

حملہ آور کون تھے؟

اس دن شام کو ریڈیو نے حملہ آواروں کے بارے میں بتایا کہ یہ دونوں سیکورٹی گارڈ مذہباً سکھ تھے، ایک کا نام ''بینت سنگھ'' تھا جس نے پہلے ریوالور سے گولی چلائی اور دوسرے کا نام ''ستونت سنگھ'' تھا جس نے اسٹین گن سے گولیوں کی بوچھار کر دی،

''بینت سنگھ'' کو موقعہ ہی پر گولی ماردی گئی، وہ وہیں فوت ہوگیا۔''ستونت سنگھ'' رام منوہرلوہیا اسپتال میں جا کرمر گیا۔

ریڈیو کی اس وضاحت کے بعد کہ حملہ آوروں کا تعلق سکھ فرقہ سے تھا اس کا ردعمل یہ ہوا کہ پورے ملک میں سکھوں پر قیامت ٹوٹ پڑی، یکم نومبر۱۹۸۴ء کو بی، بی،سی، لندن نے یہ خبرنشر کی کہ پورے ہندوستان میں سکھوں پر حملہ شروع کر دیا گیا، ان کی دکانوں کو لوٹا گیا اور پھر ان میں آگ لگادی گئی ،جو سکھ کہیں نظر آ گیا اس کو جان سے ماردیا گیا، سب سے زیادہ مصیبت دہلی کانپور کے سکھوں پر آئی دونوں مقامات پر بے شمار سکھ مارے گئے اور اربوں کی جائداد لوٹ لی گئی یا جلادی گئی۔

ہندوستان کے اَن گنت شہروں میں کرفیوں لگا دیا گیا، کئی شہروں میں فوج بلانی پڑی،ٹرینوں سے بھی سکھوں کی لاشیں برآمد کی گئیں، دہلی، کانپور، غازی آباد، بوکارو، مدھیہ پردیش کے بہت سے ضلعوں میں مہاراشٹر، بہار ہماچل پردیش اوراتر پردیش کی ریاستوں میں سکھوں پر ایک قیامت گذرگئی۔

زودِ پشیمانی

پورے ملک میں ایک غمناک سناٹا اور دہشت ناک خاموشی چھاگئی۔طوفان اپنی تباہیاں پھیلا کر تھما،امن وامان قائم کرنے میں دیرلگی مگر بہرحال کچھ وقفہ کے بعد ملک میں سکوں ہوا، زندگی کا کاروبار معمول پر آیا، اندرا گاندھی کی جگہ ان کے بڑے صاحبزادے مسٹر راجیو گاندھی کو ہندوستان کا وزیر اعظم منتخب کرلیا گیا اور انھوں نے ملک کی زمام اختیار ہاتھوں میں لی،انھوں نے چند ہی دنوں میں حالات پر کنٹرول کرلیا اور سکھوں کے سروں سے خطرہ ٹل گیا، جب حالات ایک دم نارمل ہوگئے تو سکھوں نے ہر شہر میں کلیم کیا کہ ان کی تباہ کردہ جائدادوں کا معاوضہ دیا جائے،حکومت نے یہ کلیم تسلیم کیے اور ان کو معاوضہ دینے کا فیصلہ ہوا۔راجیو گاندھی نے تھوڑی سی مدت میں یہ کام انجام دے کر اپنے تدبر وفراست کا ثبوت دے دیا اور ایک اچھی مثال قائم کردی۔

ایک مثالی کارنامہ

ایک ہندوستان گیر فساد پر اتنی کم مدت میں قابو پانا اورامن واماں کو بحال کر دینا ایک مثالی کارنامہ تھا، معلوم ہوا کہ اگر حکومت اور حکمراں صدقدلی سے فسادیوں پر کنٹرول کرنا چاہیں تو آنکھ جھپکتے ہی حالات پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے اور فساد کی ایک ایک چنگاری کو بجھایا جاسکتا ہے، جمعیۃ علماء ہند کے لیے اس واقعہ میں ایک مثال تھی، اس نے بڑی حیرت اور مسرت سے اس کارنامہ کو دیکھا اور اس سے سبق لیا، اندرا گاندھی کے واقعہ قتل کے بعد ۱۷رنومبر ۱۹۸۴ء کو مجلس عاملہ کی ایک تجویز میں کہا گیا!

”جمعیۃ علماء ہند کو احساس ہے کہ آر، ایس، ایس، وشوہندو پریشد اور ریاستی پولیس کے گٹھ جوڑ سے مسلمانوں کے خلاف خونریز تصادم اور تباہ کاری کا سلسلہ بڑھتا جارہا ہے اور حکومت نے اس پر قابو پانے، مظلوموں کی داد رس کرنے، ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی ذمہ داری پوری نہیں کی، اس وجہ سے فرقہ پرستوں کی ہمتیں بلند ہوتی جارہی ہیں اور پی، اے، سی، ہر فساد کو اپنی کمائی کا چانس سمجھتی جارہی ہے جو ملک کے مستقبل کے لیے خطرناک علالت ہے، مجلس عاملہ اس صورتِ حال کی مذمت کرتی ہے اور انارکی، تشدّد اور فرقہ واریت کی زہریلی فضا کی طرف حکومت کو توجہ دلانا خود ضروری سمجھتی ہے کہ اس کی خطرناکی کو محسوس کرے۔

وزیر اعظم مسز اندرگاندھی کے بہیمانہ قتل کے بعد سکھ برادری کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات پیدا ہو گئے، اور اس کے نتیجہ میں قتل و غارت گری، آتشزنی اور لاقانونیت نے جس طرح پورے ملک کو اپنے لپیٹ میں لے لیا تھا وہ ایک آزاد قوم کے لیے افسوس ناک تھا، مگر نئی حکومت نے اس قتل وغارت گری کو جس مستعدی، ہوش مندی اور جرأت سے روک دیا ہے اور امن و قانون کو بحال کرنے میں جو شاندار رول ادا کیا ہے وہ جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک قابل تعریف اور قابل افتخار ہے،

مجلس عاملہ محسوس کرتی ہے کہ وزیراعظم ہند راجیو گاندھی نے فساد پر قابو پانے کی ناکامی پر اعلیٰ افسران کو ذمہ دار قرار دیا اور پولیس کے رول کی آزادانہ تحقیقات کرائی جارہی ہے، یہ اقدام ان کی بحالی کے لیے بنیادی اقدام تھا، اسی طرح سکھ برادری کو جو معاوضہ دیا گیا، ان لٹے ہوئے سامان کو جس احساس ذمہ داری کے ساتھ واپس کیا جارہا ہے وہ فساد کے موقعہ پر تمام ریاستوں کے لیے قابل تقلید رویّہ ہے، اور اس انار کی کا سب سے اچھا حل ہے، مجلس عاملہ یقین کرتی ہے کہ اسی طرح کے سخت اقدامات ہندو مسلم فسادات کے موقعوں پر بھی کیے جائیں گے اور اس میں کسی قسم کا امتیاز نہیں کیا جائے گا، جمعیۃ علماء ہند یقین دلاتی ہے کہ وہ ملک کے استحکام، سالمیت اور تعمیر و ترقی کے واسطے ہمیشہ تعاون کرتی رہے گی۔''

(رجسٹر کارروائی مجلس ۱۶/۱۸/نومبر ۱۹۸۴ء)

پھر وہی داستانِ خونچکان

اپریل ۱۹۸۵ء میں احمد آباد (گجرات) کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی، جیسے چنگیز وہلاکو کی خوں آشام اور وحشی فوجوں نے پورے احمد آباد کے مسلمانوں کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند کر رکھ دیا ہے، ہر طرف تباہی، ہر طرف ویرانی، قطار در قطار جلے ہوئے مکانات، محلے کے محلے اجتماعی ڈکیتی میں لوٹ کر خالی کر دیئے گئے، احمد آباد کا منظر اس وقت ایسا ہی تھا جیسے ابھی ابھی دشمن ملک کی فوج پورے شہر کو روند کر چلی گئی ہے، ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے احمد آباد کا دورہ کر کے جو رپورٹ دی ہے اس میں تحریر ہے:

''اب تک ۴۸ مسلماں شہید ہو چکے ہیں ۱۲/اپریل کی صبح ساڑھے چار بجے بلوائیوں نے بابونگر، اندرانگر، سنجے نگر اور ملک شعبان درگاہ کی مسلم آبادی کو پولیس افسران کی سرپرستی میں تہس نہس کر کے رکھ دیا، دو مسلمان مر گئے ۱۲۱ افراد پولیس فائرنگ سے سخت مجروح ہوئے، ۹۳ افراد پولیس

کی بے رحانہ مار پیٹ سے شدید زخمی ہیں، ۱۳۵ افراد لا پتہ ہیں، اندرانگر میں ۵ ۴۵ پختہ مکانات جلائے گئے اور مسمار کیے گئے، سنجے نگر میں ۲۳۴ مکانات بُری طرح تباہ کر دیئے گئے ہیں، ایک دوسرے کے کچھ مکانات لوٹے اور جلائے گئے ہیں، اس طرح اس علاقہ کے ۲۱۸ خاندان جو کئی ہزار افراد پر مشتمل ہیں بے گھر ہو گئے ہیں اور اس وقت ارن نگر بابو چوک کے کیمپ میں پناہ گزیں ہیں، بلوائیوں نے ملک شعبان کی چھ سوسالہ درگاہ کو توڑ پھوڑ کر سخت نقصان پہنچایا ہے، اس درگاہ کے علاقہ میں مسلمانوں کے ایک سو گیارہ مکانات پوری طرح مسمار کر دیئے گئے ہیں، بارہ سانچا کی چال میں ۶۳ ، روٹری کی چال میں ۲۵، نرنجن کی چال میں ۲۲، گنیش کمہار کی چال میں ۱۰ مکانات جلائے گئے ہیں اور باقی مکانات لوٹ لیے گئے ہیں، ان علاقوں کے تقریباً ساڑھے چار ہزار مسلمان بے گھر ہو گئے ہیں اور باقر شاہ روضہ کیمپ میں مقیم ہیں، عالم پوری کی چال اور ملحقہ آبادی میں تقریباً ۲۷۶ اور ۱۵ دُکانیں جلائی گئیں اور مکانات لوٹے گئے ہیں، ان علاقوں کے ۱۸۰ مسلم خاندان جو تقریباً بارہ سو افراد پر مشتمل ہے اس وقت حضرت پیر شاہ حاد کے روضہ پٹیل کی چال میں پناہ گزیں ہیں، اس طرح کچھ کم و بیش بارہ ہزار لٹے پٹے مظلوم مسلمان اس وقت احمد آباد میں کیمپ میں تکلیف دہ زندگی کے دن گذار رہے ہیں۔

ایک ماہ قبل

اس بڑے فساد سے ایک ماہ پہلے ۱۸/ مارچ کو باپو کے محلّہ راڈی گام میں ”مرتیو گھنٹ“ (موت کی گھنٹی) بجا کر ایک نگینہ پول پر سنگباری کی گئی اور کانگڑے (آتشی گولے) پھینکے گئے جس کے نتیجے میں دریاپور، دیگر وارڈ، چھوٹی اور بڑی بجلی پول کے مسلمانوں کے مکانات جل کر راکھ ہو گئے۔ ۱۹/ مارچ کو کالو پور ٹیکسٹائل کی پول میں بلوائیوں نے مسلم محلّہ پر حملہ کر کے ۲۵ مکانات جلا کر راکھ کر دیئے، گاندھی پل کے نیچے

کی مسلمانوں کی اسٹیشنری کی تمام دُکانیں جلادی گئیں، کہا جاتا ہے کہ اس علاقہ میں خود پولیس نے اپنے ہاتھ سے آگ لگا کر اس بات کی کوشش کی کہ یہ تشدد جمال پور کے علاقہ میں بھی پھیل جائے، مارچ کے فساد میں ۱۸/افراد شہید ہوگئے، ڈھائی سو مکانات لوٹے اور جلائے گئے اور ۵۰/افراد زخمی ہوئے، ایک اندازے کے مطابق احمد آباد کے اس فساد میں پانچ کروڑ روپے کا مالی نقصان ہوا اور تقریباً آٹھ سو مسلمان گرفتار ہوئے اور جیلوں میں بند ہیں۔

ناکردہ گناہ کی سزا آخر کب تک؟

یہ صرف ایک شہر اور ایک فساد کی تفصیلات ہیں جبکہ آزادی کے بعد بیسوں ہزار فسادات ریکارڈ کیے گئے ہیں، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس جمہوری حکومت میں کتنا انصاف، کتنی مساوات، کتنی قانون کی پابندی اور کتنا وطن دوستی کا جذبہ پایا جاتا ہے؟ ہندوستان کا دستور اور آئین چاہے کتنا ہی شاندار ہو لیکن دستور صرف الماری کی زینت ہے، عملی دنیا میں اس کا وجود کہیں نظر نہیں آتا، تاریخ کے یہ صفحات آئندہ نسلوں کے لیے ہمیشہ یہ یاد دلاتے رہیں گے، کہ مسلمان اس سرزمین میں وحشی اور خونخوار درندوں کے درمیان رہ کر بھی زندگی گذار چکا ہے، مگر ہمت نہیں ہاری۔

اشک شوئی کی تدابیر

جمعیۃ علماء ہند زخموں پر مرہم پٹی اور ڈھارس بندھانے کے سوا اور کیا کرسکتی تھی، درندوں کے خونخوار دانتوں کو توڑ نہیں سکتی اور ان کے فولادی ناخنوں کو کتر نہیں سکتی، جن کے ہاتھوں میں اختیارات ہوں ان کا حال یہ ہے کہ وہی قاتل بھی ہیں اور وہی منصف، قتل کا دعویٰ کس بل بوتے پر کیا جائے، لیکن ظلم کو بے عزتی کے ساتھ سہہ جانا بھی منظور نہیں اس لیے کچھ نہ کچھ کرنا بھی فرض ہے، ناظم عمومی نے احمد آباد کے کچھ معزز افراد کے ساتھ گاندھی نگر میں وزیر اعلیٰ مادھو سنگھ سولنکی اور ریاستی وزیر داخلہ امر سنگھ چودھری سے ملاقاتیں کر کے مسلمانوں کی دردناک سرگذشت سنائی، بلوائیوں کے ظلم و

ستم، پولیس اور انتظامیہ کی جانبداری اور مسلم دشمن رویہ کی شکایتیں کیں اور کہا کہ غنڈے، قاتل اور ڈاکو لٹیرے جنھوں نے یہ تباہی پھیلائی ہے کہ وہ کھلم کھلا گھوم رہے ہیں، آج تک نہ ان کو گرفتار کیا گیا اور نہ مظلومین کی امداد و بحالی کا کوئی نظم کیا گیا، بارہ ہزار مسلمان لٹ پٹ کر کھلے آسمان کے نیچے زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں، ان کا بندوبست ہونا ضروری ہے، وزیر اعلیٰ اور وزیر داخلہ نے رٹے رٹائے الفاظ ادا کر دیئے اور کہا کہ غنڈہ ایکٹ فوراً نافذ کیا جائے گا جو فسادیوں اور افواہ پھیلانے والوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا، برسات سے پہلے اجڑے ہوئے لوگوں کی آبادکاری کا کام مکمل کرلیا جائے گا، ان کی آبادکاری میں حفاظتی فورسیز کی اگر ضرورت پڑی تو فوج کو متعین کر دیا جائے گا جو لوگ کیمپوں میں عارضی طور پر پڑے ہوئے ہیں ان کو فوراً اسکولوں کی عمارتوں میں منتقل کر دیا جائے گا، شرپسند عناصر کچھ تو پکڑے جا چکے ہیں مزید اور لوگوں کے خلاف جلد ہی کارروائی کی جائے گی۔

جمعیۃ ریلیف کمیٹی

۲۸ / مارچ کو احمد آباد کے مظلومین کی امداد واعانت اور خدمت کے لیے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ''ملی ریلیف کمیٹی'' قائم کی گئی، پناہ گزینوں کی ایف، آئی، آر، درج کرانے کے لیے ملی ریلیف کمیٹی نے کیمپوں میں پولیس رائٹرس کا انتظام کر دیا، تمام پریشان حال مسلمانوں میں اناج اور کپڑے وغیرہ کی تقسیم کرنے کا نظم کیا گیا، پانچ سو مسلمانوں کو قانونی مدد کر کے جیلوں سے رہا کرایا گیا، مظلوم عورتوں میں ۱۷ سلائی مشینیں تقسیم کی گئیں، جانی و مالی نقصان کا کمیٹی نے سروے بھی کرایا، جمعیۃ کے ضلعی کارکنوں کو یہ ذمہ داری سپرد کر دی گئی تھی کہ وہ اس کام کو دینی جذبے اور اسلامی ہمدردی کے جذبے سے کریں۔

آخری فریاد

جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی مظلوموں کی فریاد پارلیمنٹ

کے ایوان تک برابر پہنچاتے رہے ہیں، احمد آباد فساد کے بعد جولائی میں جب پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے فرقہ وارانہ فسادات کی صورتِ حال پر پارلیمنٹ میں فرمایا:

ڈپٹی چیئر مین صاحبہ!

''احمد آباد میں جو فساد ہوا اس میں خان پور، دریا پور، جمال پور وغیرہ میں کرفیو میں ڈھیل نہیں دی گئی، گومتی، باپو نگر میں بڑا سخت فساد ہوا، میگھانی نگر اور انڈین کالونی میں بھی فساد ہوئے، کرفیو لگایا گیا فوجی گشت کے باوجود فسادات جاری ہیں، اور ۸/اپریل ہی کو دو پولیس فائرنگ اور چھرے بازی سے مرے اور اب تک آٹھ سے زیادہ مر چکے ہیں، بڑودہ میں اب تک سات آدمی مر چکے ہیں، اور ۶۷ کے زخمی ہونے کی اطلاع ہے، ایک درجن کے قریب مکانات اور دُکانیں جلائی گئی ہیں، شہر کے نواحی علاقوں میں مسلح فسادی فتح پور، جونا گڈھ، بودھ راجی روڈ، پانی گیٹ ملول وغیرہ میں مارکاٹ کررہے ہیں، ایک عورت اور ایک بچی کو زندہ جلا دیا گیا ہے، اس طرح بھروچ کے فساد میں ایک ہلاک ہوا اور ۱۵/مکانوں اور دُکان کو جلایا گیا اور لوٹا گیا، ۲۰ لاکھ سے زیادہ کا نقصان ہوا، اس طرح کھیڑا میں مختلف مقامات پر دُکانیں اور مکانات جلائے گئے، آنند، مہانچ، سوجت را اور دیگر مواضعات میں جن کی تعداد ایک درجن سے زیادہ ہے بڑے فسادات ہوئے اور اس بہانے سے ہوئے کہ کسی نے وشو ہندو پریشد کے کسی عہدہ دار کو قتل کر دیا، کون قاتل ہے؟ اس کا پتہ لگانا پولیس کا کام ہے اس میں گاؤں کے تمام مسلمانوں کے مکانات جلائے گئے، اس طرح پالن پور میں فساد ہوا اور دوسرے مقامات کی تفصیل ابھی نہیں آئی۔''

قانون کا محافظ قانون کا دشمن

صدر محترم نے اپنی تقریر میں گجرات کے فسادات کے ذکر کے بعد بہار میں

ہونے والے پچھلے چند مہینوں کے فسادات کی تفصیل کئی درجن فسادوں کا ذکر جن میں مسلمانوں پر مظالم اور تباہی و بربادی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ایوان میں یہ حقیقت غیر مبہم لفظوں میں بیان فرمائی کہ یہ سارے فسادات افسران کی سرپرستی میں ہوتے ہیں، آپ کے الفاظ ہیں:

"مجرموں کو پکڑا نہیں جاتا، افسروں کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا جاتا، پوری ذمہ داری ان افسروں کی ہوتی ہے اور وہ مجرموں کو پکڑتے نہیں، اس طرح قانون اور انصاف ملک میں نہیں رہ سکتا، تمام فسادات میں سرپرستی افسران کی ہوتی ہے، ان کی شرکت، سرپرستی اور چشم پوشی سے یہ فسادات ہوتے ہیں لیکن پھر بھی افسروں کے خلاف ایکشن نہیں لیا جاتا، مجرموں کو بالکل چھوٹ ملی ہوئی ہے، جان، مال عزت، آبرو برباد ہو رہی ہے، مجرموں کو گرفتار نہیں کیا جاتا، اس لیے حکومت کو زیادہ سے زیادہ سنجیدگی سے جو ذمہ دار افسران ہیں ان کے خلاف ایکشن لینا چاہیے، جو مجرموں کو بچاتے ہیں ان کے خلاف سخت کارروائی کرنی چاہیے، امن و امان کوئی پارٹی کا مسئلہ نہیں ہے، جو مجرم ہے اس کو سزا ملنی چاہیے، افسر چاہے کوئی ہو اس کی جوابدہی ہونی ہی چاہیے اور معاملہ کو سختی سے نپٹنا چاہیے۔"

قرآن پر پابندی کا منصوبہ

تنگ نظری، اندھی عصبیت، طاقت کا بیجا گھمنڈ نئی نئی شرارتوں کی راہ دکھاتا ہے، چاندمل چوپڑے نے کلکتہ ہائیکورٹ میں ۱۰/اپریل ۱۹۸۵ء کو ایک رِٹ داخل کی کہ مسلمانوں کی مذہبی کتاب قرآن کی اشاعت پر پابندی لگا دی جائے، درخواست عدالت نے قبول کر لی یعنی اس درخواست پر عدالت غور کر سکتی ہے، یہ اطلاع جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر کو ملی تو رائے عامہ کی بیداری کے لیے پہلا کام یہ کیا کہ فوراً اعلان کر دیا کہ ۱۴/جون ۱۹۸۵ء کو پورے ملک میں "یومِ قرآن" منایا جائے اور جلسہ کر کے حکومت ہند سے احتجاج کیا جائے کہ خدا کی اس کتاب کی ادنیٰ توہین بھی

مسلمان کسی قیمت پر برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں، دوسرا فیصلہ مجلس عاملہ نے یہ کیا کہ ناظم عمومی کو ذمہ دار بنایا کہ وہ اس مقدمہ کے خلاف پیروی کا بندوبست کریں اور کلکتہ ہائیکورٹ میں وکیل کر کے درخواست کو خارج کرانے پر زور لگائیں، مجلس عاملہ کی قرارداد اخباروں میں آئی، ''یومِ قرآن'' کے احتجاجی جلسوں کا ایک سلسلہ چلا، کچھ ہی دنوں کے بعد مرکزی حکومت کو احساس ہوا کہ بہت ہی نازک اور حساس مسئلہ کو چھیڑ دیا گیا ہے، اس سے مسلمانوں میں سخت ہیجان پیدا ہونا یقینی ہے اور جب یہ خبر ملک سے باہر جائے گی تو سارے عالم اسلام میں جمہوریہ ہند کی بدنامی ہوگی، اس لیے پہلی فرصت میں مرکزی حکومت کے وزیر قانون مسٹر اشوک سین وزیر اعظم حکومت ہند کے حکم سے کلکتہ پہنچ گئے، ان کے بعد اٹارنی جنرل بھی کلکتہ گئے، ان دونوں کی ہدایت و حکم سے یہ رِٹ بغیر سماعت کے خارج کر دی گئی، کلکتہ ہائیکورٹ کے جسٹس شری پی، سی باسک نے قرآن پاک پر پابندی عائد کرنے سے متعلق پٹیشن کو خارج کرتے ہوئے کہا کہ قرآن پاک مختلف مذاہب کے درمیان یکجہتی کے خلاف نہیں ہے اور نہ ہی تعزیرات ہند کے خلاف ہے، مسٹر باسک نے مزید کہا کہ عرضداشت کو عدالت کے اختیار سماعت پر غور کیے بغیر داخل سماعت کر لیا گیا، بغیر اس بات کو ذہن میں رکھے کہ بادی النظر میں مقدمہ کی نوعیت کیا ہے، اس قسم کے معاملات میں عدالت کو بہت محتاط رہنا چاہیے۔

نفقہ مطلقہ اور سپریم کورٹ

۱۳/اپریل ۱۹۸۵ء کو سپریم کورٹ نے ایک مقدمہ محمد احمد خاں بنام شاہ بانو میں یہ فیصلہ دیا کہ شاہ بانو تا زندگی طلاق دینے والے شوہر محمد احمد خاں سے نان نفقہ کی مستحق ہے، جبکہ اسلام نے مطلقہ عورت کے لیے عدت مقرر کی ہے اور اس عدت میں وہ اپنے شوہر کی طرف سے خرچ پانے کی مستحق ہوتی ہے، عدت گذر جانے کے بعد وہ نان نفقہ پانے کی مستحق نہیں رہ جاتی ہے، کیونکہ عورت آزاد ہو جاتی ہے اور اس کو اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ دوسری شادی کر لے یا تنہا رہے، سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ اسلامی قانون

کے قطعاً خلاف ہے، نکاح طلاق کا مسئلہ مسلم پرسنل لا کی فہرست میں شامل ہے، اس فیصلہ سے مسلم پرسنل لا کی نفی ہو جاتی ہے، جبکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت نے لے رکھی ہے، اس لیے قدرتی طور پر مسلمانوں میں یہ فیصلہ زیر بحث آیا، جمعیۃ علماء ہند نے اس پر سخت نوٹس لیا، اس کے مضمرات حسبِ ذیل تھے۔

۱۔ قرآن پاک میں ترمیم کی کوشش مذہب میں مداخلت کے مترادف ہے۔

۲۔ فیصلہ میں قرآن پاک کو محمد صاحب کی کتاب کہہ کر مذہبی ناواقفیت اور بداعتقادی کا اظہار کیا گیا، جس کے بعد قرآن وحدیث کے اصولوں پر بحث کر کے اس کو مسلمانوں سے منوانے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

۳۔ فیصلہ میں اخلاق کو مذہب پر ترجیح دے کر ایک طرح سے ہر شخص کو مذہب سے بے پروا بنانے کی کوشش ہے، اس سے خود اخلاقی انارکی پیدا ہو سکتی ہے۔

۴۔ اسلامی اصولوں پر عمل کرنے کو ناانصافی کہنا اہل غرض کو مذہب سے اعتراف کرنے کی دعوت دی گئی ہے، جس سے اسلام کی توہین ہوتی ہے۔

۵۔ تمام فرقہ کے رسم ورواج اور تمام مذہبی اقلیتوں کے پرسنل لا میں ترمیم کی کوشش اور یکساں سول کوڈ بنانے کی ہدایت کر کے دستورِ ہند کی سیکولر اسپرٹ کو ختم کیا جارہا ہے اور مختلف مذاہب کے لوگوں کو لامذہبیت کے راستہ پر ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے، جس سے دستورِ ہند پر سے مذہبی اقلیتوں کا اعتماد ختم ہو جائے گا۔

۶۔ اس فیصلہ پر عمل درآمد سے حکومتِ ہند کے ان وعدوں پر پانی پھر جائے گا جو مسلم پرسنل لا کی حفاظت کے لیے وہ اب تک ذاتی طور پر کرتی رہی ہے۔

صدر محترم کا بیان

اس فیصلہ کے آنے کے بعد مسلم پرسنل لا بورڈ کے ساتویں اجلاس منعقدہ ماہ اپریل ۱۹۸۵ء میں مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا!

”حکومت ایک طرف یہ کہتی ہے کہ مسلم پرسنل لا میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی اور دوسری طرف فرقہ پرستوں کے دباؤ میں آجاتی ہے، حکومت

کی روش دورُخی ہے، غیر مسلم خواتین کوکرائے پر لاکرانھیں مسلم خواتین کی شکل میں پیش کر کے ان سے مسلم پرسنل لا کے خلاف مظاہرہ کرالیا جاتا ہے، حکومت کو معلوم ہونا چاہیے کہ بنگلہ زبان کو دبانے کے نتیجے میں پاکستان ٹوٹا تھا، ہندوستان کے مختلف طبقات کو دبانے کے نتیجہ میں ہندوستان کا اتحاد خطرے میں پڑ جائے گا، ہم اکثریت کو یہ حق دے سکتے ہیں کہ ہمارے مذہبی امور کا وہ فیصلہ کرے۔''

مذہب میں مداخلت مت کرو

مولانا سیّدا سعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے ایک بار اس سے پہلے بھی اس مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا!

''حکومت کے سامنے ایک سے ایک بڑے حل طلب مسائل موجود ہیں، وہ ان سب کو چھوڑ کر مسلم پرسنل لا کے پیچھے پڑی ہوئی ہے اور نہ جانے کیوں مسلمانوں ہی کو غلام بنائے رکھنے کی کوشش کر رہی ہے، جبکہ ملک میں جانوروں تک کو آزادی ہے، اگر مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں اسی طرح کی مداخلت ہوتی رہی تو اس کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے، کیونکہ پھر مسلمانوں کو بھی تنگ آمد بجنگ آمد کے مقولہ پر عمل کرنا ہوگا۔''

مسئلہ کی وضاحت

جمعیۃ علماء ہند نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ صدر محترم کے مشورے پر ایک سب کمیٹی تشکیل کی گئی، اس کمیٹی کا کنویز مولانا قاضی زین العابدین صاحب کو مقرر کیا گیا، یہ کمیٹی علمائے ہند سے اس مسئلہ پر رائے معلوم کرے، قاضی صاحب نے کام شروع کر دیا اور مسئلہ سے متعلق ایک سوالنامہ مرتب کر کے ملک کے مشہور علماء کرام اور مفتیانِ عظام کی خدمت میں ارسال کیا، سوالنامہ میں مسئلہ کے جملہ پہلوؤں سے متعلق استفسارات تھے۔

علماء کانفرنس کا انعقاد

نفقہ مطلقہ کے مسئلہ پر شریعت کا حکم واضح کرنے کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے ۱۱،۱۲/اکتوبر ۱۹۸۵ء کو علماء کانفرنس بلائی، کانفرنس کی صدارت دنیائے اسلام کے مشہور محقق عالم محدث وفقیہ ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نوراللہ مرقدہ نے فرمائی، اکابر علماء ومفتیان کرام اتر پردیش، بہار، کرناٹک، گجرات، مدھیہ پردیش وغیرہ اٹھارہ ریاستوں سے اس کانفرنس میں شریک ہوئے، ان میں اصحاب تقویٰ بھی تھے اور اصحابِ تدریس بھی، اسلامی علوم وفنون کے ماہرین بھی تھے، فقہ وفتاویٰ پر گہری اور وسیع نظر رکھنے والے بھی، محدث وفقیہ بھی تھے اور اسلامی قوانین میں مہارت رکھنے والے بھی مسئلہ سے متعلق ۴۵ مقالات کے خلاصے اجلاس میں پڑھے گئے اور پھر بعد میں اہم مقالوں کو ''نفقہ مطلقہ اور اسلام'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع بھی کردیا گیا، محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کا اس مجموعہ مقالات پر انتہائی پرمغز پیش لفظ بھی ہے جو اس کے مستند ہونے کی دلیل ہے۔ کانفرنس میں نفقہ مطلقہ کے تمام گوشوں پر مدلل بحث اور گفتگو ہوئی، سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ کو نامناسب اور شریعت اسلامیہ میں مداخلت قرار دیا گیا اور ایک تجویز اس سلسلہ میں مرتب کرکے منظور کی گئی، تجویز کا تعلق درج ذیل ہے!

> ''علماء ہند کا یہ اجتماع اپنی پوری علمی اور مذہبی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ اعلان کرتی ہے کہ اسلامی قانون کی رُو سے مطلقہ عورت کے لیے مہر اور عدت کے نفقہ اور بعض مطلقہ عورتوں کے لیے متاع کے سوا کوئی دوسری چیز واجب نہیں ہے، اس طرح پوری ذمّہ داری وتحقیق کے بعد اعلان کرتا ہے، متاع مطلقہ دل دہی اور اشک شوئی کے طور پر ایک وقتی امداد ہے جس کا ایک بار مطلقہ کو دینا مستحب ہے یا واجب ہے اور اس کی کوئی تحدید نہیں ہے، بلکہ قرآن کی تصریحات کے مطابق طلاق دینے والے کی مالی حیثیت کے مناسب ہے، اس لیے مطلقہ کے لیے تاحیات یا تا نکاحِ ثانی

نفقہ دینے کا فیصلہ دینا مسلم پرسنل لا میں مداخلت ہے، اور اس کے لیے قرآن کا حوالہ دینا قرآن پاک میں تحریف اور اسلامی قانون میں مداخلت ہے جس کو اگر مسلم حکومت یا بڑی سے بڑی شخصیت بھی ایسا کرے تو مسلمان اس کو برداشت نہیں کر سکتے، یہ اجتماع قابلِ اعتراض اور اسلامی قوانین سے متصادم تمام تبدیلیوں کی مذمت کرتا ہے۔‘‘

اتحادِ عمل اور متفقہ جدو جہد

چونکہ سپریم کورٹ کا فیصلہ قانون شریعت کے قطعاً خلاف تھا جس میں اس نے شاہ بانو کو طلاق دینے کے بعد محمد احمد خان کے لیے تا زندگی ایک مقررہ رقم دینی لازم کر دی تھی، جو بعد میں عدالتوں کے لیے نظیر بننے والی تھی اور ہندوستان کی ساری عدالتیں اسی نظیر کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرتیں، اس لیے بلا اختلاف مسلمانوں کے ہر طبقہ کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوئی، اخبارات و رسائل میں سیکڑوں مضامین آئے، اہل فقہ و فتاویٰ نے دلائل کے انبار لگا دیئے اور ایسی علمی و تحقیقی بحثیں رسالوں اور اخباروں میں مسلسل آئیں کہ اس سے پہلے اس مسئلہ پر اس تفصیل کے ساتھ کبھی گفتگو اہل علم میں نہیں آئی تھی، حکومت ہند اس خلفشار مسلمانوں کے اشتعال اور بے چینی سے بے خبر نہیں تھی، وزیر اعظم ہند مسٹر راجیو گاندھی کو اس مسئلہ کے حل کی طرف متوجہ کیا گیا، انھوں نے وزیر قانون سے مشورہ کر کے اس مسئلہ کے سدباب کے لیے ’’مسلم خواتین بل‘‘ کے نام سے ایک مسودہ قانون پارلیمنٹ میں پیش کیا، اگر مخالف پارٹیوں کی طرف سے ایوانِ میں زوردار بحثیں ہوئیں تو غیر مسلم ممبران پارلیمنٹ نے اس بل کی حمایت میں جو کچھ کہہ سکتے تھے کہا، ستم بالائے ستم یہ کہ بعض ضمیر فروش مسلمان ممبرانِ پارلیمنٹ نے بھی اس بل کی مخالفت کی لیکن بعض غیرتمند اور خوددار مسلمان ممبروں نے کھل کر بل کی حمایت کی اور ایک مسلمان شریف غیرتمند وزیر نے پارلیمنٹ میں مدلل اور مسکت تقریر بل کی حمایت میں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایوان کی اکثریت کی رائے سے بل پاس ہو گیا جس میں اس امکان کی بنیاد اُکھیڑ دی گئی کہ

آئندہ کوئی عدالت اس مسئلہ میں شریعت کے خلاف فیصلہ کرے، یہ راجیو گاندھی وزیر اعظم ہند کے تدبر وفراست اور احساسِ ذمہ داری کا قابل تعریف قدم تھا، جس کے لیے یقیناً وہ شکریہ کے مستحق تھے، کیونکہ خالص مسلمانوں کے کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے آج تک کسی بھی ہندوستانی وزیر اعظم نے یہ جرأت نہیں دِکھائی، جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا سیّد اسعد مدنی نے بل کی حمایت میں پارلیمنٹ میں تقریر کی اور تحریری طور پر تبریک وتحسین کی اور فرمایا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت بل کی حمایت میں ہے۔

مولانا سیّد اسعد مدنی کا بیان

۲۷؍فروری ۱۹۸۶ء کو پارلیمنٹ میں مسلم پرسنل لاخصوصاً نفقہ مطلقہ سے متعلق تقریر کرتے ہوئے مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمایا!

”ہمارا ملک سیکولر اسٹیٹ ہے، مسلمان اسلامی قانون سے غیر متصادم اصولوں پر چلے ہیں، بہت تھوڑے سے دینی قوانین ہیں جو ان کی نجی زندگی سے متعلق ہیں اور وہ مسلم پرسنل لا ہے، مثلاً نکاح، طلاق، وراثت، ہبہ وغیرہ کے دینی قوانین ہیں، ان قوانین میں پہلے سے آزادی ہے، کوئی جبر نہیں کرتے، اس ملک میں ایسے قانون موجود ہیں کہ لوگ دوسرے مذہب والوں سے شادی اور سول میرج کرتے ہیں اور کوئی اس میں دخل نہیں دیتا، کوئی بغاوت نہیں کرتا، عدالتوں میں ایسے قوانین بنانا جن کی وجہ سے کوئی اسلام کے مطابق نہ چل سکے اور دوسرے قانون پر چلنے کے لیے مجبور ہو جائے، ایک نامناسب بات ہے، اسلام میں عورت کو وراثت کا حق ہے، باپ سے، ماں سے، بیٹوں سے، شوہر سے، بہن بھائیوں سے، اس طریقہ سے اس کو طلاق کے بعد بھی وراثت کے علاوہ مہر بھی ملتا ہے اور عدت کی جو مدت ہو، چاہے حمل کی میعاد ہو یا اور کسی صورت میں اس کو اس عدت کا خرچہ ملتا ہے، اس طریقہ سے عورت کا احترام جتنا اسلام میں ہے شاید اور سماج میں بہت مشکل سے ہوتا ہے، اسلام میں

نکاح ایک کنٹریکٹ اور معاہدہ ہے جو طلاق کے بعد ٹوٹ جاتا ہے، اس کے بعد نان نفقہ کی ذمہ داری عدت تک شوہر پر ڈالی گئی ہے، اس کے بعد ماں، باپ، خاندان اور رشتہ داروں پر ڈالی گئی ہے اور اگر کوئی نہ ہو اور مطلقہ عورت اس قابل نہ ہو کہ اپنا خرچ چلا سکے تو پھر پوری قوم پر اور مسلم سماج پر اس کی ذمّہ داری ڈالی گئی ہے اور بیت المال اس کے معیار کے مطابق اس کے خرچہ کا ذمہ دار ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ پارلیمنٹ میں مسلم مطلقہ خواتین کے حقوق کے تحفظ سے متعلق سرکاری بل پیش ہوا ہے، اگر گورنمنٹ صحیح طور پر اس کو چلائے اور بل کو صحیح طور پر جیسا کہ مسلمان چاہتے ہیں، ایسی ہی اس کی ترمیم ہو تو پھر یہ مسئلہ معمولی ہے، یہ صرف جواب نہیں ہے، بشرطیکہ صحیح طور پر اس کو پاس کر دیا جائے اور صحیح طور پر اس پر عمل ہو۔''

یہ سرکاری بل بعنوان ''مسلم مطلقہ کے حقوق کا تحفظ بل'' ۲۵ رفروری کو پارلیمنٹ میں پیش ہو کر پاس ہوا اور ایکٹ بن گیا۔

خطرے کی تلوار

نفقہ مطلقہ کے بارے میں مذکورہ فیصلہ کے علاوہ سپریم کورٹ نے حکومت کو یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی بھی ہدایت کی تھی، جس سے مسلمانوں میں بے چینی ہونا لازمی تھی اور مسلم تنظیموں نے اس کا زبردست اثر لیا، جمعیۃ علماء ہند نے اس سلسلے میں باقاعدہ قانونی جنگ لڑنے کی تیاری کی اور سپریم کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا اور سپریم کورٹ کے سامنے شرعی قوانین اور شرعی احکام کی نوعیت وحقیقت کو پیش کیا، جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے اس مقدمہ میں بیرسٹر ایس، ٹی، ڈیسائی، سینئر ایڈوکیٹ اور سیّد شکیل احمد ایڈوکیٹ سپریم کورٹ نے پیروی کی، اس کا مقصد یہ تھا کہ مستقبل میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لیے جس طرح راہیں ہموار کی جارہی ہیں اس کی راہ میں حتیٰ الامکان رُکاوٹ پیدا کی جائے۔

آسام کا مسئلہ درد سر بنا رہا

جمعیۃ علماء ہند مسلمانانِ آسام کے لیے ہمیشہ فکر مند رہی، آسام سرحدی ریاست ہونے کی وجہ سے ہمیشہ سخت سیاسی کشمکشوں سے دوچار رہی اور وہاں کے مسلمان ہمیشہ شکوک وشبہات کے دائرے میں رہے، اس کی وجہ سے ان کو بار بار مصیبتوں اور پریشانیوں کا شکار ہونا پڑا، جمعیۃ علماء ہند آسام کے مسلمانوں کی اس دُکھ کی گھڑی میں ان کے ساتھ رہی، آسام میں ہر امکانی کوشش ہوتی رہی کہ وہاں کے مسلمانوں کو غیر ملکی کہہ کر نکال دیا جائے اور ان کی تعداد کم سے کم کر دی جائے، آسام میں اس سلسلے میں بڑی ہی جارحانہ تحریکیں مسلسل چلائی جاتی رہیں، تحریک چلانے والی تنظیموں میں آر، ایس، ایس، کے ذہن ومزاج کے مسلمہ دشمن لوگ ہی تھے اور ۱۹۸۵ء تک آسام بھی مسلمانوں کی راہوں میں کانٹے بچھائے جاتے رہے، ان تحریکوں نے وہ شدت اختیار کی کہ مرکزی حکومت کو ان سے سمجھوتہ کرنا پڑا، ۱۵/اگست ۱۹۸۵ء وزیر اعظم ہند راجیو گاندھی کی موجودگی میں ''آل آسام اسٹوڈنٹس یونین'' اور ''آل آسام گن سنگرام پریشد'' کے نمائندوں اور حکومت ہند اور حکومت آسام کے درمیان آسام میں غیر ملکیوں کے مسئلے پر سمجھوتے کے ایک میمورنڈم پر دستخط ہوئے اور ۱۵/اگست ۱۹۸۵ء کو لال قلعہ کے بعد ان میں یومِ آزادی کی تقریب میں قوم کے نام خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم راجیو گاندھی نے اس سمجھوتے کا اعلان کیا۔

سمجھوتے کے میمورنڈم کا متن

غیر ملکیوں کے مسئلہ پر آسام میں جو سمجھوتہ ہوا اس کا متن درج ذیل ہے:

''آسام میں غیر ملکیوں کے مسئلہ کا اطمینان بخش حل تلاش کرنے کی خواہش برابر حکومت کو رہی، آل آسام اسٹوڈنٹس یونین اور آل آسام گن سنگرام پریشد نے بھی مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کی ہے، مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو نظر میں رکھتے ہوئے جن میں آئینی، قانونی

پہلو، بین الاقوامی معاہدے، قومی تقاضے اور انسانی ہمدردی یہ سب شامل ہیں، مندرجہ ذیل صورتوں پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

(۱) غیر ملکیوں کا فیصلہ، غیر ملکیوں کی شناخت اور اخراج کے لیے متبادل سال اور تاریخ یکم جنوری ۱۹۶۶ء ہوگی۔

(۲) وہ لوگ جو آسام میں یکم جنوری ۱۹۶۶ء سے قبل داخل ہوئے ہیں جن میں وہ لوگ شامل ہیں جن کے نام ۱۹۶۷ء کی ووٹروں کی فہرست میں بنیں، باضابطہ آسام کے شہرے مانے جائیں گے۔

(۳) وہ غیر ملکی جو آسام میں یکم جنوری ۱۹۶۶ء سے بشمول اس تاریخ کے اور ۲۴/مارچ ۱۹۷۱ء تک داخل ہوئے ہیں ان کو ۱۹۴۶ء کے غیر ملکیوں کے قانون فارنز میں، ایکٹ ۱۹۴۶ء اور غیر ملکیوں کے ٹریبونل کے متعلق کے حکم ۱۹۶۴ء فارنرس ٹریبونل آرڈر ۱۹۶۴ء کے مطابق چھانٹا جائے گا۔

(۴) اس طرح جن غیر ملکیوں کو چھانٹا جائے گا ان کے نام حالیہ ووٹروں کی فہرست سے خارج کردیئے جائیں گے، ایسے افراد کو اپنے اضلاع کے متعلقہ رجسٹریشن آف فارنز اوّل ۱۹۳۹ء کے تحت اپنا نام درج کرانا ہوگا۔

(۵) اس مقصد کے لیے حکومتِ ہند سرکاری مشنری کو مستحکم بنانے کا مناسب بندوبست کرے گی۔

(۶) ناموں کو چھانٹے جانے کی تاریخ کے دس سال بعد جن لوگوں کے نام انتخابی فہرست سے خارج کردیئے گئے ہیں دوبارہ انتخابی فہرست میں شامل کیے جائیں گے۔

(۷) وہ لوگ جو آسام سے پہلے نکالے گئے تھے اور پھر غیر قانونی طور پر آسام میں داخل ہوگئے ہیں انھیں آسام سے نکال دیا جائے گا۔

(۸) وہ غیر ملکی جو آسام میں ۲۵/مارچ ۱۹۷۱ء کے اندر داخل ہوئے ہیں، ان کو قانون کے مطابق شناخت کرکے نکالا جائے گا، ایسے غیر ملکی کو نکالنے کے لیے فوری طور پر عملی اقدامات کیے جائیں گے۔

(۹) آسو، گن سنگرام پریشد کی طرف سے غیر قانونی دراندازی کے عمل درآمد کے

سلسلے میں ٹریبونل ایکٹ ۱۹۸۳ء کے تعلق سے پیش کی گئی مشکلات پر حکومت ہمدردی سے غور کرے گی۔

دیگر مسائل:

(ا) مستقبل کے لیے حکومت بندوبست کرے گی کہ صرف مرکزی حکومت کے حکام کے ذریعہ فہرست کے تصدیق نامے جاری کیے جائیں۔

(ب) ''آل آسام اسٹوڈینٹس'' یونین اور ''آل آسام گن سنگرام پریشد'' کی طرف سے موصولہ ناجائز طریقے پر جاری کیے گئے شہریت کے تصدیق ناموں کے بارے میں شکایتوں کی جانچ کی جائے گی۔

مذکورہ بالا دفعات کے علاوہ اور بھی کچھ دفعات تھیں جن کا تعلق غیر ملکی دراندازوں کو روکنے کے بندوبست اور آسام کی اقتصادی ترقی وغیرہ سے متعلق تھیں، اس معاہدہ پر ہوم سکریٹری حکومتِ ہند، چیف سکریٹری حکومتِ آسام اور خود راجیو گاندھی وزیراعظم ہند کے دستخط ہوئے، ایجی ٹیشن چلانے والوں میں صدر آسو، جنرل سکریٹری آسو، کنویز ''آل آسام گن پریشد'' کے بھی دستخط ہوئے۔

اقلیت دشمنوں کی منہ بھرائی

حکومت نے یہ سمجھوتہ فرقہ پرست اقلیت دشمن ایجی ٹیشن کرنے والوں کی منشا کے مطابق کیا تھا، اس سمجھوتہ کی زد میں کئی لاکھ آسامی مسلمان آتے تھے جبکہ ان ایجی ٹیشن کرنے والوں نے جو مظالم، قتل وغارتگری پچھلے دِنوں مچائی تھی جس کی وجہ سے ان پر مقدمات تھے، بہت سے قتل وغارت گری اور آتشزنی کے جرم میں جیلوں میں بند تھے، ان تمام قاتلوں اور آتشزنی کرنے والوں کو اس سمجھوتے کے وقت بے داغ چھوڑ دیا گیا تھا، بہتوں کو ان کی ملازمتوں پر بحال کر دیا گیا، اُلٹے لاکھوں آسامی باشندوں کو ان کی منشا کے مطابق غیر ملکی اور درانداز بنانے کا راستہ کھول دیا گیا۔

یہ سمجھوتہ جمعیۃ علماء آسام کے تمام بڑے عہدہ داروں کی مرضی کے خلاف کیا گیا بلکہ وہ اس سمجھوتہ سے غم وغصہ میں بھر گئے تھے، انھوں نے وزراء سے الیکشن افسر سے،

آخر میں وزیراعلیٰ آسام سیکیا سے بھی مل کر اپنے شکوک وشبہات اور مستقبل کے خطرات سے ان کو آگاہ کیا، ان ذمہ داروں نے ان حضرات سے کئی باتوں کا وعدہ کیا لیکن کسی پر عمل نہیں کیا گیا۔

مولانا اسعد مدنی آسام گئے

مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند ان دِنوں یورپ کے دورے پر گئے ہوئے تھے وہ اگست کے آخر میں ہندوستان واپس ہوئے اور آپ پہلی فرصت میں آسام تشریف لے گئے اور ریاستی جمعیۃ علماء آسام کی مجلس عاملہ کی میٹنگ بلائی، ریاستی جمعیۃ علماء آسام کے ذمہ داروں نے ساری صورت حال میٹنگ میں پیش کی، آخر میں صدر محترم نے فرمایا! کہ اس سمجھوتے کے خلاف ہم کو پوری مضبوطی سے قدم اُٹھانا چاہیے اور الیکٹرول کے معاملہ میں جو بے انصافیاں ہو رہی ہیں ان کو خاموش تماشائی بن کر نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ ان کے خلاف مضبوط قدم اُٹھانا چاہیے۔

صدر محترم کی سرگرمیاں

۲۸ / اگست ۱۹۸۵ء کو صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی نے جمعیۃ علماء آسام کے عہدیداروں کے ساتھ پہلے وزیر مالیات حکومت آسام جناب محمد ادریس صاحب، وزیر قانون جناب عبدالمجیب صاحب مجمدار اور وزیر قانون مسز انورہ تیمورہ، وزیر پی، ڈبلیو، ڈی، اور سادھن سرکار ریلیف، اور آبادکاری کے وزیروں سے ملاات کی اور ان سے پوچھا کہ آپ لوگ بتائیں کہ اس سمجھوتے کے اندر کون سی خوبیاں ہیں، آپ ہمیں اس کے فضائل اور خوبیاں سمجھا دیں تو ہم بھی اپنی تسلی کرلیں گے مگر وہ سب کے سب خاموش رہ گئے، کوئی جواب نہ دے سکے، آپ نے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس کی برائیوں کے خلاف جدوجہد کریں، آپ بھی اس میں تعاون کریں۔

پھر آپ نے وزیراعلیٰ حکومت آسام مسٹر سیکیا سے ملاقات کی اور پوری صورت حال پر تفصیل سے گفتگو کی، آپ نے وزیراعلیٰ کو بتایا کہ اس سمجھوتے نے اقلیتوں کو

انتہائی مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے۔

صدر محترم کا لب ولہجہ گرم ہو گیا

ان ملاقاتوں کے بعد دوسرے دن ۲۹/اگست ۱۹۸۵ء کو گوہاٹی میں منعقدہ ’’آل آسام اقلیتی کنونشن‘‘ کے عظیم اجتماع کو خطاب فرمایا اور سمجھوتہ کی مخالفت میں بڑے ہی گرم لب ولہجہ میں اظہارِ خیال فرمایا، یہ کنونشن ریاستی جمعیۃ علماء آسام نے سی، آر، پی، سی، ’’آل آسام مائنارٹیز فورم‘‘ کے تعاون سے منعقد کیا تھا، صدر محترم نے مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے کنونشن کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا!

’’ہمارا یہ ملک مختلف مذاہب کے ماننے والوں اور مختلف تہذیبوں اور روایتوں کے حامل انسانوں کا ملک ہے، اگر یہاں سب کے ساتھ ایک قسم کا معاملہ نہ ہو تو یہ ملک خراب ہو جائے گا، تباہ و برباد ہو جائے گا، اس ملک میں اگر اقلیتوں کو انصاف نہیں ملے گا صرف اس لیے کہ وہ اقلیت میں ہیں تو اس سے دیش برباد ہوگا۔‘‘

آپ نے اپنا سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا!

’’اگر یہاں کوئی بدیشی ہے تو اس کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن اگر ایک شہری کو بھی حق شہریت سے محروم کر دیا گیا تو ہم کسی قیمت پر اس کو برداشت نہیں کریں گے، کسی کی شہریت ختم کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے، لیکن اس وقت یہاں جو کچھ ہو رہا ہے یہ کام ہرگز کسی جمہوریت پسند حکومت کا نہیں ہو سکتا۔‘‘

آپ نے نہایت گرم لب ولہجہ میں حالیہ سمجھوتہ کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا!

’’آسام کا یہ سمجھوتہ ایک سازش ہے، آئین کے خلاف ہے، بین الاقوامی معاہدوں کے خلاف، انسانیت کے خلاف ہے، یہ سمجھوتہ کر کے حکومت

نے آندولن کاریوں کی آر، ایس، ایس، کے ذریعہ تیار کردہ سازش کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں، یہ کام آج یہاں شروع ہورہا ہے، کل پورے ملک میں شروع ہوجائے گا، اس کے خلاف ہم لڑیں گے اور اپنی لڑائی کو آگے بڑھائیں گے، اسلام نے کہا ہے کہ سچ کہو اور بری بات کی مخالفت کرو، ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ سچائی کے لیے لڑائی لڑے، میں بھی مسلمان ہوں انشاءاللہ سچائی کے لیے لڑتا رہوں گا۔''

آپ نے اپنے غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے اصول پر مر مٹنے والوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا!

''آج اس سمجھوتہ کے ذریعہ مہاتما گاندھی اور اندرا گاندھی کا دوبارہ قتل ہوا ہے، یہ کانگریس کی روایتوں اور اصولوں کا خون ہوا ہے، جن کے لیے یہ سمجھوتہ ہوا ہے، ان کو اس قابل ہی سمجھ لیا جاتا کہ ان سے بات کرلی جاتی، صرف آندولن کاریوں سے بات کرکے اور ان کی مرضی کے مطابق سمجھوتہ کرکے ثابت کردیا گیا کہ وہی اس قابل ہیں اور دوسرے لوگ کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں، یہ ہماری سرکار ہے؟ ہم نے اس کو طاقت اس لیے دی ہے کہ وہ ہماری جڑیں کاٹیں، ہم معاملہ کو ٹھیک کرنا چاہتے ہیں۔ ہم انصاف اور قانون چاہتے ہیں، ہم اپنے معاملہ کو پوری قوت سے اُٹھانا چاہتے ہیں، ہم تشدد نہیں چاہتے ہیں۔ ہم پل نہیں توڑیں گے، ہم قومی کارخانوں کو تباہ نہیں کریں گے، البتہ اس کے لیے پرامن جدوجہد کی راہ ضرور اپنائیں گے، اگر آپ ہماری بات کو صحیح سمجھتے ہیں تو آیئے اور ہمارے ساتھ ہر قربانی کے لیے تیار ہوجایئے، ہم صرف انصاف کے لیے لڑنا چاہتے ہیں اور لڑیں گے۔''

سمجھوتے کے خلاف عملی سرگرمیاں

آسام میں جدوجہد اور رائے عامہ کی بیداری کے بعد دہلی واپسی پر آپ نے

چیف الیکشن کمشنر آف انڈیا سے ۸/ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو جمعیۃ علماء ہند کا ایک وفد لے کر ملاقات کی اور ان کو آسام کی موجودہ صورتِ حال سے آگاہ کیا اور میمورنڈم پیش کیا، پھر آپ نے دہلی میں پریس کانفرنس بلائی اور ۹/ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو آپ نے اخباری نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا!

”آسام کے اپنے حالیہ دَورے کے وقت میں نے آسام سمجھوتہ کے تباہ کن نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اس معاہدہ کی بدولت مسلمان بنگالی اور نیپالی ہندوؤں میں مذہبی اور لسانی اقلیتوں کے لاکھوں افراد کے لیے نا قابلِ بیان مشکلات پیدا ہوگئی ہیں، مجھے روز اوّل ہی سے اس معاہدہ کے بارے میں شبہات تھے اور میرے اندیشے صحیح ثابت ہوئے، آپ نے مزید کہا کہ آسام میں جو حالات اس معاہدہ کے بعد پیدا ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ معاہدہ سے پہلے اور معاہدے کے بعد اقلیتوں کو جو یقین دہانیاں کی گئی تھیں، وہ سب بے معنی ہوکر رہ گئی ہیں، ان کی قسمت ان لوگوں کے حوالے کر دی گئی ہے جو خود حکومت کی رپورٹوں کے مطابق علیحدگی چاہنے والے تشدد پسند، ایجی ٹیٹر اور ریاست کے باہر کی تخریب پسند قوتوں سے تعلق رکھتے ہیں، صدر محترم نے اس وضاحت کے بعد معاہدہ آسام کی مخالفت کے اسباب اور دلائل بیان فرمائے اور فرمایا کہ کہا جاتا ہے کہ یہ معاہدہ آسام کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کیا گیا ہے، لیکن درحقیقت اس سے اور زیادہ مسئلے پیدا ہورہے ہیں، میری اس رائے کے کچھ واضح ثبوت یہ ہیں، معاہدہ کی ایک دفعہ اس معاہدہ کے خلاف ہے جو شریمتی اندرا گاندھی اور بنگلہ دیش کے وزیر اعظم شیخ مجیب الرحمٰن کے درمیان ہوا تھا کہ جو لوگ ۲۵/ مارچ ۱۹۷۱ء سے پہلے ہندوستان میں داخل ہوئے ہیں، انھیں ہندوستان میں رہنے دیا جائے گا یعنی ان کو ہندوستانی مانا جائے گا، چودہ سال کے قیام کے بعد آج پھر یہ معاہدہ ان کو غیر ملکی قرار دے رہا ہے، یہ بین الاقوامی معاہدے کی خلاف

ورزی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

اس معاہدہ کی ایک دفعہ نے ان لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کردیا ہے جو لوگ جنوری ۱۹۶۶ء سے پہلے آئے ہیں اور جو یکم جنوری ۱۹۶۲ء سے ۱۹۷۱ء کے دوران ریاست میں آئے، دس سال کے بعد باقاعدہ شہری مانے جائیں گے اور ان کو نکالا نہیں جائے گا، اس سلسلے میں عرض ہے کہ ان دوطبقوں میں ہندو بنگالی آتے ہیں کیونکہ وہ مسلمان جو ۱۹۵۱ء اور ۲۴/مارچ ۱۹۷۱ء کے درمیان آئے تھے، وہ نکالے جاچکے تھے اور اب اس معاہدہ کی رُو سے ہندوستانی مسلمان غیر ملکی بن کر نکالے جارہے ہیں۔

ان کے علاوہ چھ دوسرے اہم اسباب بھی آپ نے بیان فرمائے، جن کی وجہ سے معاہدہ کی یہ مخالفت کی جارہی ہے، آخر میں آپ نے پریس کانفرنس میں اپنے مطالبات کی وضاحت فرمائی، آپ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا اسباب کی وجہ سے ہمارا مطالبہ ہے کہ!

(۱) وہ تمام لوگ جو آسام میں ۲۴/مارچ ۱۹۷۱ء تک داخل ہو، ان کو شہریت کے پورے حقوق دیئے جائیں۔

(۲) معقول سکونت اور آبادکاری کا متبادل نظام کیے بغیر کسی کو اپنی جگہ سے نہ ہٹایا جائے۔

(۳) الیکشن کمیشن نے گھر گھر جا کر شمار کرکے جو ووٹر لسٹ تیار کی ہے جو یکم جنوری ۱۹۸۵ء کی لسٹ کہی جاتی ہے اُسے واحد غیر منقسم فہرست مانا جائے اور اگر اس سے کوئی نام خارج کیا گیا ہے تو اُسے بحال کیا جائے۔

(۴) جن افراد کو شہریت کی دستاویز یا کاغذات سے ثابت نہ کرنے کی بنا پر ووٹر لسٹ میں نہیں رکھا گیا ہے، ان کو فوری طور پر ریاست سے نہ نکالا جائے، بلکہ ہندوستان کے قانون شہریت و دیگر قوانین کے تحت اپنی شہریت ثابت کرنے کا اس کو موقع دیا جائے۔

پورے ملک میں نفرت کی بارُود بچھانے کی مہم

بابری مسجد کا مسئلہ دسمبر ۱۹۴۹ء سے چل رہا ہے جب رات کے اندھیرے میں کچھ لوگوں نے مسجد کی ایک دیوار توڑ کر مسجد میں مورتیاں رکھ دی تھیں اور پوجا پاٹ شروع کر دی تھی، ۳۷ برسوں سے عدالت میں بابری مسجد کا مقدمہ ٹھوکریں کھاتا رہا، کوئی منصف نہیں ملا عوامی سطح پر اشتعال اور جوش وخروش کا اظہار کم ہوتا رہا، لیکن آزادی کی چار دہائیوں تک فرقہ پرست تنظیمیں جب ساری کوششوں کے باوجود اقتدار کی کرسی تک نہیں پہنچ سکیں تو انھوں نے بابری مسجد کو حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے آلہ کار بنایا، اس مقصد کے لیے انھوں نے ہندوؤں میں نفرت وعداوت مسلم دشمنی کے جذبات میں شدت لانے اور ردّ عمل کے طور پر مسلمانوں میں اشتعال پھیلانے کی نیت سے بارود بچھانے کا عمل شروع کر دیا۔

تقریباً تین سالوں سے وشو ہندو پریشد، رام جنم بھومی مکتی کمیٹی، بجرنگ دَل اور دوسری فرقہ پرست تنظیموں نے اس مسئلہ کو لے کر ملک بھر میں نفرت کی لہر چلانی شروع کی، ۲۵ر ستمبر ۱۹۸۴ء کو انھوں نے سیتامڑھی (بہار) سے پدیاترا شروع کی، ۷ار اکتوبر ۱۹۸۴ء کو اجودھیا پہنچ کر سرجو ندی کا پانی لے کر حلف اُٹھایا کہ ہم بابری مسجد کو رام مندر بنا کر دَم لیں گے چاہے ہمارے جان ہی اس راستہ میں چلی جائے۔ ۱۹ر دسمبر ۱۹۸۵ء کو اتر پردیش کے کانگریس وزیر اعلیٰ ویر بہادر سنگھ اجودھیا گئے یہاں ریٹائرڈ جج کاٹجو، ریٹائرڈ ڈی، آئی، جی، دکشت اور ایک تیسرے ریٹائرڈ جج نے وزیر اعلیٰ سے ملاقات کر کے کہا کہ ۹ر مارچ تک بابری مسجد کا تالا نہیں کھولا گیا تو ہم لوگ خود جا کر تالا توڑ دیں گے، اس کے بعد ۲۵ر جنوری ۱۹۸۶ء کو ایک شخص رمیش پانڈے نے جو بابری مسجد مقدمہ میں کسی کی طرف فریق نہیں تھا اس نے تالا کھولنے کی درخواست عدالت میں دی، صدر منصف فیض آباد نے یہ درخواست مسترد کر دی کہ ہم اس میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ فائل نہیں ہے، پھر اس نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سیشن جج فیض آباد کے یہاں اپیل کی، انھوں نے ۳۰ر جنوری ۱۹۸۶ء کو وہ اپیل منظور

کر لی، سیشن جج نے یہ نہیں دیکھا کہ اپیل کرنے والا کون ہے؟ اس کو یہ درخواست پیش کرنے کا حق بھی ہے یا نہیں جبکہ وہ مقدمہ میں فریق نہیں تھا اور جب مسلمان اور اس کیس کے مدعی عدالت میں پہنچے اور انھوں نے کہا کہ ہماری بات سنی جائے لیکن سیشن جج نے بات سننے سے انکار کر دیا اور یک طرفہ فیصلہ سنا دیا گیا اور ایک دن کے اندر تالا کھول دیا گیا، جو چالیس سال سے سرکاری طور پر بند کر دیا گیا تھا، اس کھلی ہوئی دھاندلی اور لاقانونیت کے باوجود حکومت کی محکمہ اطلاعات اور ہندوؤں میں خوشی کی تیز لہر دَوڑ گئی کہ باقاعدہ ٹیلی ویژن پر تالا کھولنے اور فرقہ پرستوں کو خوشی سے ناچتے ہوئے دکھایا گیا، اس ظلم وزیادتی اور کھلی ہوئی ناانصافی نے مسلمانوں کے دِلوں میں غم و غصہ کی آگ بھر دی اور جذبات قابو سے باہر ہو گئے، لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔

جمعیۃ علماء ہند کا ردِّ عمل

بابری مسجد کا تالا کھولے جانے کی اطلاع ملتے ہی اکابر جمعیۃ کو سخت تشویش ہوئی، فوراً مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا گیا اور اس غیر منصفانہ فیصلہ کے خلاف ایک تجویز پاس کر کے اشاعت کے لیے دی گئی، تجویز کے الفاظ تھے!

”جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کو بابری مسجد کے حالیہ واقعہ پر سخت تشویش ہے، یہ مسجد تقریباً پانچ سو سال سے مسلمانوں کی مقدس عبادتگاہ رہی ہے، ۱۸۸۵ء کے عدالتی مقدمہ اور سرکاری اعلانات میں بھی مسجد ہی تسلیم کیا جاتا رہا ہے، لیکن ۱۹۴۹ء کے ہنگامہ خیز حالات میں ایک سازش کے تحت مسجد کو مقفل کرا دیا گیا، اس وقت سے اس کے مقدمے عدالت میں پیش ہیں، ۱۹۵۵ء میں ہائی کورٹ کی اس ہدایت کے باوجود کہ اس کے مقدمے جلد از جلد فیصل کیے جائیں، دانستہ طور پر ان مقدمات کے فیصلے کو موخر کیا جاتا رہا ہے۔ تقریباً دو سال سے وشو ہندو پریشد اور دوسری متعصب اور نفرت پھیلانے والی جماعتوں نے بابری مسجد کو رام جنم مندر یا رام چندر جی کا جنم استھان کہہ کر اس پر قبضہ کرنے کے لیے پورے ملک

میں زبردست مہم شروع کی ، اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور تشدد کا علانیہ پرچار رتھ نکال کر پوسٹر اور کتابچے چھاپ کر کیا گیا، سرکاری ملازمین بڑی تعداد میں اس مہم کے ہم نوا بن گئے ، مرکزی اور ریاستی حکومتیں تماشائی بنی رہیں، پچھلے ماہ نہایت قابل اعتراض طریقہ پر عدلیہ نے انتظامیہ کی سازش سے اس کا تالا کھول کر مسجد میں پوجاپاٹ کی اجازت دے دی گئی ہے، جس میں نہ مسلمانوں کو فریق بنایا گیا اور نہ عدالت کے اور دوسرے ضابطے پورے کیے گئے ،حکومت نے بھی عدلیہ کی اس دھاندلی اور نا قابل یقین ناانصافی کے خلاف نہ صرف یہ کہ کوئی اقدام نہیں کیا بلکہ اس ظالمانہ فیصلہ کی تشہیر میں ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ اس کی اعانت اور ہمّت افزائی کی، ساتھ ہی ان رتھوں اور جلوسوں پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جو فتح کے نام پر نکالے جاتے رہے، جس کی وجہ سے متعدد جگہوں رُدولی، لکھیم پور، کھیری، بنارس، مسافر خانہ ضلع سلطان پور، مدھیہ پردیش اور دہلی میں فسادات ہوئے اور مسلمانوں کی جانی و مالی بربادی ہوئی، ان فسادات سے ہندوستان بھر کے مسلمانوں میں سخت اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی، قدرتی بات ہے مسلمان اپنی بے شمار بربادیوں کو برداشت کررہے ہیں، مگر ان کی عبادت گاہ محفوظ نہ رہی یہ ان کے لیے کسی طرح بھی قابل برداشت نہیں ہے، وہ ان عبادت گاہوں کے تحفظ کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں اور جب یہ سب باضابطہ حکومت، انتظامیہ اور عدلیہ کی سازش سے انجام دیا جائے تو اس کی سنگینی بہت بڑھ جاتی ہے ،اس کے مجلس عاملہ حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ!

(ا) ’’چونکہ حکومت کی جانب سے یہ بات عدالت میں ۵۱-۱۹۵۰ء ہی میں تسلیم کی جاچکی ہے، کہ جائداد نزاعی ایک مسجد ہے اور بابری مسجد کے نام سے منسوب ہے، اور اس میں مسلمان عرصہ دراز سے نماز ادا کرتے

رہے ہیں، یہ جگہ کبھی بھی رام چندر جی کے مندر کے طور پر استعمال نہیں ہوئی ہے، اس لیے حکومت اس موقف کا واضح اعلان کرے کہ آج بھی حکومت اس جگہ کو جہاں پر پوجا درشن کی اجازت دی گئی ہے، ایک مسجد تسلیم کرتی ہے۔

(۲) چونکہ ضلع جج فیض آباد کا حکم یکم فروری ۱۹۸۶ء کا فیصلہ حکومت کے موقف کے خلاف ہے، لہٰذا اتر پردیش حکومت اور ضلع مجسٹریٹ فیض آباد ایس، ایس، پی، فیض آباد کی جانب سے اس فیصلے کے خلاف عدالت عالیہ میں رٹ کر کے اس فیصلہ کو کالعدم کرانے کی کارروائی کی جائے اور اس رٹ کی تیاری اور بحث کے لیے ایسا وکیل مقرر کیا جائے جس پر مسلمانوں کو بھی اعتماد ہو۔

(۳) بابری مسجد کی عمارت اور اس سے منسلک عمارت اور جائداد وغیرہ کو قلمبند کروانے، ان کی تصاویر لینے اور نقشہ بنانے کے لیے ایک ایسی سروے ٹیم پوری طور پر حکومت اتر پردیش کی جانب سے مقرر کی جائے جس میں دو نمائندے مسلمانوں کے دو نمائندے ہندوؤں کے اور ایک نمائندہ عدالت کا ہو، یہ ٹیم ایک ہفتہ کے اندر اپنی رپورٹ معہ نقشہ کے حکومت اور عدالت کو پیش کرے، اور اس رپورٹ اور نقشہ کی نقولات مسلمانوں اور ہندوؤں کو بھی مہیا کی جائیں۔

(۴) بابری مسجد سے متعلق تمام مقدمات کا فیصلہ چھ ماہ کے اندر کرا دیا جائے، اور اس بابت کیے جانے والے اقدامات کا اعلان تین ہفتہ میں کیا جائے۔

(۵) اس وقت تک جب تک مذکورہ بالا مقدمات کا قطعی فیصلہ نہ ہو جائے مسجد کی وہ حیثیت فوری طور پر بحال کی جائے جو ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۶ء سے پہلے تھی۔

(۶) مسلمانوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے، اور اس کا

انتظام مسلمانوں کو سپرد کیا جائے، فی الحال مسجد کے اس جز کی مرمت فوری طور پر کرادی جائے جو کسی وجہ سے منہدم ہوگیا ہے یا کروادیا گیا ہے۔

یہ جلسہ حکومت اور تمام شہریوں سے امن وامان قائم رکھنے، فرقہ وارانہ منافرت پھیلنے سے روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے کی اپیل کرتا ہے، اور مسلمانوں سے بالخصوص یہ توقع کرتا ہے، کہ وہ اس دھماکہ خیز صورت حال میں مخالفین کی ریشہ دوانیوں اور اشتعال انگیزیوں کا صبر و تحمل سے مقابلہ کریں گے، اور خوف وہراس کی فضا کو ختم کرنے کے لیے دانشمندانہ جرأت اور غیر جذباتی ہمّت کا مظاہرہ کریں گے۔

دوسرا قدم

۲۱/۲۲/فروری ۱۹۸۶ء کی مجلس عاملہ میں بابری مسجد کا تالا کھولے جانے کے خلاف اس تفصیلی تجویز کے بعد خاموشی نہیں اختیار کرلی گئی، بلکہ جس ہفتہ میں تالا کھولا گیا اس کے آخر میں مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند اس مسئلہ کی اہمیت کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے ایک اور قدم اٹھایا، آپ نے بلونت رائے مہتہ لین نئی دہلی میں مختلف سیاسی پارٹیوں کے ۲۳ ممبرانِ پارلیمنٹ کو مدعو کیا اور ان سے بابری مسجد کی تازہ ترین صورت حال پر تبادلۂ خیال کیا، ممبرانِ پارلیمنٹ کی اس میٹنگ نے اس معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے یہ طے کیا، کہ ایک میمورنڈم تیار کیا جائے اور وزیر اعظم ہند مسٹر راجیو گاندھی سے ملاقات کر کے ان کو دیا جائے اور ان سے اس مسئلہ پر بات کی جائے، میمورنڈم کی تیاری کے لیے ایک سب کمیٹی بنائی گئی جس میں صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی، جناب سلیمان سیٹھ، جناب جی ایم بنات والا، جناب سیف الدین سوز، جناب ہاشم قدوائی ممبرانِ پارلیمنٹ شامل تھے۔

سب کمیٹی نے میمورنڈم تیار کیا، اس میمورنڈم کو لے کر ۳/مارچ ۱۹۸۶ء کو مولانا سیّد اسعد مدنی ایم پی صدر جمعیۃ علماء ہند ۱۹/ممبرانِ پارلیمنٹ کے ہمراہ جا کر مسٹر راجیو گاندھی وزیراعظم حکومت ہند کو پیش کیا، میمورنڈم پر اکتالیس ممبرانِ پارلیمنٹ نے

دستخط کیے تھے، میمورنڈم پیش کرنے کے بعد تقریباً چالیس منٹ تک ممبرانِ پارلیمنٹ نے وزیراعظم سے اس مسئلہ پر بات کی اوران سے درخواست کی کہ وہ اس معاملہ میں فوراًمداخلت کریں۔

صدرمحترم کی پارلیمنٹ میں تقریر

مولانا سیّداسعدمدنی صدرجمعیۃ علماء ہند نے راجیہ سبھا میں بابری مسجد کی تازہ ترین صورت حال پرتقریرفرمائی، آپ نے ۱۹۴۹ء کے بعد سے اب تک بابری مسجد کے سلسلے میں حکومت عدالت اورعوام کے ذریعہ جو کچھ کیا جاتا رہا، اس کی تاریخ پر روشنی ڈالنے کے بعدفرمایا کہ!

"میں نے کئی باراُترپردیش کے چیف منسٹروں سے کہا کہ یہ جھگڑے کی جڑ ہے، عدالت سے طے کراؤ، ورنہ یہ کمیونل ٹینشن کا سبب بن سکتا ہے، دو تین مرتبہ میں نے مختلف چیف منسٹروں کومیمورنڈم بھی دیئے اورکہا کہ اس معاملہ کوجلد طے کیا جائے لیکن آج تک نہ ہوسکا وہ کاغذات وہیں پڑے ہوئے ہیں، کیس کی تاریخ نہیں پڑتی، پانچ سال ہوئے کیس کوشروع ہوئےخود ہائی کورٹ نے تشویش کا اظہارکیا کہ ایک کیس پانچ سال تک رہے، جس میں ٹینشن بھی ہوسکتا ہے، جس میں جھگڑا بھی ہوسکتا ہے، اس میں ڈھیلےنہیں ہونا چاہیے۔فوراًنپٹارہ ہونا چاہیےمگروہ آج تک نہیں نپٹا، اب عدلیہ کے ضابطوں کونظرانداز کرتے ہوئے مسجد کا تالا کھول کر پوجا پاٹ کی اجازت دے دی گئی، جس کی وجہ سے ٹینشن بڑھا اوراَن گنت مسلمانوں کی جانیں گئیں۔

شرانگیزی کی مہم چل پڑی

جمعیۃ علماء ہندابتداہی سے یہ محسوس کرتی رہی کہ یہ چنگاری کبھی نہ کبھی شعلہ جوالہ بن جائے گی، اور بہت بڑی تباہی آئے گی اس لیے حتیٰ الامکان برسراقتدارطبقہ کوحق و

انصاف کا حوالہ دے کر آمادہ کرنا چاہتی تھی، کہ وہ اس مسئلہ کو عدالتی راستے سے حل کرے ورنہ جس دن یہ دہکتا ہوا مسئلہ بن جائے گا تو مسلمانوں کا اثاثہ جل کر خاکستر ہو جائے گا، دل و دماغ پر ایسی چوٹ پہنچے گی کہ ایک عرصہ تک مسلمان قوم اس کی ٹیس محسوس کرے گی، اور یہ اس کی قومی وملّی زندگی کے لیے ناسور بن جائے گا اور جب جب اس چنگاری کو پھونک مار کر دہکانے کی کوشش ہوئی۔ فوراً حکومت کو دستور، سیکولرزم کا حوالہ دے کر اس کو بجھانے کی کوشش کرتی اور حکومت کو متوجہ کرتی رہی، جمعیۃ علماء ہند کی جدوجہد کی ہر کوشش کی ناکامی میں جو راز چھپا ہوا تھا اس کو جمعیۃ علماء ہند بھی سمجھتی تھی مگر یہ اس کے اختیار سے باہر کی چیز تھی، ناکامی کی اصل وجہ صرف یہ تھی کہ برسر اقتدار طبقہ نے اپنے اقتدار کی مدت کو دراز کرنے کے لیے کبھی صدق دلی سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی، جن لوگوں نے ناجائز طور پر بابری مسجد پر قبضہ کر رکھا تھا ہمیشہ ان لوگوں کے ساتھ اپنے ضدی بچے کا ہی سلوک کرتے رہے، ان کو سزائیں دے سکتے تھے، ان کا کھلونا توڑ نہیں سکتے تھے کیونکہ ان کو ان سے دلی پیار تھا، یہ ان لوگوں کا رویہ تھا جو سیکولر ذہن ومزاج کے لوگ کہے اور سمجھے جاتے تھے، اور جب آہستہ آہستہ فسطائی ذہنیت کے لوگ اقتدار میں شریک ہو گئے، تو انھوں نے کھلم کھلا فسطائی عناصر کی حمایت وتائید کی جانے لگی اور ان کی منشا کو سمجھ کر حکومت ان کی ضدوں کو پورا کرنے کی راہیں نکالتی رہتی تھی، اور جب اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ ویر بہادر سنگھ ہوئے، اور مرکز میں مسٹر راجیو گاندھی پرائم منسٹر بنے، تو ہر ایک نے دیکھ لیا کہ حکومت مسجد کو ڈھا دینے والی طاقت کے لیے کھلم کھلا راستہ ہموار کر رہی ہے، پھر جب نرسمہا راؤ راجیو گاندھی کے بعد اقتدار پر قابض ہوئے، اور اتر پردیش میں بی جے پی کے کلیان سنگھ وزیر اعلیٰ ہوئے، تو دونوں کی ملی بھگت سے ڈرامہ کا ڈراپ سین ہو گیا۔

جمعیۃ علماء ہند انھیں مجبوریوں کے ماحول میں اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش وہ جانتی تھی کہ یہ مسئلہ زورِ بازو سے حل ہونے والا نہیں، ۱۹۴۷ء کا خون آشام دَور واپس لانے کے لیے وہ تیار نہیں تھا، اس لیے وہ حتیٰ الامکان یہ کوشش کرتی رہی کہ اس مسئلہ کو سڑک پر نہ لایا جائے، مسلمانوں میں اشتعال پیدا کر کے ان کو تباہی کے راستہ پر نہ ڈالا

جائے عدالتی کارروائی کا راستہ ہی اس مسئلہ کے حل کے لیے سب سے بہتر راستہ ہے، کیونکہ اب تک عدلیہ پر اعتماد بحال تھا۔

یہی وجہ تھی کہ وہ ابتدا ہی سے عدالتی کارروائی پر سارا زور صرف کرتی رہی، پچیس تیس برسوں تک تمام عدالتی کارروائی تنہا جمعیۃ علماء ہند کرتی رہی اور اس سلسلے میں ہر طرح کا بار اُٹھایا اور کبھی کوئی اشتعال انگیز نعرہ لگا کر مسلمانوں کا خون رائیگاں کرنے کا موقع نہیں آنے دیا، اور جب جب بابری مسجد کے خلاف دشمنوں نے تحریک چلائی اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے اور اس کو ناکام کرنے کی کوشش کرتی رہی ، ۱۹۶۴ء کے آخر میں جب داؤ دیال کھنہ نے اپنی مہم شروع کی کہ بابری مسجد رام جنم بھومی ہے، وہ ہندوؤں کو واپس دلائی جائے، اس کے ساتھ متھرا کی ''عیدگاہ'' اور بنارس کی ''گیان واپی مسجد'' کو بھی اپنی تحریک میں شامل کرلیا تو جمعیۃ علماء ہند نے سمجھ لیا کہ یہ محض ہندوؤں میں اشتعال پیدا کرنا، فرقہ واریت کو ہوا دینا، ہندو مسلم منافرت کو بڑھاوا دینے کی ایک شرانگیز مہم اور ایک سوچی سمجھی سازش ہے، آر، ایس، ایس، وشو ہندو پریشد بجرنگ دَل اور اسی طرح کی دیگر متعدد فرقہ پرست جماعتوں کے افراد اور لیڈر بھی اس خطرناک اور گندے منصوبے میں ان کا ساتھ دے رہے ہیں، جو کسی حالت میں اس جمہوری اور سیکولر ملک کے مفاد میں نہیں ہے، اور اس تحریک کا اصل نشانہ مسلمان ہے، جمعیۃ علماء ہند نے اس کے خلاف اسی وقت آواز اُٹھائی ، اور داؤ دیال کھنہ کے عزائم اور ان خطرات سے حکومت کو آگاہ کیا، اور مولانا کے وزیر اعلیٰ نرائن دَت تیواری کو خطوط لکھ کر رام جنم مکتی سمیتی کے خودساختہ لیڈر داؤ دیال کھنہ کے اس اخباری بیان کی طرف توجہ دلائی، جس میں اس نے دھمکی دی تھی، کہ وہ دس لاکھ رضا کاروں کو لے کر ۷/ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو اجودھیا سے پدیاترا شروع کریں گے، جو ۱۴/ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو لکھنؤ میں جلسہ عام پر ختم ہوگی۔

مولانا اسعد مدنی نے اپنے مراسلہ میں یہ واضح کیا تھا، کہ رام چندر جی کی جنم بھومی کی بازیافت کے نام پر ان فرقہ پرستوں کی نظریں بابری مسجد پر لگی ہوئی ہیں، یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ اس پدیاترا کے دوران کس قسم کی تقریریں ہوں گی، اور کتنا

اشتعال پھیلا کر فضا کو کشت و خون کے لیے گرم کیا جائے گا، یہ سیاسی فائدہ اُٹھانے کے لیے ایک خطرناک سازش ہے، اس وقت کے وزیراعلیٰ اتر پردیش نرائن دَت تیواری سے مطالبہ کیا تھا، کہ معاملہ براہِ راست ان سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے وہ اس فتنہ کو سر اُٹھانے سے پہلے کچل دیں۔

صدر محترم نے ان مراسلوں ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ رام جنم بھومی کا نام لے کر سارے ملک میں فرقہ وارانہ منافرت اور جذبات بھڑکائے جا رہے ہیں، اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کی فضا پیدا کی جا رہی ہے، مرکزی اور ریاستی حکومتیں اس طرف سے چشم پوشی کر رہی ہیں، سیاستداں اپنے ذاتی مفاد کے لیے ان پڑھ عوام کے جذبات کو بھڑکا کر آئین اور عدالت کے ضابطوں کو اپنے پیروں تلے روندر ہے ہیں۔

عدالت میں متنازعہ امر کا طاقت کے ذریعہ یک طرفہ فیصلہ کرنے کا عہد کیا معنی رکھتا ہے، اگر عدالتی فیصلے میں زور زبردستی کے ذریعہ طے ہوں گے تو اس ملک کے آئین میں اقلیتوں کو دیئے گئے سارے تحفظات کھوکھلے وعدے اور سب بے وزن ہو جائیں گے، ملک میں جمہوریت کے بجائے جنگل کا قانون رائج ہو جائے گا، یہ نہایت صدمہ کی بات ہے، کہ ملک کی سیکولر اور ترقی پسند جماعتیں موجودہ حالات میں کوئی موثر کردار نہیں ادا کر رہی ہیں، اور اپنے فرائض سے لاپرواہ بے نیاز ہیں، جس کی وجہ سے ملک میں رجعت پرستی اور فرقہ پرستی کی بڑھتی ہوئی لہر کو اور بڑھنے کا موقع دے رہی ہیں، ملک کو ماضی پرستی اور ظلمت پرستی کی راہوں پر جانے سے روکنا ان کا قومی فریضہ ہے۔

اتر پردیش کی حکومت

یہ تاریخ کی ناقابل انکار سچائی ہے، کہ ریاستی حکومت ابتدا ہی سے اس معاملہ میں بے حسی کا ثبوت دیتی آ رہی ہے، اور جان بوجھ کر مسئلہ کی اہمیت و نزاکت سے وہ چشم پوشی کرتی چلی آ رہی ہے، داؤ دیال کھنہ کی تحریک تو ابھی دو سال سے پیدا ہوئی ہے، یہ وطیرہ تو اس کا مسئلہ کے آغاز کے دن سے ہے، اس وقت بھی ریاستی حکومت کی طرف سے فرقہ پرستانہ شرارتوں کو دبانے کی موثر کوشش نہیں کی گئی، بلکہ بہت حد تک

اس معاملہ میں اپنے طرزِ عمل سے ان کو شہ دی جاتی رہی ہے، جبکہ بہت حد تک ذہن اورانسانیت دوست اورحق وانصاف کے لیے مرمٹنے کا جذبہ رکھنے والا شخص شری اکشے برہمچاری، جوفیض آباد کانگریس کمیٹی کا جنرل سکریٹری تھا اس نے اپنے مضمون میں لکھا تھا، کہ اجودھیا کا معمولی سا واقعہ ملک کی سیاست میں بڑی اہمیت اختیار کرتا جارہا ہے، ہم معمولی غوروفکر سے اس کو کامیابی کے ساتھ حل کرسکتے تھے، آج نہ صرف فرقہ پرور جماعتیں اپنے سیاسی اغراض کے لیے فرقہ وارانہ زہر پھیلا رہی ہیں، بلکہ بعض کانگریسی کے ذمہ دارلوگ بھی اپنے کواس کے اثر سے نہیں بچا سکے، سچائی یہی ہے کہ جو بات اکشے ہمچاری نے کہی ہے، کیا بنے بات، جہاں بات بنائے نہ بنے۔

اس اخباری بیان میں آخر میں کہا گیا، کہ یہ کس قدر افسوس اور صدمے کی بات ہے، کہ ریاستی حکومت کی مجرمانہ خاموشی کے نتیجہ میں آج بابری مسجد کو پوجا کے لیے کھول دیا گیا ہے، جس مسجد میں گووند بلبھ پنت کے دورحکومت میں تالا لگایا گیا تھا، اورجس کا مقدمہ ۳۵ برسوں سے عدالت میں چل رہا ہے، اس کی ملکیت کا تصفیہ ہوئے بغیراس میں یک طرفہ ایک فرقہ کوداخلہ کی اجازت دے کر ہندومسلم کشیدگی پیدا ہونے کا موقع دیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ نصف درجن رام جانکی رتھوں کو ملک کے مختلف علاقوں میں آزادنہ طور پرگھومنے اورفرقہ وارانہ منافرت کرنے کی چھوٹ کس کے اشارے پر دی گئی، آر، ایس، ایس، وشوہندو پریشد، شیوسینا، بجرنگ دَل، رام جنم مکتی سمیتی کے لیڈروں کو زہرافشانی کا موقع کیوں فراہم کیا گیا، کیوں نہیں ان لوگوں کے خلاف کارروائی کی گئی، جبکہ حکومت کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی، کہ اس طرح کی چھوٹ امن وامان کے لیے خطرناک ثابت ہوگی، جو مسئلہ ملک بھر کے ہندومسلمانوں کو اُلجھا سکتا ہے، اس کو صوبائی حکومت نے معمولی بنا کر کیوں نظرانداز کیا، اور یکم فروری ۱۹۸۶ء کو فیصلہ ہوتے ہی صرف ایک گھنٹہ کے اندراس پرعملدرآمد کیوں کردیا گیا، سرکاری وکیل اورریاستی حکومت نے تالا کھولے جانے کے ضلع سیشن جج کے فیصلے کے بعدحکم امتناعی کیوں نہیں حاصل کیا؟ کیا ریاستی حکومت اترپردیش ان سوالات کا جواب

دے سکتی ہے، کیا ان واقعات کی سپریم کورٹ کے جج کے ذریعہ تحقیقات کرائی جائے؟ تا کہ حقائق کھل کر سامنے آئیں، اور سازش بے نقاب ہو، سچائی صرف یہی ہے، کہ اتر پردیش کی سرکار بے ضابطہ تالا کھلوانے کی سازش میں سر سے پیر تک ڈوبی ہوئی ہے، بلکہ سارا خاکہ اسی کا بنایا ہوا ہے، یاد رہے کہ اتر پردیش کا وزیر اعلیٰ بھی کانگریس کا ہے اور پرائم منسٹر بھی کانگریس کا نمائندہ ہے۔

فساد ہی فساد، خون ہی خون

بابری مسجد کے معاملہ میں حکومت کی سازش اور عدالت کی کھلی ناانصافی کے خلاف حق وانصاف کی آواز بلند کرنے والوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے، اور اتر پردیش کے متعدد شہروں میں میرٹھ، بارہ بنکی، نیوریا ضلع پیلی بھیت، شاہجہاں پور، نہٹور، فتح پور، سنبھل، جونپور اور الٰہ آباد میں فسادات ہوئے اس کے علاوہ ریاست گجرات میں بڑودہ، سادر کونڈلہ دیوگھر، باڑیہ، دیرادل، پالن پور، بارسد، احمد آباد، بہوسار، پالی، رُوہنہ، اڈوا، جوناگڑھ، بھج ضلع کچھ ریاست بہار کے فوارہ اور بدرآباد میں مدھیہ پردیش کے سیہور، شاجاپور میں فسادات ہوئے، مہاراشٹر میں شیوجینتی کے موقع پر ناسک، ناندیڑ، نیوپلی، اوماپور، مافوت، اورنگ آباد، پٹھن، مہابلیشور، پنچ گنی، کراڈ، امنسیر گاؤں میں زبردست فرقہ وارانہ فسادات کا تانتا لگ گیا۔ مسلمانوں کو بھاری جانی و مالی نقصانات اُٹھانے پڑے پولیس اور ریاستی حفاظتی پولیس پی، اے، سی، بی، ایم، پی، اور آر، ایس، ایس، نے مسلمانوں پر بے تحاشا مظالم ڈھائے، ان کی املاک اور اثاثہ کی تباہی و بربادی کے ساتھ ساتھ انھیں یک طرفہ گرفتاریوں کے ظالمانہ عذاب سے بھی گذرنا پڑ لوٹ مار، آتشزنی قتل، اقدامِ قتل کے فرضی اور جھوٹے مقدمات میں انھیں پھانسا گیا۔

وزیر اعظم کو میمورنڈم

۱۶/اپریل ۱۹۸۶ء کو صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی نے وزیر اعظم ہند راجیو

گاندھی کوایک میمورنڈم دیا جس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ!

''جمعیۃ علماء ہند جوایک نیشنلسٹ جماعت ہے، جس کا مقصد مختلف مذہبی فرقوں میں ہم آہنگی، اور خیر سگالی کا جذبہ پیدا کرنا ہے، اس کو مختلف فرقوں اور طبقوں کے درمیان انحطاط پذیر تعلقات، بغض وعناد، شک وشبہ اور نفرت کے بڑھتے ہوئے جذبات اور ماحول سے بہت صدمہ پہنچا ہے، سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی نے جس ۱۵ نکاتی پروگرام کا اعلان کیا تھا، اور فرقہ وارانہ اتحاد کے لیے قومی یک جہتی کونسل نے جو سفارشات کی تھیں، یہ سب حکومت کی ایجنسیوں کے ذریعہ نظر انداز کی جاتی رہی ہیں، حکومت اور اس کی ایجنسیوں کی اس روش نے خاص طور پر مسلمانوں میں خوف واضطراب، اور اجنبیت کا شدید احساس پیدا کردیا ہے، میمورنڈم میں مطالبہ کیا گیا کہ آر، ایس، ایس، شیو سینا، بجرنگ دَل جیسی تمام نیم فوجی سنگٹھنوں کی کارروائی کو غیر قانونی قرار دیئے جانے کا اعلان کیا جائے، اوران کی کارروائیاں بلاتاخیر روک دی جائیں۔

اجودھیا کی بابری مسجد کے متنازعہ زیر التوا مقدمہ کے قانون اور منصفانہ حل کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں، اگر ضرورت محسوس کی جائے تو اس مقدمہ کی سماعت کے لیے اسپیشل کورٹ یا ٹریبونل میں کرائی جائے، اور ان لوگوں کے خلاف کارروائی کی جائے، جو زبردستی اور خفیہ طور پر بابری مسجد کے آثار اور تاریخی حقائق کو تبدیل کرنے کی سازش کررہے ہیں، دستور ہند کی دفعہ ۴۴ جو یکساں سول کوڈ سے متعلق ہے، اس کو حذف کیا جائے، فرقہ وارانہ فسادات کے معاملہ میں قومی یک جہتی کونسل کی سفارشات کے مطابق قصوروار افسروں پر ایکشن لیا جائے، اور سیکورٹی فورسیز میں اقلیتوں کو مناسب نمائندگی دی جائے۔''

جمعیۃ علماء ہند کا دورۂ بارہ بنکی

۵ رمئی ۱۹۹۵ء کو صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی نے فساد زدہ شہر بارہ بنکی کا دورہ

کیا جہاں کچھ ہی دِنوں پہلے خونریز ہندو مسلم فساد ہوا تھا، وہاں کے حالات کا بچشم خود مشاہدہ کر کے جب دہلی واپس آئے تو آپ نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ!

”وہاں جان بوجھ کر منصوبہ بند سازش کے تحت مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا ہے، ۳۰/اپریل ۱۹۸۵ء کو گرفتاری دینے والے پرامن عوام پر پولیس کے سفاک درندوں نے اندھادھند فائرنگ کر کے ان کو شہید کر ڈالا، آپ نے مزید کہا کہ مرنے والوں اورزخمیوں کی تعداد برابر ہونے کیوجہ سے ضلع انتظامیہ کے بیان پر اور بھی شبہ ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ایک مرد کو چھوڑ کر مرنے والوں اور زخمی ہونے والوں کے اوپری حصہ کمر، سر، سینہ اور کندھوں پر گولیاں چلائی گئی ہیں، بھیڑ کو منتشر کرنے کے لیے ہوائی فائرنگ کی جاتی ہے، یا پاؤں میں گولی ماری جاتی ہے، مگر ایسا نہیں ہوا، پولیس نے جان بوجھ کر قتل کرنے کی سازش سے جسم کے اوپری حصے پر ہی گولیاں چلائی ہیں۔

مولانا موصوف نے بارہ بنکی کے واقعہ کا ذمہ دار ڈی، ایم کو ٹھہراتے ہوئے کہا کہ یہ سب افسران کی نااہلی اور مجرمانہ سازش کا نتیجہ ہے، سرکاری طور پر مرنے والوں کی تعداد سولہ بتائی گئی ہے، جبکہ انھیں لوگوں نے بتایا کہ ۱۵۰ یا ۲۰۰ سے یہ تعداد کم نہیں ہے، تاہم تصدیق کے بغیر مرنے والوں کی تعداد کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے، آپ نے مطالبہ کیا کہ اس واقعہ کی عدالتی جانچ کرائی جائے، ڈی، ایم، اور ایس، پی، کو فوراً معطل کیا جائے، شہدا کے ورثہ کو بھرپور معاوضہ دیا جائے۔

اخباری بیانات

۱۳/مئی ۱۹۸۶ء کو ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے ان فسادات پر اپنے ایک اخباری بیان میں بتایا، کہ نوادہ (بہار) کے فساد میں ۳۱ مسلمان شہید ہوئے، جبکہ بارہ بنکی میں

مسلمانوں پر وحشیانہ پولیس فائرنگ کے نتیجہ میں درجنوں جانیں گئیں، مہاراشٹر کے فساد میں گیارہ افراد کے ہلاک ہونے کی اب تک کی سرکاری اطلاع ہے۔

صدر جمعیۃ علماء ہند مولانا سیّد اسعد مدنی نے اپنے اخباری بیان میں ان فسادات پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے وزیر اعظم حکومتِ ہند کو توجہ دلائی ہے، کہ فرقہ وارانہ تشدد کے ان واقعات سے اقلیتی فرقہ کا حکومت سے اعتماد ڈگمگانے لگا ہے، عام لوگوں کو بلوائیوں اور شرپسندوں اور فسطائی عناصر سے کہیں زیادہ پولیس فورس، میں شامل ان حیوانوں سے شکایت ہے، جو فرقہ پرست اور فسطائی طاقتوں کے اشارے پر مظلوم اقلیتی طبقہ پر قہر بن کر ٹوٹتے ہیں، اس کی تازہ ترین مثال بارہ بنکی میں مسلم مظاہرین پر پولیس کی وحشیانہ اور شرمناک فائرنگ ہے۔

وزیر داخلہ کو مراسلہ

مرکزی وزیر داخلہ مسٹر بوٹا سنگھ کو جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ۲۴ مئی ۱۹۸۶ء کو ایک مراسلہ بھیجا گیا، جس میں فرقہ وارانہ فسادات کی سنگین صورت حال کی طرف توجہ دلائی گئی، اور ان سے مطالبہ کیا گیا، کہ قومی یک جہتی کونسل سری نگر کے فیصلوں کو نافذ کیا جائے، آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس بمبئی ۱۹۸۲ء کی تجاویز پر عملدر آمد کیا جائے، تاکہ فرقہ پرستی کے اس طوفان پر قابو پایا جاسکے، اس مراسلہ کے ساتھ امسال ہونے والے فسادات کی فہرست بھی تھی۔

فسادزدہ علاقوں میں جمعیۃ کے وفود

جمعیۃ علماء ہند کے ایک وفد نے مہاراشٹر کے فسادزدہ مقامات کا دورہ کیا، تمام متاثرہ مقامات میں وفد نے مظلوموں سے مل کر حالات دریافت کیے، تسلی و تشفی دی، مقامی سربرآوردہ افراد سے مل کر مشکلات اور ضرورتوں کا اندازہ لگایا، امداد و بحالی کے سلسلے میں ضلع کے حکام سے ملاقاتیں کر کے مظلوموں کی حالت زار کی طرف توجہ دلائی، اور ممکن سہولیات فراہم کرنے کے بارے میں گفتگو کی، مہلوکین کے ورثاء سے

مل کران کی تعزیت کی، اسپتالوں میں جا کر زخمیوں اور زیر علاج افراد کو جا کر دیکھا، دوا علاج کی سہولتوں کے بارے میں دریافت کیا، ہر جگہ مقامی ریلیف کمیٹیاں قائم کیں، اور پوری صورتِ حال کی رپورٹ مرتب کر کے وزیر اعلیٰ مہاراشٹر مسٹر چوہان کو پیش کی، اور مطالبہ کیا کہ ضلع افسران پر ان فسادات کی ذمہ داری ڈالی جائے، اور انھیں معطل کر کے ان کے خلاف انکوائری کی جائے، مسلمانوں کی یک طرفہ گرفتاریوں کو بند کیا جائے، جن غنڈوں، مجرموں کے خلاف ایف، آئی، آر، درج ہے، انھیں فوراً گرفتار کیا جائے، جن لوگوں کے مکانات اور دُکانیں اس فساد میں تباہ ہوئی ہیں انھیں دوبارہ تعمیر کرایا جائے، جن لوگوں کا کاروبار تباہ کر دیا گیا ہے، انھیں آسان قسطوں پر قرضے دیئے جائیں، اور جو لوگ شہید ہوئے ان کے ورثہ کو کم از کم بیس ہزار کی رقم دی جائے، اُوما پور فساد کی تحقیقات کے لیے خاص طور پر کمیشن مقرر کیا جائے۔

وفد نے اپنی رپورٹ میں سب سے زیادہ دردناک صورت حال اُوما پور کی بتائی ہے، وہاں پانچ بے گناہ مسلمانوں کو نہایت وحشیانہ طور سے قتل کر دیا گیا، عبدالقادر کو جانور کی طرح ذبح کر کے سر کاٹ کر الگ پھینک دیا گیا تھا، شیخ عبداللطیف کو قتل کر کے آگ میں جلایا گیا تھا، محمد ابراہیم کو پہلے شیو سینا کے درندوں نے اس کے گھر کے سامنے بڑے پتھر پر پٹخ پٹخ کر مارا جب جان نکل گئی تو جلا کر خاکستر کر دیا، تیموخاں کو ایک کھیت میں قتل کیا گیا اور لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اِدھر اُدھر پھینک دیئے، وہاں ۱۰/مئی ۱۹۸۶ء کو صبح نو بجے سے دوپہر تک شیو سینا اور پولیس نے اس درندگی کا مظاہرہ کیا کہ اس کو دیکھ کر انسانیت کانپ جاتی ہے، وحشت و بربریت کا ایسا دلخراش منظر تھا۔

صدر محترم فساد زدہ علاقوں میں

صدر محترم مولانا سیّد اسعد مدنی نے ۲۹/جون ۱۹۸۶ء کو مرہٹواڑہ کے فساد زدہ علاقوں اورنگ آباد، پٹن، اور اوما پور کا دورہ کیا، آپ نے تمام مقامات کے نقصانات کو دیکھا، مظلومین و متاثرین سے ملاقات کی، مقامی باثر حضرات سے حالات دریافت کیے، دورہ مکمّل کرنے کے بعد بمبئی جا کر وزیر اعلیٰ مہاراشٹر مسٹر چوہان سے ملاقات

کر کے صورت حال پر مفصل گفتگو کی، اوران سے مطالبہ کیا کہ مجرم افسروں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے، فسادی اور غنڈہ عناصر کو واقعی سزا دی جائے، متاثرین کی باز آبادکاری کا فوراًا نتظام کیا جائے، اور مہلوکین کے ورثہ کو معقول معاوضہ دیا جائے۔

ریلیف کمیٹی اورامداد

۲۷ مئی ۱۹۸۶ء کو جمعیۃ علماء مہاراشٹر کی ایک میٹنگ میں فسادات کے سلسلہ میں تفصیلی گفتگو ہوئی، اور مرکزی ملّی ریلیف کمیٹی قائم کی گئی، تا کہ یہ کمیٹی مظلومین کی امداد کے طریقہ کار کو متعین کریں، اوراس کے مطابق جن علاقوں میں جن چیزوں کی سب سے زیادہ ضرورت محسوس ہواس طرح کی ان کو امداد بھی فراہم کی جائے، جمعیۃ علماء نے اس ریلیف کمیٹی کے کام شروع کرنے کے لیے ایک لاکھ روپے کی امداد منظور کی، جس میں سونا پور کے لیے ۳۵ ہزار، ناسک، پٹن، ناندیڑ، راجن واڑی، مہابلیشور کے لیے مجموعی طور پر ۶۵ ہزار روپے مختص کیے گئے۔

مئی کے تیسرے ہفتہ میں جمعیۃ علماء بہار کا ایک وفد جس میں رشید الزماں اعجازی، حسن احمد قادری اور کلیم الدین صاحب شامل تھے، اس وفد نے وزیر اعلیٰ بہار مسٹر بندیشوری سے ملاقات کی مختلف علاقوں جو اقلیت کی نسل کشی کی گئی اس کی تفصیل وفد نے وزیر اعلیٰ سے بیان کی، اور صاف لفظوں میں یہ بھی بتایا کہ پولیس اور بی، ایم، پی، نے بھی در پردہ بلوائیوں کا ساتھ دیا، کرفیو نافذ کر کے مسلمانوں کو گھروں میں بند کر دیا گیا اور فسادیوں کو کھلی چھوٹ دے دی گئی، جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کا زبردست جانی و مالی نقصان ہوا، وفد نے وزیر اعلیٰ سے فسادیوں کے خلاف سخت کارروائی کا مطالبہ کیا، اور جانی و مالی نقصانات کا معاوضہ ادا کرنے کی مانگ کی۔

صدر محترم کا دورۂ شاجاپور

مدھیہ پردیش میں سیہور کے بعد دوسرا بھیانک فساد شاجاپور میں ہوا، اس میں مسلمانوں کے بھاری نقصانات ہوئے، اور مسلمان پولیس کے مظالم کے شکار ہوئے،

جمعیۃ علماء مدھیہ پردیش نے فساد کے موقع پر امن وامان قائم کرنے ، اور مظلوموں کو امداد پہنچانے میں نمایاں کام کیے، مفتی عبدالرزاق صاحب بھوپال کی سرکردگی میں جمعیۃ علماء کے ایک وفد نے تمام فسادزدہ مقامات کا دورہ کیا تھا، اس کے بعد مولانا سیّد اسعدمدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے بھی شاجاپور کا دورہ کیا، اور جمعیۃ علماء مدھیہ پردیش کو امدادوریلیف کی ذمّہ داری سپرد فرمائی۔

نیور ضلع پیلی بھیت کا فساد

ہولی کے موقع پر ٹیوریا ضلع پیلی بھیت میں فرقہ وارانہ فساد ہوا، اس فساد میں پولیس اور پی، اے، سی، نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے، اس کو دیکھ کر جمعیۃ علماء کے ایک وفد نے فساد کے بجائے پولیس ایکشن کیا، غیر سرکاری رپورٹ کے مطابق اس ہنگامہ میں چالیس سے پچاس تک مسلمان پی، اے، سی، اور بلوائیوں کے ہاتھوں مارے گئے، پیلی بھیت سے نیوریا آنے والے مسلمانوں کو یا تو قتل کردیا گیا یا اینٹ کے بھٹوں میں ڈھکیل کر جلا دیا گیا، لاکھوں روپے کی فصلوں کو کھلیانوں میں آگ لگا کر پھونک دیا گیا، آٹھ سو مسلمانوں پر مقدمات قائم کیے گئے، صرف ہولی کے دن ۳۵۰ مسلمان گرفتار کیے گئے، جمعیۃ علماء نے وہاں کا دورہ کرکے بڑے پیمانے پر ریلیف کا بندوبست کیا، اور وہاں ریلیف کمیٹی کے ساتھ قانونی کمیٹی کی تشکیل کرکے گرفتارشدگان کو جیلوں سے رہا کرانے اور ضمانتوں کے بندوبست کا ذمہ دار بنایا۔

الٰہ آباد میں مظالم

بابری مسجد کا تالا کھولنے کے خلاف مظاہرہ کے وقت الٰہ آباد میں پولیس نے مظالم توڑے تھے، جمعیۃ علماء کا ایک وفد وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا گیا، وفد کے تاثرات یہ تھے، کہ فساد ضلع انتظامیہ اور مقامی پولیس کی غفلت اور لاپروائی سے ہوا، پی، اے، سی، کے درندوں نے یک طرفہ مسلمانوں پر مظالم ڈھائے ہیں، تلاشی کے نام پر شریف اور پڑھے لکھے لوگوں کو چن چن کر گرفتار کیا ہے، اوران

کے ہاتھ پاؤں توڑے ہیں، ان کے گھروں کولوٹا ہے، گرفتاریوں کی مجموعی تعداد بارہ سو کے قریب ہے، جس میں ایک ہزار صرف مسلمان ہیں، اور مسلمانوں میں بھی زیادہ تر تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگ ہیں، ان لوگوں پر قتل، اقدامِ قتل کے مقدمات قائم کیے گئے ہیں، اور انھیں نیشنل سیکورٹی ایکٹ میں بھی بند کیا گیا ہے، مہلوکین کی تعداد نو ہے۔ پی، اے، سی، نے جن کے ہاتھ پاؤں توڑے ہیں ان کی تعداد سیکڑوں میں ہے، اسپتالوں میں مسلمان زخمیوں کے علاج میں امتیاز برتا جاتا ہے، اور لاپروائی سے کام لیا جاتا ہے۔

وفد نے ضلع انتظامیہ کے افسران سے بھی ملاقات کی، اور اپنی شکایتیں بیان کیں، فساد کی اطلاع جب جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر میں پہنچی تو ضلع اتھارٹیز، وزیر اعلیٰ اتر پردیش، وزیر اعظم حکومتِ ہند اور وزیر داخلہ حکومتِ ہند کو فوراً بذریعہ ٹیلی گرام فساد پر قابو پانے کی طرف توجہ دلائی گئی، اور وفد جمعیۃ کی رپورٹ موصول ہوئی تو اس کی کاپیاں صدر جمعیۃ علماء ہند کے خط کے ساتھ ریاستی حکومت اتر پردیش اور مرکزی حکومت کو بھیجی گئیں۔

جمعیۃ علماء ہند کی نگاہ میں

ہماری حکومت جو نیشنلزم کی علمبردار ہے، اور سیکولرزم دعویدار، لیکن اس اقلیت دشمن اقدامات کے سلسلہ میں اس کا مظاہرہ کبھی بھی اور کہیں بھی اربابِ حکومت کی طرف سے نہیں ہورہا ہے، پانی سر سے اونچا ہوتا جارہا ہے، فرقہ پرستی کی لہر ملک میں اتنی تیز ہوگئی ہے، کہ ہر طرف اور ہر مقام پر اور ہر مرحلہ پر نیشنلسٹ اور سیکولر لوگ بے بس ہوکر رہ گئے ہیں، ہر محاذ پر ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، وہ بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن حالات کی سخت گیری نے ان کے منہ پر تالے ڈال دیئے ہیں، اور ان کے ہاتھ پیر مفلوج کردیئے ہیں، یہ وقت ہندوستان کی قومی زندگی میں نہایت بدترین وقت ہے، اگر ایسے وقت میں بھی حکومت فرقہ پرست طاقتوں کو توڑنے، اور قوم پرور قوتوں کو فروغ دینے کے لیے کوئی موثر کردار ادا نہیں کرتی ہے، تو یقین کیجئے کہ آج کا دَور آزاد ہندوستان کی تاریخ میں سیاہ ترین دَور مانا جائے گا، ایک دن وہ آئے گا کہ یہاں

کا ہر بڑا اور خوشحال باعزت شخص غنڈوں کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا، آج مسلمان مظلوم ہے کل وہ خود مظلوم ہوکر رہ جائیں گے۔

صدر محترم کا دورۂ آسام

۲۲؍جون ۱۹۸۶ء کو مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے آسام کا دورہ کیا، ۲۳؍جون کو واپسی پر کلکتہ میں ''اخبارِ مشرق'' سے گفتگو کرتے ہوئے آسام کی موجودہ صورت حال کو سخت تشویشناک بتایا، اور کہا کہ اقلیتوں کے تئیں آسام کی موجودہ حکومت کے عزائم روز بروز جارحانہ ہوتے جارہے ہیں، اربابِ حکومت انھیں تباہ و برباد کرنے کے لیے بہت ہی قابلِ اعتراض اقدامات کررہے ہیں، آپ نے فرمایا! کہ گوہاٹی میں آسام ریاستی اسمبلی کے متعدد ممبران اور ممتاز سیاسی رہنماؤں نے مجھ سے ملاقات کے وقت بتایا، کہ آسام کی موجودہ حکومت کس طرح اقلیتوں کو ریاست بدر کرنا چاہتی ہے، وزیر اعلیٰ پرفلا کمار مہنتا ملک اقلیت دشمن آسام معاہدہ کو کافی نہیں سمجھتے، بلکہ اقلیتوں کو اُجاڑنے کے لیے وہ کھلی چھوٹ چاہتے ہیں، مسٹر مہنتا نے ایک حکم نامہ جاری کیا ہے، کہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے انھیں طلبہ کو داخلہ مل سکتا ہے، جو اس بات کا سرٹیفکیٹ پیش کرے کہ اس کا خاندان کم از کم پچاس برس سے آسام میں مستقل طور پر مقیم ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کا باشندہ ہونے کے باوجود آسام میں تعلیم اس لیے حاصل نہیں کرسکتا، کہ اس کا خاندان پچاس برس سے آسام میں سکونت نہیں رکھتا، اس ملک کے جائز شہری کو اَن پڑھ اور بے حیثیت بنادینے کے خوفناک منصوبے پر عمل کیا جارہا ہے، صدر محترم نے آسام کے لیڈروں کو مشورہ دیا ہے، کہ وہ آسام کے تمام فرقہ کے لوگوں پر مشتمل ایک وفد کی تشکیل کریں جو صدر جمعیۃ علماء ہند اور وزیر اعظم حکومتِ ہند سے ملاقات کرے، اور ان کی خدمت میں میمورنڈم پیش کرے، اور اس میمورنڈم کی کاپی گورنر آسام کو بھی پیش کی جائے، تاکہ آسام کی اقلیتوں کو مکمل تباہی سے بچانے کی کوئی صورت نکل سکے، صدر محترم کا تاثر یہ تھا کہ مسٹر راجیو گاندھی وزیر اعظم ہند نے اندرا گاندھی کی پالیسی کے برعکس پالیسی آسام کے

متعلق اختیار کی ہے، جن عناصر کو پہلے ملک دشمن اور دہشت گرد کہا جاتا تھا، ان کے سامنے آج کا وزیر اعظم ہتھیار ڈال رہا ہے۔

امیر الہند کا انتخاب

۲؍نومبر ۱۹۸۶ء کو مدنی ہال، ۱- بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی میں ایک نمائندہ اجتماع ہوا، جو جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے بلایا تھا، آپ نے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے موجودہ ہندوستان میں اسلامی شریعت کے تحفظ و بقا کے مسئلہ پر روشنی ڈالی، پھر فرمایا! کہ آزادی کے بعد سے مسلم پرسنل لا پر مسلسل حملے ہو رہے ہیں، آج ہمارے سامنے یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے عزائم سے اسلامی اور شرعی قوانین کے لیے جو خطرات پیدا ہو گئے ہیں، ان کا تقاضا ہے، کہ مسلمانوں کے شرعی امور کی تنظیم ہو، اور شرعی قوانین کے مطابق ان کی زندگیوں میں عملدرآمد کے لیے باقاعدہ کوئی نظام قائم کیا جائے، اس سلسلے میں میں ایک تجویز آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں، آپ تمام حضرات اس کے الفاظ پر غور کریں، اور اپنی رائے دیں۔

تجویز کا تعلق ہے ہندوستان کے موجودہ حالات میں جبکہ مسلمان بہت سے احکامِ ضروریہ، شرعیہ پر عمل نہیں کر سکتے، اس لیے بحکم خداوندی اعتصموا بحبل الله جمیعاً ولا تفرقوا اور بحسب تصریح فقہاءِ اسلام مسلمانانِ ہند پر شرعاً واجب ہے، کہ اس انتشار اور پراگندگی کے بجائے اپنے اندر شرعی اجتماعیت پیدا کرنے کے لیے اپنا ایک امیر منتخب کر لیں، ہندوستان کے اکابر علماء مثلاً محدثِ عصر مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مولانا سیّد سلیمان ندوی، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نقشبندی بہاری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم نے اپنے خطبات میں اس شرعی کی ادائیگی پر بہت ہی زور دیا ہے، اور اسے مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کا حل بتایا ہے۔

اس لیے مسلمانانِ ہند کا یہ نمائندہ اجتماع جو جمعیۃ علماء ہند کی دعوت پر یہاں جمع

ہوا ہے، ضروری سمجھتا ہے کہ پورے ملک کے لیے ایک امیر الہند کا انتخاب کرلیا جائے، امیر کے اختیارات وفرائض کے تعین اور تنظیم امارت شرعیہ کے قواعد وضوابط کا مسودہ تیار کرنے کے لیے پانچ ارکان پر مشتمل ایک سب کمیٹی مقرر کرلی جائے۔

(کتابچہ امیر الہند کا انتخاب، ص۲)

تجویز کی تائید اور حاضرین

اس تجویز کی تائید میں ملک کے مختلف خطوں کے علماء میں سے چودہ حضرات نے تائیدی تقریریں کیں، تجویز کی تائید کے بعد مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے امیر الہند کے منصب کے لیے مشہور محقق، عالم، محدث جلیل حضرت مولانا ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ کا نام پیش کیا اور اجتماع نے اتفاقِ رائے سے مولانا موصوف کو امیر الہند منتخب کرلیا، اس انتخاب کے بعد مشہور بزرگ عالم مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری پھلواری شریف نے نائب امیر الہند کے منصب کے لیے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی مدظلہ کا نام پیش کیا، تمام شرکاء نے بالاتفاق اس کام کی بھی تائید کی، امیر الہند اور نائب امیر الہند کے انتخاب کے بعد پانچ افراد پر مشتمل دستور ساز کمیٹی کی فہرست پیش کی گئی، اور اجتماع نے اس کی اتفاقِ رائے سے منظور کیا، اس کے بعد مجلس شوریٰ کے لیے ۱۵ علماء کے ناموں کی فہرست مرتب کر کے اجتماع کو سنائی گئی، اجتماع نے اس کو بھی اتفاقِ رائے سے منظور کرلیا۔

اس اجتماع میں ملک کے ۱۵ صوبوں کے نمائندے شامل تھے، اتر پردیش سے ۳۲۰ نمائندے، دہلی سے ۱۵۳، مدھیہ پردیش سے ۳۸، کیرالہ سے ۲۴، اُڑیسہ سے ۲۷، گجرات ریاست سے ۱۳، مہاراشٹر سے ۴۲، راجستھان سے ۲۵، تامل ناڈو سے ۵، ہریانہ سے ۵۹، کرناٹک سے ۱۶، آسام سے ۱۷، مغربی بنگال سے ۶۴، آندھرا پردیش سے ۳۹، صوبہ بہار سے ۱۵۴، نمائندے شریک ہوئے جن میں اکثریت علماء کرام اہل درس و تدریس، قومی وملّی رہنماؤں کی تھی، جن کی مجموعی تعداد پندرہ ریاستوں سے ۹۹۲ رتھی۔

تحفظ شریعت کانفرنس

شاہ بانو کیس کے فیصلہ میں سپریم کورٹ کی طرف سے یکساں سول کوڈ کا ذکر آجانے سے جمعیۃ علماء ہند نے یہ خطرہ بڑی شدت سے محسوس کیا، کہ مستقبل قریب میں اس سمت پیش قدمی کے امکانات پیدا ہوتے جارہے ہیں، اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کے جذبات وخیالات کو حکومت کے کانوں تک پہنچا دیا جائے، اور مسلمانوں کو بھی اس خطرے سے قبل از وقت ہوشیار کردیا جائے، اس لیے صدر جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے تمام مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ ۵/دسمبر ۱۹۸۶ء کو یکساں سول کوڈ کی مخالفت میں ''یومِ تحفظ شریعت'' منائیں، جلسے منعقد کیے جائیں، اوران میں یکساں سول کوڈ کی مخالفت میں تجویزیں پاس کر کے حکومت کو بھیجی جائیں، چونکہ ۵/دسمبر کو جمعہ کا دن تھا اس لیے ملک بھر میں جمعہ کی نماز کے بعد مساجد میں اجتماعات ہوئے، جن میں علماء کرام نے یکساں سول کوڈ کا مفہوم اور مطلب ناواقف عوام کو بتایا اور سمجھایا، اور کہا کہ اس قانون کے نفاذ کے بعد مسلمانوں کے شخصی قوانین پر جو زد پڑسکتی ہے وہ بہت خطرناک ہے، پھر تجویزیں پاس کر کے وزیراعظم حکومتِ ہند اور وزیر قانون کو بھیجی گئیں، یہ تو عوامی سطح پر ملک بھر میں کیا گیا، اس کے بعد جمعیۃ علماء ہند نے نئی دہلی میں ۷/دسمبر ۱۹۸۶ء کو ''یکساں سول کوڈ مخالف کنونشن'' منعقد کیا، اس کنونشن میں شرکت کے لیے خاص طور سے مختلف فرقوں کے قانون دان حضرات کو دعوت دی گئی تھی، ملک کے مختلف دُور دراز کے علاقوں سے تقریباً پانچ سو مندوبین نے شرکت کی، جن میں ڈیڑھ سو سے زیادہ وکلاء تھے، اس کنونشن میں مسلمانوں کے علاوہ عیسائی، ہندو ہریجنوں نے بھی شرکت کی، اوران کی تقریریں بھی ہوئیں، کچھ نے مقالے پڑھے اور متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی گئی، اس کنونشن میں جہاں یہ بات سامنے آئی کہ یکساں سول کوڈ کے مخالف صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ دوسری اقلیتیں بھی ہیں، وہ بھی اس کو پسند نہیں کرتی ہیں، وہیں یہ بات بھی کھل کر سامنے آئی کہ ملک کے قانون داں حضرات کی بھی ایک بھاری اکثریت یکساں سول کوڈ کی حمایت میں نہیں

ہے۔

پریس کانفرنس میں

اس کنونشن سے ایک دن پہلے ۶/دسمبر ۱۹۸۶ء کو مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کے موقف کو واضح لفظوں میں بیان کیا، آپ نے فرمایا! کہ جمعیۃ علماء ہند ملک میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی کسی بھی کوشش کی بھرپور مخالفت کرے گی۔ میراث، طلاق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمان صرف اپنے عائلی قانون کے تابع ہیں، آپ نے زور دے کر فرمایا کہ دستورِ ہند کی دفعہ ۲۵ نہ صرف عقیدہ کی آزادی اور ضمیر کی آزادی کی ضمانت دیتی ہے، بلکہ اپنے مذہب کے اظہار و اقرار کرنے اور اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کی بھی آزادی دیتی ہے، صدر جمعیۃ علماء ہند نے کہا کہ یکساں سول کوڈ کے ماننے کو قوم و ملک کی وفاداری کے ساتھ جوڑا جا رہا ہے، اور جو لوگ اس کے مخالف ہیں ان کو قوم دشمن قرار دیا جا رہا ہے، مولانا نے فرمایا! کہ ملک کی یگانگت و وحدت اقلیتوں اور معاشرہ کے کمزور طبقات کے اندر اعتماد و محبت کی رُوح پھونکنے اور احساسِ تحفظ مستحکم کرنے سے ہی پیدا ہو سکے گی۔

یکساں سول کوڈ پر سمینار

جمعیۃ علماء ہند نے اس سلسلے میں جو کچھ کہا جا سکتا تھا اس سے دریغ نہیں کیا، رائے عام کو مزید بیدار کرنے کے لیے ۱۴/۱۵/فروری ۱۹۸۷ء کو ایک کل ہند پیمانے پر سمینار منعقد کیا، اس میں ملک بھر سے ماہرین قانون نے شرکت کی اور اپنے مقالے پیش کیے، یہ مسلم پرسنل لا کی حفاظت کی ذمہ داریوں کا تقاضا تھا کہ احکامِ شریعت کے خلاف پوری قوم کو کوئی عمل کرنے پر مجبور کرے، یہ ایک کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ کوئی غیرتمند مسلم تنظیم اس صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتی، کہ قانون شریعت کو ترک کر کے کسی ایسے قانون پر عمل کرے جو انسانوں کا اپنا بنایا ہوا ہے، جمعیۃ علماء ہند نے اس غیرتِ ملّی کا ثبوت دیا۔

یومِ جمہوریہ کی تقریبات کے بائیکاٹ کا مسئلہ

جنوری ۱۹۸۷ء کے آغاز میں ہی بعض لوگوں نے انفرادی بیانات دیئے، بعض تنظیموں نے بھی ۲۶؍جنوری ۱۹۸۷ء کو ہونے والی یومِ جمہوریہ کی سرکاری تقریب میں شریک ہونے کی مخالفت کی، اس کا ردِّعمل حکومت پر بھی ہوا، اور ہندو عوام پر بھی، اور مسلمانوں کو غیر وفاداری کا طعنہ دیا جائے گا، فضا میں تلخی بڑھتی چلی گئی، اس لیے صدر جمعیۃ علماء ہند نے وزیر اعظم ہند راجیو گاندھی کو ایک مفصل خط لکھ کر اس سلسلہ میں صحیح صورتِ حال کو ان کے سامنے پیش کیا، اور کہا کہ محض چند آدمیوں کے بائیکاٹ کرنے پر غیر سنجیدگی کا مظاہرہ درست نہیں، غور کرنا چاہیے کہ بعض مسلمانوں کے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا اور کن مجبوریوں کی بنا پر انھوں نے اس خیال کا اظہار کیا، یہ خط ۱۴؍جنوری ۱۹۸۷ء کو وزیر اعظم کو بھیجا گیا۔

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ:

”۲۶؍جنوری ہندوستان کا قومی دن ہے، ہر ہندوستانی کو اس کا احترام کرنا چاہیے، اگر یومِ جمہوریہ کی تقریب میں قوم کا کوئی حلقہ شریک نہیں ہوتا ہے تو یہ بدقسمتی کی بات ہے، اور افسوسناک ہے، آپ نے بالکل درست فرمایا ہے، کہ کوئی محبِّ وطن ہندوستانی یومِ جمہوریہ کی تقریبات سے الگ نہیں رہے گا، لیکن آپ کو اس بات سے بھی اتفاق ہوگا کہ اکثر حالات ایسے ہوئے ہیں کہ حسب مایوسی، بددلی کے جذبات شدید ہوتے ہیں اور کسی انسان کا کسی تقریب میں شریک ہونے کا جی نہیں چاہتا، مثال لیجئے گاندھی جی نے ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کو یومِ آزادی کی تقریبات میں شرکت نہیں کی تھی، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انھیں ملک کی آزادی سے خوشی نہیں تھی، بلکہ ان کو ملک کے بٹوارے اور بڑے پیمانے پر تشدد کے واقعات سے شدید رنج تھا۔

کوئی مسلمان کسی تقریب سے دُور نہیں رہنا چاہتا، لیکن کچھ لوگ ان

تقریبات سے الگ رہنا چاہتے ہیں، تو اس کے اسباب کو سمجھنا ضروری ہے، تاکہ ان کی شکایت دُور کی جا سکے، اس وقت ملک کی جو صورت حال ہے، اس کے پیش نظر اس طرح کے اقدام کو سمجھنے کے لیے سنجیدگی اور ایمانداری کے ساتھ اس طرح کی ذہنیت کی جڑوں کو تلاش کرنا ضروری ہے، محرومی، مایوسی اور بیزاری کی وجہ سے جو بداعتمادی پیدا ہوگئی ہے، اس کے سلسلے میں ہمیں اپنی ذمّہ داریوں اور اپنے فرائض کے بارے میں خود غور کرنا چاہیے، اس مایوسی کے چند اہم پہلو سنجیدگی کے ساتھ غور طلب ہیں۔

(الف) آسام میں ایجی ٹیشن چلانے والوں نے ۲۶ر جنوری کا بائیکاٹ کیا، قومی پرچم کو پھاڑا، اپنے پیروں تلے روندا لیکن ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ان کے بارے میں اربابِ اقتدار نے کیا رویہ اور کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟ کیا آسام کے انھیں عناصر سے ایسا سمجھوتہ نہیں کیا گیا، جسے اس بے حرمتی کا انعام ہی کہا جا سکتا ہے، اس سمجھوتہ نے کل کے غداروں اور باغیوں کو آج کا رہنما بنا دیا ہے۔

(ب) ملک میں ہزاروں مسجدیں غیر مسلموں کے ناجائز تصرف میں ہیں، ان میں چند برباد ہو چکی ہیں، اور چند رفتہ رفتہ تباہ ہو رہی ہیں، بعض مسجدوں میں کوڑا کرکٹ جمع ہوتا ہے، بعض میں مویشی باندھے جاتے ہیں، اور رکھے جاتے ہیں، ان کی بازیافت کے لیے متعدد اپیلیں جاری کی گئیں، بہت سی درخواستیں پیش کی گئیں، لیکن یا تو انھیں نظرانداز کر دیا گیا، یا انھیں نامنظور کر دیا گیا، جہاں تک بابری مسجد کا تعلق ہے اس میں اتر پردیش کی حکومت ایک فریق ہے، ریاست کی حکومت کی طرف سے ایک حلفیہ بیان عدالت میں داخل ہے، جس میں اُسے مسجد تسلیم کیا گیا ہے، فیض آباد کے ضلع سیشن جج نے جانبداری اور ناانصافی سے کام لیتے ہوئے بابری مسجد کا تالا کھولنے کا حکم جاری کیا، اور مقامی انتظامیہ نے بغیر

ایک لمحہ کی تاخیر کے اس حکم کی تعمیل کردی، سرکاری اطلاع کے ذرائع مثلاً ٹیلی ویژن نے اس کی حتیٰ الامکان بڑے پیمانے پر تشہیر کی، اس طرح مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کی دانستہ کوشش کی گئی، اس معاملہ میں حکومت کی بے عملی کی پالیسی ہنوز برقرار ہے۔

(ج) ۱۹۴۷ء کے بعد سے کم وبیش پندرہ ہزار فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے ہیں، اس میں وہ فسادات بھی شامل ہیں جن میں پانچ سو سے دس ہزار مسلمانوں کا نقصان ہوا اور ہر فساد میں سیکڑوں افراد مارے گئے، اور جب لٹے پٹے پریشان حال لوگ سرکاری بسوں میں لے جائے جا رہے تھے، تو ڈرائیور فسادیوں کے علاقے میں مظلومین کو فسادیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر بسوں سے اُتر گئے، فسادیوں نے عورتوں بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو زندہ جلادیا، ہر سال کروڑوں روپیوں کی مالیت کا اثاثہ اور جائداد لوٹی اور جلائی جاتی رہی ہے، نوے فیصد فسادات میں سرکاری مشنری اپنے جرم کی پردہ پوشی کے لیے ملزموں کی پشت پناہی کرتی ہے، اور مظلومین کو جھوٹے مقدموں میں پھنسایا جاتا ہے، ایسا بھی ہوا کہ بے گناہ مظلوموں کو بے رحمی سے مارا پیٹا گیا، اور انھیں جیل میں ڈال دیا گیا، اور ایسے بھی المناک واقعات ہوئے ہیں جب آر، ایس، ایس، کے شرپسندوں نے مسلمانوں کو پولیس کے صدر دفتر میں مارا پیٹا، اگر بدقسمتی سے کوئی فرد پولیس تھانے میں شکایت لکھانے گیا، تو اس کی درخواست کا اندراج کرنے کے بجائے اُسے کسی جھوٹے مقدمہ میں پھنسا دیا جاتا ہے، جو افسران فسادات میں ملوث رہے ہیں انھیں ترقی سے نوازا گیا ہے، اگر کسی دیانتدار فرض شناس افسر نے اپنے فریضے کی تکمیل کی ہے، تو اس کے کام کو قدر کرنے کے بجائے آر، ایس، ایس، کے لوگوں کی شہ اور سازش سے سزا دی گئی ہے، سی، آئی، ڈی، اور سرکاری خفیہ پولیس اطلاعات فراہم کرنے والے ادارے عموماً فسادات کے بارے میں پیشگی

اطلاع دینے میں ناکام رہتے ہیں، اگر اطلاع پہلے سے مل جاتی ہے تو مناسب کارروائی نہیں کی جاتی نہ تدارک کی بروقت کوشش کی جاتی ہے۔

(د) پنجاب میں گڑبڑی کا سامنا کرنے کے لیے سخت احکام جاری کیے گئے ہیں، یہ اچھی بات ہے لیکن سنگین مسلم کش فسادات کے سلسلہ میں کبھی ایسے احکام نہیں جاری کیے گئے۔

(ہ) زندگی کے ہر شعبہ میں خصوصاً سرکاری ملازمتوں میں تقرری کے معاملے میں پولیس اور ایسے اداروں میں بھرتی کے سلسلہ میں مسلمانوں کے خلاف سخت تعصب سے کام لیا جاتا ہے، یہ بات اب راز نہیں رہی کہ ایک مرحلہ ایسا بھی رہا جب ایک انسپکٹر جنرل آف پولیس نے ایک ڈی، آئی، جی، کے چند مسلمانوں کو بھرتی کرنے کی وجہ سے نکتہ چینی کی اور اس فعل کو قوم دشمن قرار دیا۔

(ز) اخبارات کا ایک طبقہ مسلمانوں کے خلاف مسلسل نفرت پھیلاتا رہتا ہے، جب کہیں فساد ہوجاتا ہے، تو ایسے اخبارات جھوٹی باتیں اور افواہیں شائع کرکے صورتِ حال کو بگاڑتے ہیں، لیکن حکومت نے ایسے اخبارات کے خلاف کبھی سخت کارروائی نہیں کی، اس کے برعکس مسلمانوں کا کوئی اخبار کوئی نامناسب بات شائع کرتا ہے، تو اس کے خلاف فوراً قانونی کارروائی شروع کرکے مقدمے قائم کردیئے جاتے ہیں۔

(ح) ان تمام امور کے متعلق حکومت کی توجہ زبانی اور تحریری شکل میں دلائی جاچکی ہے، عرضداشتیں پیش کی گئی ہیں، لیکن کوئی مفید اور مثبت نتیجہ اب تک نہیں نکلا، یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ جب کبھی ہماری گذارش بروقت سنی گئی تو اس کے اچھے نتائج برآمد ہوئے ہیں، اور فسادات کے روکنے میں کامیابی ہوئی اس سے قبل جب بھی قومی رہنماؤں نے ہماری بات سنی تو حالات بہتر ہوئے ہیں، اور صورت حال کی اصلاح ہوئی ہے، لیکن قوم کے رہنماؤں سے براہِ راست رابطہ قائم کرنا اب ناممکن ہوگیا ہے، مفید

اور ثمر آور تبادلہ خیالات کی راہیں بڑی چالاکی سے بند کردی گئی ہیں۔

ان حالات میں اگر مایوسی، نا اُمیدی، جان و مال کے عدم تحفظ کے احساس اور زندگی کے ہر شعبے میں ناروا امتیازی سلوک کی وجہ سے ناعاقبت اندیشی کے عالم میں بعض افراد قومی دِنوں کی تقریبات میں عدم شرکت کا افسوسناک فیصلہ کرتے ہیں تو فرمائیے، کہ ان غیر مطمئن اور ناراض لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے ہم کیا جواب دیں۔

بصد خلوص واحترام

مخلص اسعد مدنی

خط کن حالات اور کس فضا میں لکھا گیا

مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے یہ خط وزیر اعظم کو اس وقت لکھا تھا، جب بابری مسجد کا تالا کھل جانے کے بعد سے پورے ملک میں بڑے خونریز فسادات کا سلسلہ چل پڑا تھا، مختلف طرح کے بیانوں سے فرقہ پرستوں نے مسلمانوں پر حملے کیے، گھروں اور دُکانوں کو لوٹا اور جلایا، ہندوستان کے مختلف خطوں میں مسلمانوں کو امن وچین کی زندگی سے محروم کردیا گیا تھا، ناانصافی دوسروں نے کی، بددیانتی، دھوکہ، فریب اور سازش حکومت کے افسران اور فرقہ پرستوں نے کی، اور اپنا جرم چھپانے کے لیے ملک کا امن و امان غارت کردیا، مسلمانوں پر عرصہ زندگی تنگ کردیا، اسی ماحول سے تنگ آ کر بعض حلقوں سے یومِ جمہوریہ کی تقریبات کے بائیکاٹ کا اعلان بعض اخباروں میں آ گیا، تو سب کی پیشانی پر بل آ گیا، ہمارا گھر جلایا جائے اور کہا جائے کہ مسکراؤ، ہمارے عزیز واقارب فرقہ پرستوں اور انتظامیہ کے ظلم وستم کا شکار ہوں، اور مرغِ بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر ہماری آنکھوں کے سامنے جان دیں، اور حکومت کہے کہ ہماری خوشی میں تم کیوں شریک نہیں ہوتے؟ شاید چنگیز وہلاکو بھی اپنے تمام ظلم وستم کے باوجود ایسا فرمان جاری نہیں کرسکے ہوں گے، لیکن ہندوستان کے بدقسمت مسلمانوں کو یہ برے دن دیکھنا بھی ان کے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا۔

کچھ نئے فارمولے

۱۹۸۶ء کو پورا سال ماتم کرتے ہوئے گذرا، ان حالات کو قومی رہنماؤں نے دیکھا تو بعض کے دلوں میں بابری مسجد کے مسئلہ کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، ہم کو اس کی نیک نیتی میں شبہ کرنے کا کوئی حق نہیں، انھوں نے اخلاص اور انسانیت دوستی کے جذبے سے اپنی تجویز حکومت اور اخباروں تک پہنچائیں، ملک کا یہ دانشور اور سنجیدہ طبقہ جو اس مسئلہ کو گلیوں اور سڑکوں پر لانے کے بجائے گفت وشنید کے ذریعہ حل کرنا چاہتا ہو، اس طبقہ کا خیال ہے کہ جلد از جلد دونوں فرقوں کی ذمہ دار شخصیتوں کی باہمی مفاہمت سے اس مسئلہ کا کوئی معقول اور قابل قبول حل نکالنا چاہئے، اس سے جہاں بڑھتی ہوئی فرقہ وارانہ ذہنیت پر روک لگے گی وہیں استحصال کی پالیسی پر عمل کرنے والوں کے عزائم بھی ناکام ہوں گے۔

اس سلسلہ میں کئی تجویزیں آئیں، ڈاکٹر کرن سنگھ (کشمیر) نے اس سلسلہ میں ایک فارمولہ پیش کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ جس جگہ کو ''رام چبوترہ'' کہا جاتا ہے اس پر عالیشان مندر تعمیر کیا جائے، اس طرح ایک طرف مندروں کی منشا کے مطابق مندر بھی تعمیر ہوجائے گا اور دوسری طرف بابری مسجد بھی مسجد کی شکل میں برقرار رہے گی البتہ اس کے لیے کچھ ردو بدل کرنا ہوگا جو اصل عمارت میں نہیں بلکہ بعض دروازوں کے سلسلہ میں ہوگا، ایک دوسری تجویز یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ایک کمیٹی تشکیل کی جائے جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں فرقوں کے مذہبی علماء اور شنکراچاریہ وغیرہ ہوں، یہی کمیٹی اس مسئلہ کا ایک باعزت اور قابلِ قبول حل تلاش کرکے ملک کے سامنے پیش کرے۔

شری گووند نرائن نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ بابری مسجد کو قومی یادگار بنادیا جائے، کیرالہ کے مشہور لیڈر نمبو دری پد نے بھی یہی تجویز پیش کی ہے کہ اس کو قومی یادگار بنا دینا ہی اس کا بہترین حل ہے، شری راجیشور رائے نے کہا ہے کہ سرکار خود دونوں فرقوں سے بات چیت کرکے اس کا کوئی مناسب حل نکالے۔

دوسری طرف وزیر اعظم حکومت ہند نے اپنی ۲۱؍جنوری ۱۹۸۷ء کی پریس کانفرنس میں ایک بار پھر اس مسئلہ کو عدالتی معاملہ کہہ کر نظر انداز کر دیا ہے، حالانکہ فرقہ پرستانہ سرگرمیوں کے نتیجہ میں جو صورت حال پیدا ہو گئی ہے، اس کے پیش نظر صرف عدالتی معاملہ کہہ کر اب اس مسئلہ کو مزید طول دینا مناسب نہیں معلوم دیتا، دانشمندانہ بات یہ ہے کہ حالات کے ایک دم قابو سے باہر ہونے سے پہلے قدم اُٹھایا جائے، جہاں تک مسلمانوں کا معاملہ ہے، وہ بابری مسجد کے معاملہ میں دست بردار نہیں ہو سکتے چونکہ یہ مسجد ہے اور قیامت تک مسجد ہی رہے گی، جمعیۃ علماء ہند ان طفل تسلیوں کی قدر و قیمت کو سمجھتی رہی کیونکہ اتنے لمبے عرصہ سے یہ مسئلہ چل رہا ہے، اس سلسلہ میں سینکڑوں فسادات ہو چکے ہیں، کتنا جانی و مالی نقصان ہوا ہے اس کا صحیح اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا مگر پورے ملک کے تمام قومی رہنماؤں میں سے کسی نے بھی اس دُکھ درد کو نہیں سمجھا اور نہ کسی کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اس ملک کے شہری جس درد و غم کی وجہ سے چیخ رہے ہیں ان کا مداوا تلاش کرے، کوئی وطن دوست انسانیت کے ناطے بھی مسلمانوں کی اتنی بڑی تباہی کے باوجود ہمدردی کے دو لفظ نہیں کہہ سکا، مسلمانوں کے لیے بابری مسجد کا ذکر کرنا بھی جرم بن گیا، مسجد کے قریب جانا پولیس کے شکنجۂ عذاب میں گرفتار ہونا تھا۔ ان درد و غم کو وہ تنہا جھیلتا رہا، فریاد کرتا رہا مگر:

کون سنتا ہے فغانِ درویش

میرٹھ کا خونبار فساد

میرٹھ جہاں سے کبھی انگریزوں کے خلاف مسلمان مجاہدین آزادی نے جہاد کا بگل بجایا تھا انگریزی سامراج کو تہس نہس کرنے کے لیے دہلی تک چڑھ آئے تھے مگر انگریزوں کی قسمت کا ستارہ عروج پر تھا اس لیے وہ حکومت بچا لے گیا۔ وہ میرٹھ جہاں سے آزادی کا ہراول دستہ پہلے پہل چلا تھا، اسی میرٹھ کی قسمت میں آزادی کے بعد زخم ہی زخم، داغ ہی داغ، اور ناسور ہی ناسور لکھ دیا گیا ہے۔ یہاں کتنی بار ہولناک فساد ہوئے، کتنا جانی و مالی نقصان ہوا، حکومت کو اس کا پورا علم ہے، لیکن اتر پردیش حکومت

نے کبھی اپنے احساسِ فرض کا ثبوت نہیں دیا،۱۴/اپریل ۱۹۸۷ء اس کے بعد مئی ۱۹۸۷ء کا دوبارہ فساد تواتر پردیش کی حکومت کی مرضی بلکہ اس کی شہ پر ہوا، غنڈوں اور فرقہ پرستوں نے ۱۴/اپریل ۱۹۸۷ء چند معمولی باتوں کو بہانہ بنا کر شہر میں طوفان برپا کردیا، وہ پہلے سے ایک بڑے پیمانے پر فساد کی تیاری کر رہے تھے لیکن مسلمانوں نے فساد کے دائرے کو محدود کرایا تھا اس لیے غنڈوں اور فسادیوں کے حوصلے پورے نہیں ہوئے، اس لیے دوبارہ رمضان المبارک کے مہینہ میں عین سحری کے وقت پچھلے فساد کو بہانہ بنا کر مسلمانوں کے گھروں پر چھاپہ مارنا شروع کردیا، پولیس مسلمانوں کو گرفتار کرکر کے تھانے لے جانے لگی، جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا، درندہ صفت پی، اے، سی، کو مسلمانوں کی رگوں سے خون چوسنے کا موقع ہاتھ آ گیا، بلوائی اور غنڈے مطمئن ہوگئے کہ ہمارا کام خود سرکاری مشنری کر رہی ہے، یہ صاف صاف پولیس ایکشن تھا جس کو بعد میں فرقہ وارانہ رنگ دے دیا گیا، اس فساد نے ایسی ہولناک صورت اختیار کی کہ اپنی ہلاکت تباہی وبربادی میں مرادآباد، پنت نگر اور آگرہ کے وحشیانہ مظالم کو بھی مات کردیا۔

میرٹھ کا ہر فساد فرقہ پرستوں اور پی، اے، سی، کی بربریت کی منہ بولتی تصویر تھا، ۱۴/اپریل ۱۹۸۷ء کے ہنگاموں کی آگ ابھی سرد بھی نہیں ہوئی تھی کہ ایک مہینہ بعد ہی پی، اے، سی، نے اس میں پھونک مار کر اس آگ کو پھر دہکا دیا کہ اس کے شعلے کو دینے لگے، مسلمانوں کی بے تحاشا گرفتاری نے اشتعال پیدا کیا پی، اے، سی، کو بہانہ ہاتھ آ گیا اور اس نے بندوق کی نال سیدھی کردی اور سیکڑوں مسلمانوں کو خاک وخون میں لٹا دیا اور کروڑوں روپے کی ملکیت تباہ وبرباد کر کے رکھ دی، میرٹھ کی تاریخ کا یہ ایک سیاہ ترین باب ہے جس کی نظیر کسی بڑے سے بڑے فساد میں کم ہی ملے گی، حیرت تو اس بات پر ہے کہ ریاستی وزیر اعلیٰ کی موجودگی میں نہ یہ کہ فساد برابر جاری رہا بلکہ اس میں ان کی تشریف آوری کے بعد اور شدت بڑھ گئی اور اقلیتوں کی جانی و مالی تباہی و بربادی میں جو کمی رہ گئی تھی وہ بھی پوری کردی گئی۔

ہاشم پورہ اور ملیانہ کا دردناک منظر

میرٹھ کا محلّہ ہاشم پورہ اور اس سے ملحقہ آبادی ملیانہ میں پہلے تو نوجوانوں کو گرفتار کرکے حراست میں لے لیا گیا اور پھر ان کو باہر لے جاکر نہر کے کنارے کھڑا کرکے گولی ماری گئی، جب لاشیں ٹھنڈی ہوگئیں تو ان کو گھسیٹ گھسیٹ کر نہر میں پھینک دیا گیا، یہ ہندوستان میں شاید پہلی نظیر تھی کہ وزیراعلیٰ کی موجودگی میں اس کے اشاروں پر اقلیتوں کا خون اس طرح بہایا گیا، جیسے جنگل میں جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے، نادرشاہ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر قتل عام کا حکم دے کر تاریخ کا بدنام ترین ظالم مشہور ہوا، آج وہ زندہ ہوتا تو اس کے چہرے کی کالک ڈھل گئی ہوتی کہ ہندوستان میں مجھ سے بھی چار قدم آگے رہنے والے لوگ تخت حکومت پر قابض ہوں گے، درندگی وسفاکیت کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ ایک مثالی واقعہ ہے۔ پی، اے، سی، نے ہاشم پورہ اور ملیانہ میں اپنا اصلی چہرہ دکھادیا، پی، اے، سی، کے انسانیت سوز اور شرمناک مظالم صرف ملیانہ اور ہاشم پورہ اور شاستری نگر ہی تک محدود نہیں رہے بلکہ میاں محمد نگر، گلزار ابراہیم، شکور نگر، کھتہ روڈ، رشید نگر اور دارا پوری وغیرہ میں غنڈوں کے ساتھ مل کر ظلم وجبر کی وہ داستانیں رقم کردیں جن کو آزاد ہندوستان کی تاریخ کا سیاہ ترین باب کہا جاسکتا ہے، ۱۹؍مئی ۱۹۸۷ء کو ڈیڑھ بجے دن سے ۵ بجے شام تک میاں محمد نگر، گلزار ابراہیم، شکور نگر اور کھتہ روڈ پر فسادیوں، پولیس والوں اور پی، اے، سی، کے درندوں نے مشترکہ طور پر مسلمانوں پر قہر ڈھایا، نہتےّ روزہ داروں پر حملے ہوتے رہے، مکانوں کو لوٹ کر جلایا کچھ کو آگ میں جھونک دیا، جو جان بچا کر بھاگنے لگے ان کو پی، اے، سی، کی گولیاں چاٹ گئیں۔

بے بسی اور مظلومیت کی انتہا

کسی مظلوم اور بے بس انسان کو کوئی غنڈہ زدوکوب کرے، وہ اپنی جان بچانے کے لیے جدوجہد کرے اور اس کے باوجود وہ زخموں سے چور چور ہوجائے، سر سے پیر

تک خون میں ڈوب جائے، جس کے دل میں ذرا سا بھی انسانیت کا درد ہو وہ اُس کی کربناک صورتِ حال دیکھ کر ترس کھانے لگے، اس کے باوجود اس ظالم غنڈے کی تعریف کی جائے اور مظلوم انسان کے درد و کرب کو قہقہوں میں اُڑا دیا جائے، یہ کتنی دردناک اور انسانیت دُشمن حرکت ہوگی؟ میرٹھ میں یہ تماشا ہر قدم پر ہوا، یہ مناظر ہر جگہ نظر آئے، یہ حقیقت کتنی المناک ہے کہ میرٹھ میں پی، اے، سی، کی حیوانیت اور درندگی کو جس نے دیکھا اور اس میں انسانیت کا درد ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، اس نے اس کی مذمت کی، اس کے ظلم و ستم کو واشگاف لفظوں میں بیان کیا، اس کے برخلاف فرقہ پرست تنظیمیں پی، اے، سی، کی حمایت میں باقاعدہ مہم جاری رکھے ہوئے تھیں، جن لوگوں نے ان کے مظالم سے تنگ آ کر ان کو ہٹانے کا مطالبہ کیا، ان کو ملک دشمن کہا گیا، حد یہ ہے کہ ان فسطائی عناصر کی تحریک پر کرفیو کے دوران مختلف محلوں سے جمع ہو کر عورتیں جلوس نکالتی رہیں اور پی، اے، سی، کے حق میں نعرے لگاتی رہیں، اس دوران کچھ اخبارات نے بھی پی، اے، سی، کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے اور جان بوجھ کر حقائق کو نظر انداز کر کے اندھے بہرے بن گئے، مظلوموں کو حکومت کے اعلیٰ ذمہ داروں سے کچھ انصاف کی توقع ضرور رہتی ہے لیکن میرٹھ کے مظلوموں کی قسمت میں انصاف کی امید بھی نہیں تھی، کیونکہ حکومت ان سارے مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اور خاموش رہی، اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ یہ کام اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے، پھر ان سے مظلوم انصاف کی توقع کیا رکھے گا بلکہ حکومت کے ذمہ داروں کی طرف سے بعض ایسے اقدامات بھی کیے جاتے رہے جو پی، اے، سی، والوں اور بلوائیوں کے حوصلے بلند کرنے میں مددگار ثابت ہوئے، اپنے ریاستی آقاؤں کے چشم و ابرو کے اشاروں پر مقامی انتظامیہ بھی ناچتی رہی اور وہی سب کچھ کیا جو ان کے آقاؤں کی منشا تھی۔

جو کیا جا سکتا تھا کیا گیا

۱۱ر مئی ۱۹۸۷ء کو ٹیلی فون سے جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر کو اطلاع ملی، اسی

وقت راجیو گاندھی وزیر اعظم، وزیر داخلہ بوٹا سنگھ اور وزیر مملکت مسٹر چدمبرم کو بذریعہ ٹیلی گرام میرٹھ میں فساد ہو جانے کی اطلاع دی گئی، اُتر پردیش کے وزیر اعلیٰ ویر بہادر سنگھ کو میرٹھ کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے مطالبہ کیا گیا کہ فساد بڑا بھیانک ہے اس پر قابو پانے کی فوری کوشش کی جائے، اور اقلیتوں کی جان و مال کا بھرپور تحفظ کیا جائے، برقیہ میں کھلے لفظوں میں کہا گیا ہے میرٹھ میں پی، اے، سی، کو جلد سے جلد ہٹا کر دوسری فورسیز کو تعینات کیا جائے۔

میرٹھ کا فساد رمضان کے مہینہ میں ہوا تھا، مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند ان دنوں دیوبند میں اعتکاف میں تھے، جب میرٹھ میں اس حیوانیت و بربریت کا حال سنا تو ۲۴ر مئی ۱۹۸۷ء کو وزیر اعظم راجیو گاندھی کے نام ایک تفصیلی مراسلہ روانہ کیا جس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ:

”عوام اب سوچنے لگے ہیں کہ اس قتل و غارت گری کے لیے آپ بھی ذمہ دار ہیں، اس لیے آپ ملک کے وزیر اعظم اور برسر اقتدار پارٹی کے سربراہ ہیں اور جن جن ریاستوں میں یہ شرمناک واقعات ہوئے ہیں اور اب تک ہو رہے ہیں، وہاں آپ کی پارٹی برسرِ اقتدار رہے۔“

صدر محترم نے اپنے مراسلہ میں وزیر اعلیٰ اتر پردیش ویر بہادر سنگھ کو خاص طور پر اس فساد کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے ان کی برطرفی کا مطالبہ کیا، کیونکہ میرٹھ کے حالات کے سلسلہ میں وزیر اعلیٰ اُتر پردیش نے مرکزی حکومت کو نہ صرف گمراہ کیا بلکہ سراسر دھوکا دیا، مولانا محترم نے اپنے خط میں بڑی وضاحت کے ساتھ میرٹھ اور ملیانہ کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے راجیو گاندھی وزیر اعظم کو آگاہ کیا کہ!

میرٹھ میں مسلمانوں کی نسل کشی کی جارہی ہے۔ مسلم نوجوان خاص طور پر نشانہ بنائے جارہے ہیں، عورتوں اور بوڑھوں اور معصوم بچوں کو جلایا جارہا ہے اور اقتصادی طور پر مسلمانوں کو بالکل تباہ و برباد کر دیا گیا ہے، یہ انتہائی افسوس کی بات ہے، کہ ملک کی راجدھانی دہلی سے صرف ۶۴ کیلومیٹر کی دوری پر واقع شہر میرٹھ میں فساد ہوتا ہے اور حکومت فساد پر قابو پانے میں

ناکام ہے، آپ نے مزید تحریر فرمایا کہ مظلومین کے جان و مال کی تباہی کے سلسلہ میں خاموشی حکومت کا مجرمانہ فعل ہے، جس کو کسی حال میں برداشت نہیں کیا جاسکتا، بے قصور گرفتار شدگان کو فوراً رِہا کیا جائے، اور فساد زدہ علاقوں سے ریاستی فورس کو ہٹا کر بلاتاخیر فوج، بی، ایس، ایف، اور سی، آر، پی، کے حوالہ کیا جائے تاکہ جلد از جلد امن بحال ہوسکے اور عوام مطمئن ہوں۔

اس سے دس دن قبل ۱۴رمئی ۱۹۸۷ء کو صدر محترم نے وزیر اعلیٰ اُتر پردیش ویر بہادر سنگھ کو بھی ایک تفصیل خط لکھا تھا، جس میں شب برأت کے موقع پر رونما ہونے والے پہلے فساد اور اس کے بعد غلط اور گمراہ کن افواہوں کی طرف ان کو توجہ دلاتے رہے، ان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ مظلومین کی راحت کاری کی طرف توجہ کریں اور میرٹھ کے مقامی اہل انتظامیہ کے خلاف سخت کارروائی کریں۔

وزیر اعظم سے ملاقات

مولانا سید اسعد مدنی رمضان کے بعد فوراً دہلی آئے اور یہاں آکر وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی، مسز حسنہ قدوائی، مسٹر ضیاء الرحمٰن انصاری اور وزیر داخلہ مسٹر بوٹا سنگھ سے ملاقاتیں کیں اور میرٹھ کے بھیانک فسادات سے متعلق تفصیل سے بات کی، صدر محترم نے وزیر اعظم سے اپنی پون گھنٹہ گفتگو کے دوران پورے ملک اور خاص طور سے میرٹھ میں ہونے والے فساد کی ہلاکت خیزی اور ان سازشوں سے پردہ اُٹھایا جو ایک عرصہ سے فرقہ پرست مقامی انتظامیہ کی ملی بھگت سے ترتیب دے رہے تھے، صدر محترم کی وزیر اعظم سے ملاقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ وزیر اعظم نے ۳۰رمئی ۱۹۸۷ء کو میرٹھ کے دورے کا پروگرام بنالیا، جن جن مقامات کی صدر محترم نے خاص طور پر نشاندہی کی تھی وزیر اعظم نے وہاں جاکر بچشم خود حالات کو دیکھا اور موقع پر ہدایات جاری کیں، جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر سے ایک وفد لکھنؤ بھیجا گیا جس نے وہاں جاکر اتر پردیش کے گورنر محمد عثمان عارف اور وزیر داخلہ مسٹر ڈکشت سے ملاقات کی،

وفد نے گورنراور وزیر داخلہ کو میرٹھ کے بدترین حالات کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ میرٹھ میں اس وقت تک امن قائم نہیں ہوسکتا جب تک پی، اے، سی، وہاں موجود ہے، اس لیے پی، اے، سی، کو وہاں سے فوراً ہٹایا جائے، وفد نے یہ بھی بتایا کہ فسادزدہ علاقہ میں اشیاء ضروریہ عنقا ہورہی ہیں اس لیے لوگوں کی زندگی دوبھر ہورہی ہے، وفد کے مطالبات تھے کہ میرٹھ سے پی، اے، سی، کو فوراً ہٹایا جائے، ضروریات زندگی فراہم کرنے کا فوری بندوبست کیا جائے، چونکہ ریاستی حکومت اور مقامی انتظامیہ مرکزی حکومت کو صحیح صورت حال سے باخبر نہیں کررہی ہے اس لیے آپ اپنے منصبی حیثیت کا استعمال کرتے ہوئے وزیراعظم کو صحیح صورت حال سے باخبر کریں۔

صدر محترم کا دوسرا مراسلہ

ایک ماہ بعد ۲/جون ۱۹۸۷ء کو ایک بار پھر صدر محترم نے اپنے ایک مراسلہ کے ذریعہ راجیو گاندھی کو توجہ دلائی کہ وہ میرٹھ کی فرقہ وارانہ صورت حال پر، جس کو وہ خود دیکھ کر آئے ہیں، سنجیدگی کے ساتھ غور کریں اور فسادات کی اس لعنت کو ختم کرنے کے لیے انتہائی قدم اُٹھائیں، صدر محترم نے مطالبہ کیا کہ ضلع ایڈمنسٹریشن کو فساد کا ذمہ دار قرار دیا جائے، جو قومی یک جہتی کونسل کے فیصلوں کے عین مطابق ہے، آپ نے لکھا کہ جمعیۃ علماء ہند کی یہ سنجیدہ رائے ہے کہ جب تک فسادات کی ذمہ داری مقامی انتظامیہ پر نہیں ڈالی جائے گی اس وقت تک فسادات نہیں رُک سکتے، اس لیے قومی یکجہتی کونسل کے فیصلوں پر عملدرآمد کرتے ہوئے مقامی انتظامیہ کو ذمہ دار قرار دے کر کم ازکم ان کو معطل کردیا جائے اور اگر وہ واقعی مجرم ثابت ہوں تو ان کو قرار واقعی سزادی جائے۔

تحقیقاتی کمیٹی

صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے وزیر اعلیٰ اُترپردیش سے مطالبہ کیا تھا کہ میرٹھ اور ملیانہ کے خوں ریز فسادات کے لیے تحقیقاتی کمیشن مقرر کریں، پہلے تو وزیر اعلیٰ نے ٹال مٹول سے کام لیا مگر بعد میں مجبور ہوکر ریاستی حکومت کی طرف سے ایک

تحقیقاتی کمیٹی کا اعلان کیا گیا، جس کو جین پرکاش تحقیقاتی کمیٹی کا نام دیا گیا، اس کے ارکان میں سابق آئی، اے، ایس، افسر مسٹر گیان پرکاش جین، آئی، اے، ایس، افسر مسٹر غلام حسین، پی ڈبلیو ڈی کے سکریٹری مسٹر رام کشن شامل تھے، اس کمیٹی کے سربراہ گیان پرکاش جین کو مقرر کیا گیا، کمیٹی نے تحقیقات کا کام شروع کیا اور ایک رپورٹ مرتب کرکے ریاست کے وزیر اعلیٰ ویر بہادر سنگھ کو پیش کردی۔

تحقیقاتی رپورٹ

میرٹھ کے حالیہ فساد کے سلسلہ میں گیان پرکاش جین کمیٹی کی رپورٹ جو اس کے ایک ممبر مسٹر غلام حسین نے یوپی کے وزیر اعلیٰ کو پیش کی تھی اتر پردیش کابینہ نے اس پر غور کیا، اگرچہ ابتداءً پوری رپورٹ سامنے نہیں لائی گئی لیکن خبروں سے پتہ چلا کہ تحقیقاتی کمیٹی نے میرٹھ فساد کے دوران پی، اے، سی، کے رول کو قابل اعتراض قرار دیا ہے اور ملیانہ کے لاپتہ لوگوں کے بارے میں صاف طور پر لکھا گیا کہ ان کو قتل کیا گیا ہے، ہاشم پورہ کے اجتماعی قتل کے بارے میں کمیٹی اپنی رپورٹ پہلے پیش کرچکی تھی۔

اب اس مکمل رپورٹ کے بعد یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے، کہ ہاشم پورہ میرٹھ میں اقلیتی فرقہ کے بے گناہ لوگوں کو اجتماعی طور پر قتل کیا گیا، اور ان کی لاشیں ہنڈن ندی اور نہر گنگ میں بہادی گئیں، ضلع انتظامیہ کی نااہلی اور خاص طور پر اس وقت کے ضلع مجسٹریٹ کو شک کی چشم پوشی کا اعتراف کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے، جس کے نتیجہ میں میرٹھ کے فرقہ پرست دَل نے پی، اے، سی، کے ساتھ مل کر اقلیتی فرقہ کے بے گناہ لوگوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، کمیٹی یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ کلکٹر اور دوسرے افسروں نے اصل حقائق کو چھپایا، کمیٹی نے کابینہ کو یہ بھی مشورہ دیا کہ فسادات کو روکنے اور ان پر قابو پانے کے لیے ''اینٹی رائٹ فورس'' کی تشکیل کی جائے، جس میں اقلیتوں کو پوری پوری نمائندگی دی جائے، اس تحقیقاتی کمیٹی کا قیام فسادات کے دوران ۲؍جون ۱۹۸۷ء کو ہوا تھا، کمیٹی نے تحقیقات کے دوران ڈیڑھ سو تحریری بیانات لیے اور مختلف فرقوں کے ۱۱۳۹ افراد سے گواہیاں لیں۔

ملیانہ تحقیقاتی کمیشن کا قیام

جمعیۃ علماء ہند کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ میرٹھ اور ملیانہ میں پی، اے، سی، کے سفا کانہ قتل عام کی مکمل عدالتی تحقیقات کرائی جائے اور پی، اے، سی، کی ان ٹکڑیوں کو جو اس قتل عام میں ملوث ہوں بلا تاخیر ان کو گرفتار کر کے ان پر مقدمات چلائے جائیں، او مجرمِ ثابت ہوں تو ان افراد کو واقعی سزا دی جائے، بعد از خرابی بسیار جزوی طور پر ۲۹/ جون ۱۹۸۷ء کو یو پی گورنمنٹ نے کرشن لال سر یواستو ارٹائرڈ جج الہ آباد ہائی کورٹ کی سرکردگی میں عدالتی تحقیقاتی کمیشن قائم کیا، جس کو ”ملیانہ تحقیقاتی کمیٹی“ کہا جاتا ہے، جس پر ذمہ داری ڈالی گئی کہ ضلع ملیانہ پولیس تھانہ، ٹرانسپورٹ نگر، میرٹھ میں ۲۳/ مئی ۱۹۸۷ء کو ہوئے واقعات کی جانچ کر کے ان وجوہات کا پتہ چلائے، جن کے نتیجہ میں یہ بھیانک واقعات رونما ہوئے، میرٹھ ضلع کا بدنصیب قصبہ ملیانہ مظلومیت کی ایک مکمل تصویر بن چکا تھا، یہاں پی، اے، سی، نے اپنی حیوانیت اور درندگی کا بے پناہ مظاہرہ کیا تھا اور بندوقوں کی گولیوں سے لوگوں کے دلوں کو چھید کر ان میں عدم تحفظ کا نہ ختم ہونے والا احساس پیوست کر دیا تھا، ملیانہ میں قتل عام کے بعد وہاں کے باشندوں کو ضلع انتظامیہ ایک مہینہ تک برابر ہراساں کرتی رہی اور وہاں کے اقلیت دُشمن غنڈوں کا ایک منظّم گروہ پیدا ہو گیا، جس نے جب موقع پایا کسی مسلمان کو قتل کر دیا، اس کی کوئی داد فریاد نہیں ہوتی تھی، بہت سے تنگ آ کر ترک وطن کرنے پر مجبور ہو گئے۔

کمیشن کی پہلی نشست ۲۷/ اگست ۱۹۸۷ء کو سرکٹ ہاؤس میرٹھ میں ہوئی، کمیشن کے سامنے ملیانہ واقعہ کے سلسلہ میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے جناب مہدی حسن ایڈووکیٹ اور میرٹھ جمعیۃ کی طرف سے کنور محمد ابراہیم خاں ایڈووکیٹ اور جناب علاء الدین صدیقی ایڈووکیٹ اور محمد یوسف قریشی ایڈووکیٹ نے فریق کی حیثیت سے اپنے پرچے داخل کیے، ملیانہ کمیشن نے متعدد نشستوں کے بعد ۲۲/فروری ۱۹۸۸ء کو ملیانہ کا دورہ کیا اور دو گھنٹے تک ملیانہ کے مختلف محلوں کے لوگوں سے مل کر معلومات حاصل کیں۔

صدرِ محترم کا مکتوب گرامی

حکومت کی مقرر کردہ تحقیقاتی کمیٹیوں اور کمیشنوں میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ سب کچھ یہ سوچ کر کہا جاتا ہے کہ وہ ماتحت ہیں اور برسر اقتدار طبقہ کے مقرر کردہ ہیں، اور ساری تحقیقات کے بعد پھر انھیں کو اپنی رپورٹ بھی پیش کرتی ہے، حقائق بیان کر کے اپنی زندگی کیوں تلخ کی جائے، اپنا وقار کیوں مجروح کیا جائے، اس لیے بڑی احتیاط سے وہ اپنی رپورٹ مرتب کرتے ہیں، اور یہ بھی آزاد ہندوستان کی تاریخ رہی ہے کہ تھوڑی بہت سچائیاں بھی آ جاتی ہیں اور ان کی کچھ سفارشیں مفید ہو جاتی ہیں، ان پر بھی کبھی برسر اقتدار طبقہ نے عمل نہیں کیا، اس لیے عملی طور پر یہ کمیشن بھی فساد کے سلسلہ میں غیر مفید طریقہ کار ہو کر رہ گیا ہے، بہت کم ایسا ہوا کہ اس کے بعض اجزاء کو عملی جامہ پہنایا گیا ہو، مثلاً مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے اپنے خط بنام راجیو گاندھی میں میرٹھ فساد کی ہولناکی کا جو بنیادی سبب لکھا ہے، کیا کوئی تحقیقاتی کمیشن اس حقیقت کو واشگاف لفظوں میں بیان کرنے کی جرأت کر سکتا ہے، مولانا موصوف نے وزیر اعظم کو غیر مبہم الفاظ میں حقیقت بیان کرتے ہوئے ۲۳ رمئی ۱۹۸۷ء کو تحریر فرمایا۔

> ”محترم! آپ کے علم میں شاید میرٹھ کے صحیح واقعات نہیں لائے جا رہے ہیں، افسران وزراء کو پوری طرح گمراہ کیے ہوئے ہیں، اور ہمارے وزیر اعلیٰ ویر بہادر سنگھ ان پر پوری طرح ایمان لائے ہوئے ہیں، وزیر اعلیٰ، افسران، ایڈمنسٹریشن نے نہایت خفیہ طور پر سازش کر کے مسلمانوں کے قتل عام اور ان کی پوری طرح مالی بربادی کا منصوبہ بنایا ہے کہ وہاں کے صلح پسند اور سیکولر ہندو اور مسلمانوں سے تو بات کرنے کا سوال ہی نہیں، چیف منسٹر صاحب نے تو کانگریس کے مسلم کارکنوں تک سے بات کرنی گوارا نہیں کی، زندگی بھر قومی یک جہتی کے لیے لڑنے والوں کو پاس آنے نہیں دیا، ایسی حالت میں کیا ان وزیر اعلیٰ سے صوبہ میں امن اور تحفظ کی اُمید کی جا سکتی ہے؟

ریاست میں لگا تار اشتعال انگیز رتھ یاترائیں نکالی جاتی ہیں، جنھوں نے نہ صرف اُتر پردیش بلکہ تمام ملک کی فضا کو فرقہ واریت کے زہر سے بھر دیا ہے، جہاں جہاں یہ یاترائیں گئیں وہاں فسادات ہوئے ہیں، اب جبکہ بابری مسجد ایکشن کمیٹی نے اجودھیا مارچ کا نعرہ دیا، تو اس کو رکھنے کے لیے ضمناً ان یاتراؤں کو بھی بند کرنے کا حکم دیا۔

محترم! کیا ایسا وزیر اعلیٰ گیارہ کروڑ انسانوں کی حفاظت کرنے کا اہل ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو اس کو بلاتاخیر وزارتِ علیا سے برطرف کیا جانا چاہیے، اور اس کی نااہلی بلکہ ان فسادات میں شرکت کے لیے انکوائری کرا کر سزا دی جانی چاہیے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ویر بہادر سنگھ نے فساد زدہ علاقوں کے کسی بھی افسر یا ذمہ دار پر آج تک کوئی ایکشن نہیں لیا، کسی افسر پر فساد کی ذمہ داری نہیں ڈالی؟ بلکہ پی، اے، سی، جیسی درندہ صفت پولیس کی تعریف کر کے ان کو درندگی کے لیے اور اکسایا، اگر بی، ایس، ایف، یا فوج کو بلایا بھی جاتا ہے تو اس کو مقامی پولیس اور فرقہ پرست ایڈمنسٹریشن کی ماتحتی میں ڈال دیا جاتا ہے۔

محترم! ہندوستان کی بربادی و رسوائی اور ایک پوری مائناریٹی کمیونٹی کی نسل کشی اور تباہی میرے نزدیک ناقابلِ برداشت ہے، مجھے اُمید ہے کہ آپ مظلوموں کی قتل و غارت گری کو دیکھیں گے، بچوں اور بیواؤں کی چیخوں کو سنیں گے اور ہندوستان کے ان فرقہ پرستوں، تشدد پسندوں اور امن و قانون کے دُشمنوں کو سمجھیں گے اور یہ بھی محسوس کریں گے کہ کسی بھی ملک میں کسی بھی طبقہ کے خلاف ظلم کو برداشت کرنا سارے ملک اور قوم کو انارکی، تشدد اور ابتری میں مبتلا کرنا ہے۔

اسعد مدنی

۲۳رمئی ۱۹۸۷ء

وزیراعلیٰ ذمہ دار

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے صاف لفظوں میں میرٹھ کے فساد کی ذمہ داری وزیراعلیٰ اُترپردیش پر ڈالی ہے، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ میرٹھ بذات خود جاتے ہیں اور ان کی موجودگی میں قتل وغارت گری کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے، بلکہ اس میں کچھ اور بھی تیزی آجاتی ہے، اسی سے سچائی سمجھی جاسکتی ہے۔

مظلومین کی ریلیف اور امداد

میرٹھ اور ملیانہ پر قیامت تو گذر چکی جن کی جانیں چلی گئیں، جو عورتیں بیوہ ہوگئیں، جو بچے یتیم ہوگئے، جو گھر لوٹ لیے گئے، جو مکانات جلا کر خاکستر کردیئے گئے، اس عبرتناک مظلومیت کو راحت وآرام میں کیسے بدلا جاسکتا ہے، لیکن جمعیۃ علماء ہند اپنی بساط بھر ان کے زخموں پر مرہم تو لگا ہی سکتی تھی، وہ یہ کام ہمیشہ کرتی آئی ہے وہ کام اس نے میرٹھ میں بھی شروع کردیا، میرٹھ کا حادثہ صدر محترم کے دل کا ناسور بن گیا، اور اس کو عرصہ تک نہ بھول سکے، آپ نے پہلی فرصت میں مظلومین کی امداد و اعانت، ان کو قانونی و مالی سہارا دینے کے لیے ایک ریلیف کمیٹی کے قیام کا اعلان فرمایا، جو مظلومین اور مصیبت زدگان کی راحت رسانی کی ہرممکن کوشش کرے گی، ۲۶/جون ۱۹۸۷ء کو صدر محترم کی صدارت میں مرکزی ریلیف کمیٹی کی ایک نشست ہوئی جس کا صدر دفتر بمبئی میں تھا، اس جلسہ میں بمبئی کی ممتاز ترین شخصیتیں، جماعتی کارکن مرکزی ریلیف کمیٹی کے تمام عہدیداران و کارکنان شہر بمبئی اور مضافات کے دردمندانِ ملت بڑی تعداد میں شریک ہوئے، مولانا موصوف کے اس جلسہ میں میرٹھ اور ملیانہ کے لرزہ خیز واقعات تفصیل سے سنائے اور مسلمانوں کی تباہی وبربادی کے تفصیلی حالات سے جلسہ کو روشناس کرایا، ساتھ ہی آپ نے اعلان فرمایا کہ قانونی اور امدادی کاموں کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند اپنے ذرائع سے میرٹھ کے محمد میاں نگر کے چار سو مکانات کی مرمت اور تعمیر کا کام انجام دے گی۔

جمعیۃ ریلیف کمیٹی میرٹھ

میرٹھ میں جماعتی کارکنوں پر مشتمل ریلیف کمیٹی کے قیام کے بعد فوراً کام شروع کر دیا، کمیٹی کے سامنے بہت سے مسائل اور فوری حل طلب مشکلات تھیں، ریلیف کمیٹی کو مظلوم لوگوں کو مالی اور قانونی امداد فراہم کرنا اور دوسری طرح کی راحت رسانی، اُجڑے ہوئے لوگوں کی باز آبادکاری اور معاشی طور پر تباہ شدہ لوگوں کو دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا کرنا تھا، ریلیف کمیٹی نے نہایت اخلاص کے ساتھ ان سارے کاموں کو انجام دینے کے لیے عملی اقدامات شروع کر دیئے۔

ریلیف کمیٹی نے سب سے پہلے تقسیم کار کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اپنی کارکردگی کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرلیا، ایک شعبہ کا کام یہ تھا کہ وہ اُجڑئے ہوئے لوگوں کے مکانوں اور دکانوں کا سروے کر کے اس کی فہرست مرتب کرے، دوسرے شعبہ کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ شہدا کے ورثاء اور مجروحین سے مل کر ان کی ضروریات کی فہرست بنائے، ایک شعبہ گرفتار شدگان جو جیلوں میں بند تھے ان کی ضمانت اور رہائی کا نظم کر رہا تھا، اس طرح باضابطہ ان سارے کاموں کو ایک ساتھ شروع کیا گیا، ریلیف کمیٹی کے نصف درجن شعبوں نے پوری جانفشانی اور ہمّت مردانہ سے کام لیتے ہوئے ان ساری ذمہ داریوں کو مشکلات کے باوجود پورے اخلاص سے انجام دیا، جمعیۃ علماء ہند کی یہ ریلیف کمیٹی اخباری پروپیگنڈے کی قائل نہیں تھی، وہ صرف کام کرنا چاہتی تھی اور کرتی تھی، کبھی اخباروں میں اپنی کارگذاریوں کا ذکر نہیں آنے دیا، جبکہ بعض لوگ اس مصیبت کے وقت میں بھی سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے غیر معمولی پروپیگنڈہ کرتے تھے، جمعیۃ ریلیف کمیٹی نے مظلومین کی ہر جہت سے مدد کی، شہداء کے ورثاء کو نقد رقم بھی دی گئی، زخمیوں کا ہر ممکن اور بہتر سے بہتر علاج کرایا گیا، جن لوگوں کے کاروبار اور ٹھکانے تباہ و برباد ہوگئے تھے، ان کو ٹھکانا بھی دیا گیا، اور ان کو ضروری اوزار بھی فراہم کیے گئے، بیواؤں کو سلائی مشین، پھیری کر کے سودا بیچنے والوں کو ہاتھ رکشائیں بنوا کر دی گئیں، گرفتار شدگان کو رِہا کرایا گیا، میاں محمد نگر کے مکانوں کی تعمیر کا کام بھی شروع کرا دیا گیا، اور بہت تھوڑی مدت میں پہلی قسط کے طور

پر سوا سو مکانات مرمت یا تعمیر کرا کے ان کے مالکوں کے حوالے کیا گیا بقیہ دوسرے مکانات کی تعمیر و مرمت کا سلسلہ بہت دنوں تک چلتا رہا، جن کی تعداد تقریباً چار سو تھی، ان کاموں کے ساتھ ساتھ ملیانہ تحقیقاتی کمیشن کے سامنے سچائی کو بے نقاب کرنے کے لیے وکیلوں کی پوری ایک ٹیم سرگرم رہی، گمشدگان کی تلاش اور ضمانتوں کا بندو بست بیک وقت چلتا رہا، جمعیۃ ریلیف کمیٹی کا دائرہ کار کتنا وسیع تھا؟ اس کا اندازہ ذیل کی فہرست سے کچھ ہو سکتا ہے۔

(۱) شہدا کے ورثاء کی مالی اعانت۔

(۲) ایک سو سے زائد زخمیوں کو مالی تعاون اور ان کا معقول علاج۔

(۳) ۱۶۱۷ گرفتار شدگان کی ضمانت پر رِہائی کا بندوبست۔

(۴) کاروباری ٹھکانوں کی فراہمی اور اوزاروں کو مہیّا کر کے ان کو دینا۔

(۵) حرفت پیشہ خاندانوں کو اوزاروں کی فراہمی۔

(۶) غریب، بے روزگار اور مظلوم افراد کو ہاتھ رکشاؤں کی فراہمی۔

(۷) غربا میں ۶۰ ہزار روپیہ سے زیادہ لاگت کے کپڑوں کی تقسیم۔

(۸) کرفیو سے متاثرہ علاقوں میں کرفیو کے دوران آٹا، دال، چاول وغیرہ پہنچانا

(۹) گمشدہ افراد کی تلاش و جستجو۔

(۱۰) میاں محمد نگر کے ۴۰۰ مسمار شدہ مکانوں کی مرمت یا تعمیر۔

تفصیلی اخراجات

جمعیۃ ریلیف کمیٹی نے جن مدوں میں جو رقم خرچ کی اس کی تفصیل کاغذات میں موجود ہے، انھیں کاغذات سے یہ تفصیل پیش ہے۔

(۱) شہدا کے ورثاء کو تقسیم کیا گیا .... ۱۹۱۰۰۰ روپے

(۲) زخمیوں کو ضروریاتِ زندگی اور علاج کے لیے کیا گیا .... ۲۲۶۰۰۰ روپے

(۳) ایک سو سے زائد تباہ حال لوگوں کو کاروبار کے لیے دیا گیا ..... ۹۷۴۱۶ روپے

(۴) سولہ سو گرفتار شدگان کی ضمانت کرائی گئی .... ۷۹۶۰۰ روپے

(۵) نادار بچوں کے اسکولوں کی فیس .... ۲۵۰ روپے
(۶) گم شدہ افراد کے گھر والوں کو دیا گیا .... ۶۰۰۰ روپے
(۷) کھوکھے بنوا کر دیئے گئے .... ۱۹۷۶۴ روپے
(۸) مجروحین کا علاج خود کرایا گیا .... ۲۶۷۶ روپے
(۹) سلائی مشینیں دی گئیں۔ .... ۶۵۵۰ روپے
(۱۰) ضرورت مندوں کو بجلی و پریس کا سامان .... ۱۶۶۰ روپے
(۱۱) کرفیوں کے دوران غلہ خرید کر پہنچایا گیا .... ۹۵۷۸ روپے
(۱۲) ملیانہ میں غلہ تقسیم کیا گیا .... ۵۰۰۰ روپے
(۱۳) ۱۶؍افراد کو رکشہ بنوا کر دیا گیا ۱۵۰۰۰روپے
(۱۴) ملیانہ کمیشن کے سلسلہ میں خرچ ہوا ۴۰۰۰روپے
(۱۵) مکانات کی تعمیر میاں محمد نگر ۱۸۰۱۶۵روپے

میزان ۳۱۹۲۲۷۰

یہ ایک مرحلہ کے اخراجات کی تفصیل ہے، جس وقت یہ تفصیل مرتب کی گئی، اس وقت بھی ریلیف کمیٹی کے اکثر شعبوں میں کام جاری تھا اور عرصہ تک جاری رہا، بعد کے اخراجات کی تفصیل راقم الحروف کو نہیں مل سکی۔

حرم کعبہ کا خطرناک سانحہ

ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں ابھی میرٹھ، ملیانہ اور ہاشم پورہ کا زخم بالکل تازہ تھا، پورے ملک کی فضا سوگوار تھی، غم واندوہ کا اتنا کربناک ماحول تھا کہ مسلمان سوچ رہا تھا کہ اس ملک کا انجام کیا ہونے والا ہے، اس کی مصیبتوں کے دن کتنے دراز ہیں، ہر زخم ناسور کی شکل اختیار کرتا جارہا ہے، دل زخموں اور داغوں سے بھرتے جارہے ہیں، ظلم وستم، وحشت وبربریت کی بجلیاں فضاؤں میں چمک رہی ہیں، کب اور کہاں گرنے والی ہیں، اسی غم وفکر میں مسلماں غلطاں تھا کہ یہ دردناک خبر سننے میں آئی کہ مسلمانوں کے ایمان ویقین کا مرکز، اسلام کا سرچشمہ، دین ہدایت کا منبع ظہورِ

نورحرم کعبہ میں دوست نما دُشمنوں نے یلغار کردی اور عین ایام حج ہیں فتنہ وفساد پھیلا کر کئی حاجیوں کو شہید کردیا، ۳۱؍جولائی ۱۹۸۷ء کو حرم مکہ میں یہ سانحہ پیش آیا جس نے پورے عالم اسلام کو سخت کرب واضطراب میں مبتلا کردیا، ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ اسلام دشمن طاقتوں نے عالم اسلام کی اس عظیم مرکزیت کو پامال اور تباہ وبرباد کرنے کا منصوبہ بنا کر اس پر عملدرآمد شروع کردیا ہے، حرم مکہ اور اس کے حدود میں فتنہ وفساد برپا کرنا جہاں ایک حیرتناک واقعہ تھا، اس کے ساتھ ہی بہت روح فرسا اور دلدوز بھی۔

حرم مکہ میں خمینی نوازوں کا فساد

۱۱؍ذی الحجہ مطابق ۳۱؍جولائی ۱۹۸۷ء جمعہ کے دن مکہ مکرمہ میں حرم پاک کو پامال کرنے کی جو ناپاک کوشش کی گئی، وہ ایسا اہم سانحہ ہے جس نے کرۂ ارض پر بسنے والے ایک ارب سے زیادہ مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑادی، یہ سانحہ اس وقت ہوا جب حرم شریف کے چاروں طرف حسب معمول ایمان افروز اور روحانی فضا تھی، حجاج کرام اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف تھے، خانہ کعبہ کا طواف جاری تھا، بارگاہِ رب العزّت میں ہر حاجی اپنے اعمال پر نظر کر کے خداوند قدوس سے دلی مغفرت میں مشغول تھا، کہ یکا یک فضا ایک دم بدل گئی، عصر کا وقت تھا، ایران سے آئے ہوئے حاجی عصر کے بعد اس جگہ جمع ہونے لگے جہاں سواریاں کھڑی کی جاتی ہیں، اس سال ایران سے ڈیڑھ لاکھ افراد حج کے نام پر آئے تھے، جب ٹیکسی اسٹینڈ پر ایرانیوں کی بڑی تعداد جمع ہوگئی تو انھوں نے نعرے لگانے شروع کیے، وہ اپنے ساتھ آیت اللہ خمینی کی بڑی بڑی تصویریں لے کر آئے تھے، ان تصویروں کو ہر نمایاں جگہ پر لگانے لگے، وہ اپنے ساتھ سیڑھیاں بھی لے کر آئے تھے، تاکہ بجلی کے پولوں پر تصویروں کو آویزاں کیا جاسکے، تصویروں کے لگانے کے بعد وہ ڈنڈے اور لاٹھیاں گھمانے لگے اور ہاتھوں میں بڑے بڑے چاقو اور چھرے لے لیے، پھر وہ خنجر بدست حرم پاک میں داخل ہونے لگے، سعودی شہری اور دوسرے ممالک کے حجاج نے ایرانیوں کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن ایرانیوں نے کوئی اثر نہیں لیا، اب انھوں نے سڑک پر رکاوٹیں

کھڑی کر کے ٹریفک جام کر دیا، سعودی شہریوں اور بیرونی حجاج نے جلوس کے لیڈروں سے اس ہنگامہ کو ختم کرنے کی درخواست کی اور کہا کہ کاروں میں بیٹھی ہوئی عورتوں اور بچوں کو نکلنے کا موقع دیں، ایرانیوں نے ہر ایک کی درخواستیں ٹھکرادیں، اب جلوس آگے بڑھنے پر اصرار کرنے لگا اور نعرہ بازی کرتے ہوئے مسجد حرام کی طرف بڑھا، مقامی شہریوں نے جلوس کی راہ میں مداخلت کی تو ایرانیوں نے ان کو دھکے دینے شروع کر دیئے، سعودی عرب کی سیکورٹی پولیس جو وہاں موجود تھی اس نے ایرانیوں اور شہریوں اور حجاج سے اُلجھتے ہوئے دیکھا تو اس نے مداخلت کی، یہ دیکھ کر ایرانیوں نے سیکورٹی والوں پر حملہ شروع کر دیا، جب ایرانی کسی طرح راہ راست پر نہیں آئے تو سیکورٹی کے جوانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مظاہرہ کو جلد ختم کرائیں اور امن وامان قائم کریں، سیکورٹی والے تیار ہو کر جونہی آگے بڑھے تو ایرانیوں نے بھاگنا شروع کیا، اس بھگدڑ کے نتیجہ میں بہت سی عورتیں اور بچے کچل کر ہلاک ہوگئے، ایرانیوں نے موٹر کاروں اور اسکوٹروں میں آگ لگا دی سیکورٹی والوں اور عام شہریوں کی کاروں کو توڑ پھوڑ کر بیکار کر دیا۔

ایرانیوں کی انتہائی اشتعال انگیز حرکتوں کے باوجود سیکورٹی والوں نے صبر وتحمل سے کام لیا اور مظاہرین کے جارحانہ اقدام کو روکنے میں کامیابی حاصل کی مگر اس ہنگامہ میں چار سو دو آدمی ہلاک ہوگئے، مرنے والوں میں ۲۷۵ ایرانی ۸۵ سعودی پولیس کے اہل کار اور ۴۲ دوسرے ملکوں کے حجاج کرام تھے، زخمیوں کی تعداد ۶۴۹ بتائی گئی، سعودی پولیس والوں کو ایرانیوں نے چاقوؤں اور لاٹھیوں سے مار کر ہلاک کیا۔

ہنگامہ کا اصل راز کیا تھا؟

اگر یہ کوئی اتفاقی حادثہ ہوتا تو اس کی کوئی بڑی اہمیت نہ ہوتی، در اصل اس ہنگامہ کی پشت پر ایک بڑی سازش اور ایرانیوں کی بدنیتی کارفرما تھی، خمینی نے ایران میں انقلاب برپا کر کے اس کو اسلامی انقلاب کا نام دے کر ساری دنیا میں پروپیگنڈہ شروع کر دیا، اس نے یہ تاثر دینا چاہا کہ دنیا میں از سر نو اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اب ہو رہی

ہے اور ایران اسلام کی سربلندی کے لیے جدو جہد کر رہا ہے، اسی لیے اس نے سلمان رشدی کے قتل کرنے پر کروڑوں روپے انعام کا اعلان کر کے خوب شہرت حاصل کی، اس پروپیگنڈہ کا اثر یہ ہوا کہ خود ہندوستان کے کچھ سادہ دل، سادہ لوح افراد جن کو دانشور ہونے کا خبط سوار تھا انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں میں اس کا ذکر خیر اور خمینی کی مدح سرائی کرنے لگے تھے، حالانکہ یہ سب فریب تھا، اس پرُفریب پروپیگنڈے کی حقیقت لوگوں نے نہیں سمجھی کہ وہ رافضیت کے فروغ کے لیے ایک عظیم منصوبہ رکھتا ہے، اس کے لیے حرمین شریفین پر قبضہ کرنا اس کے منصوبے کا اہم ترین جز تھا، موجودہ واقعہ اسی منصوبہ کا عملی ظہور تھا، اس سال ڈیڑھ لاکھ حاجیوں کی تعداد پلاننگ کے ساتھ تھی اور منصوبہ بند تھی، ایرانیوں کے اس سے دو مقصد تھے، ایک تو یہ کہ خانہ کعبہ پر قبضہ ہو جائے گا اور ایام حج ہونے کی وجہ سے سارے عالم اسلام کو معلوم ہو جائے گا کہ ایران خانہ کعبہ کا متولیّ ہو گیا ہے، اس طرح اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا پروپیگنڈہ عالمی پیمانے پر ہو جائے گا۔

یہاں ڈیڑھ لاکھ ایرانی حج کے لیے آئے تھے؟

خلافِ معمول اس سال ڈیڑھ لاکھ ایرانی حج کے موقع پر آئے تھے، کیا یہ صرف حج کی عبادت کے لیے آئے تھے، یا حج کے بجائے یہ ایران کا ہراول دستہ تھا جو حرمین شریفین کو فتح کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا؟ اس کا مقصد حج نہیں کچھ اور تھا، ایران کے شہر تہران سے شائع ہونے والے اخبار ’’کیہان‘‘ ۱۲؍جولائی ۱۹۸۷ء کے شمارے میں شائع شدہ حجۃ الاسلام کردی کے انٹرویو سے پتہ چلتا ہے، کہ ڈیڑھ لاکھ افراد پر مشتمل نام نہاد حاجیوں کا یہ ایرانی قافلہ اپنے امام خمینی کے اشارے پر ایک منظّم منصوبہ کے تحت آیا تھا، اس قافلہ میں بیس ہزار سے زائد تربیت یافتہ فوجی تھے جن کی قیادت ایک کمانڈر انچیف کر رہا تھا، عربی اخبارات نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ان ایرانیوں کے ناپاک عزائم میں مکہ معظّمہ کی کئی عبادت گاہوں کو نذرِ آتش کرنا اور بعض اہم تاریخی مقامات پر قبضہ کرنا بھی تھا، اس ناپاک منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بہت سے

ذمہ دار بھی اس قافلہ میں تھے، اس میں ایک سابق فوجی کمانڈر انچیف جنرل سید شیرازل جو ایران کی سپریم ڈیفنس کونسل کا رکن تھا، دوسرے اہم لوگوں میں ملا مہدی کردی سپہ سالار قافلہ حج اور ایران کی پارلیمنٹ کے اسپیکر ہاشمی رفسنجانی کا نمائندہ اس کے ساتھ ہی ایران کے صدر علی خامنائی کا ایک نمائندہ ملا سلمان، ملا محمد جواد، مجتبیٰ کرمانشاہی اور پارلیمنٹ کے ممبر حمید زادہ شامل تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ ہوا ہے۔

منصوبہ کا آغاز

اس سازش کی بنیاد اس وقت پڑی جب ہندوپاک کے خمینی نوازوں اور کچھ سادہ لوح دانشوروں کو لے کر حج کانفرنس اور حج سمینار کرایا جارہا تھا، انھیں کانفرنسوں اور سمیناروں میں ذہن سازی کرنے کے لیے دھیمے لفظوں میں یہ بھی کہا جارہا تھا کہ حرمین شریفین عالم اسلام کا مرکز ہیں، ساری دنیا کے مسلمانوں کو اس کی حفاظت و خدمت میں شریک ہونا چاہیے، اسلامی وحدت کو نشو ونما دینے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ساری دنیا کی اسلامی حکومتیں حرمین شریفین کی حفاظت کی ذمہ دار، یعنی ان کو سعودی حکومت کے قبضہ سے نکال کر ساری مسلم حکومتوں کے ایک نمائندہ بورڈ کو اس کا انتظام سپرد کیا جائے، ناعاقبت اندیش لوگ خمینی انقلاب کو اسی لیے رحمت سمجھنے لگے تھے کہ وہ عالم اسلام کو سر بلند رکھنے کا جذبہ رکھتے ہیں، لیکن جو لوگ ایرانی انقلاب اور خمینی نظریات سے پوری طرح واقف تھے، انھوں نے کبھی ان باتوں پر دھیان نہیں دیا، اسی لیے کسی جانب سے اس کی تائید نہیں کی گئی، جب خمینی نے دیکھا کہ عالم اسلام کی تائید حاصل کرنی مشکل ہے، تو اس نے تنہا اس مہم کو سر کرنے کا ارادہ کرلیا اور اس کے لیے منصوبہ بندی خفیہ طور پر شروع کردی تاکہ حرمین شریفین پر ایران کا قبضہ ہوجائے، اللہ کو حفاظت منظور تھی، سعودی حکومت کی چابک دستی نے اس فتنہ کا گلا گھونٹ دیا کیونکہ اس نے سمجھ لیا کہ ایرانیوں کے ارادے نیک نہیں ہیں، سعودی حکومت کو ایران کی بدنیتی کا ثبوت بھی جلد ہی مل گیا، ایرانیوں کی یہ حرکتیں پچھلے دو تین

سالوں سے جاری تھیں، ابتداء میں وہ سیاسی لٹریچر اور تصویریں لاتے اور تقسیم کرتے رہے پھر یہ بات آگے بڑھی، آتش گیر ہتھیاروں اور دھماکہ خیز اشیاء تک حج کے بہانے لانے لگے،سعودی حکومت نے سخت گیری تو نہیں کی لیکن چوکسی بڑھا دی، اس سانحہ سے ایک سال پہلے ایک ایرانی جہاز میں کم از کم نوے بیگ آتش گیر اور دھماکہ خیز مادہ پکڑا گیا اور ضبط کیا گیا تھا،لیکن ایران اپنے مذموم مقصد میں لگا رہا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس سال اس نے حج کے تقدس کو بھی خاک میں ملا دیا۔

صدر جمعیۃ علماء ہند کا بیان

صدر محترم حج کے ارادہ سے حجاز گئے ہوئے تھے اور اس واقعہ کے وقت مکہ مکرمہ میں موجود تھے، آپ نے وہیں سے بذریعہ فون ایک بیان روانہ کیا اور اس حادثہ پر انتہائی افسوس کا اظہار کرتے رہے، فتنہ وفساد کی ساری ذمہ داری ایران پر ڈالی، آپ نے اپنے بیان میں کہا کہ!

> ”ایران کی موجودہ حکومت کے عزائم پر سے رفتہ رفتہ پردہ اُٹھتا جارہا ہے، اور نام نہاد اسلامی انقلاب کا اصل چہرہ سامنے آگیا ہے،مولانا موصوف نے عینی شاہدین کے حوالہ سے بتایا کہ سعودی حکام نے انتہائی صبر وضبط سے کام لیا لیکن جب کوئی چارۂ کار نہیں رہا تو مجبوراً ایرانی حجاج کی اس بھیڑ کو جو درحقیقت حجاج نہیں بلکہ عسکری تربیت یافتہ سپاہی تھے، منتشر کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑا، مولانا موصوف نے جمعیۃ علماء ہند کے ارکان اور مسلمانان ہند سے اپیل کی ہے کہ وہ اس واقعہ پر رائے عامہ کو حقائق سے آگاہ کریں، اور ایرانی جس مفسدہ پردازی اور تلبیس کاری سے کام لے رہا ہے اس کا پردہ چاک کریں۔“

یوم حرم منایا جائے

جمعیۃ علماء ہند نے اُسے ارتقائی حادثہ کہہ کر نظر انداز نہیں کیا، بلکہ اس کو اس لفظ

نگاہ سے دیکھا کہ عالم اسلام کے مرکز کو مستقبل میں بھی اس طرح کے خطرات لاحق ہو سکتے ہیں، اس لیے دفتر سے ایک گشتی مراسلہ جاری کر کے جمعیۃ علماء کی تمام ذیلی تنظیموں اور شاخوں کو ہدایت دی، اور اخباروں کے ذریعہ تمام مسلمانوں سے اپیل کی کہ ۲۱ راگست ۱۹۸۷ء کو ''یوم حرم'' منایا جائے، اور نماز جمعہ کے بعد حرمین شریفین کی حفاظت کے لیے دُعا کی جائے، اور اجتماع کر کے عام مسلمانوں کو ایرانی حکومت کے ناپاک عزائم سے باخبر کیا جائے، اور اس فساد انگیزی اور فریب کاری کی بھرپور مذمت کی جائے، اور جلسہ عام میں ایرانی شر انگیزی کے خلاف تجویز پاس کر کے ایرانی سفارت خانہ دہلی کو روانہ کی جائے، اور اس کی ایک کاپی سعودی ایمبسی کو دہلی کے پتے پر روانہ کیا جائے۔

تحفظ حرم کانفرنس

صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے حج سے واپس آتے ہی فیصلہ کیا کہ جلد سے جلد اس عظیم سانحہ کے خلاف ''تحفظ حرم کانفرنس بلائی جائے، اور حرم مقدس میں ہونے والے ہنگامہ کے بارے میں عام مسلمانوں کو تفصیلی حالات سے واقف کرایا جائے، اور ایمانی جذبات کو جو ٹھیس پہنچی ہے اس کا اظہار کیا جائے، اور وہ لوگ جو اس طرح کے ناپاک ارادے لے کر اور دلوں میں ایمان کی روشنی کے بجائے اسلام دشمنی کی ظلمت چھپا کر حرمین شریفین جاتے ہیں اور اسلام دشمن طاقتوں کے آلۂ کار بنتے ہیں اور اس پاک سرزمین میں فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں ان کی بھرپور مذمت کی جائے، اسی جذبے سے صدر محترم نے تحفظ حرم کانفرنس'' کا اعلان فرمایا۔

یہ کانفرنس ۲۸ رنومبر ۱۹۸۷ء کو نئی دہلی کے سپر و ہاؤس میں ہوئی، پورے ملک میں دعوت نامے جاری کیے گئے، ہر ریاست کے مندوبین اور نمائندے اس کانفرنس میں اتنی بڑی تعداد میں آئے کہ سپر و ہاؤس میں تل دھرنے کی جگہ نہیں بچی، اس کانفرنس کا افتتاح امام حرم شریف شیخ عبداللہ السبیل نے فرمایا، امام حرم نے اپنی افتتاحی تقریر میں حکومت سعودی عرب کی طرف سے کانفرنس کے منتظمین اور بالخصوص

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کو پیغام تہنیت پہنچایا اور کہا کہ دُشمنان اسلام نے ہمیشہ اسلام کے خلاف سازشیں کی ہیں، مگر وہ بفضل خدا کبھی اپنی سازش میں کامیاب نہیں ہوئے، کیونکہ اسلام کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، حج اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے، جس کی ادائیگی مخصوص مقامات پر جا کر ہی کی جاسکتی ہے، اس لیے ان مخصوص مقامات پر امن و امان رکھنا بہت ضروری ہے، ہم حجاج کرام کی سہولت کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، جو حضرات فریضہ حج ادا کرنے کے لیے گئے ہوں گے انھوں نے مشاہدہ کیا ہوگا، ہم ان خدمات کا ذکر احسان جتانے کے لیے نہیں کرتے بلکہ نعمت خداوندی کے ذکر کے طور پر کررہے ہیں، جس کے فضل و کرم کے بغیر اتنے بڑے کام نہیں ہو سکتے۔

آپ نے سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ امسال مناسک حج کی ادائیگی کے دوران کچھ شیطانوں نے حرم شریف میں ہنگامہ برپا کیا اور خونریزی کی، اس سے مسلمانانِ عالم کو ہراساں نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنا حوصلہ بلند رکھنا چاہیے تاکہ معاندین اسلام کی سازشوں کو اللہ کے بھروسے سے ناکام بنایا جاسکے، پھر یہ کہ اس طرح کے واقعات کوئی نئی بات نہیں، اس سے پہلے کعبہ شریف کو منہدم کرنے کی سازش کی گئی ہے، اور ایسی کوشش کرنے والوں کے خوف ناک انجام سے آپ ناواقف نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کعبہ کا محافظ ہے، اور ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ اس مقدس گھر کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا، امسال خمینی نوازوں نے حرم شریف میں جو کچھ کیا ہے اس کی بہت سے شیعوں نے بھی مذمت کی ہے۔

خطبہ صدارت

کانفرنس کی صدارت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی، امام حرم کی افتتاحی تقریر کے بعد صدر محترم نے اپنا خطبہ صدارت پیش کیا آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ!

"ایران کے نام نہاد اسلامی انقلاب نے اس وقت جو شکل اختیار کی ہے

وہ عالم اسلام کے لیے ایک سنگین خطرہ ہے، اسلام کا نام لے کر، اسلام کے نعرے کی آڑ میں ملّتِ اسلامی کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اور مسلمانوں کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے کی سازشیں کی جارہی ہیں۔''

پھر آپ نے اس کے بعد خمینی کے انقلاب کی پوری تاریخ کو پیش کرتے ہوئے فرمایا!

''عصر حاضر میں اسلام کو بحیثیت مذہب کے جتنا شدید نقصان ایران کے موجودہ انقلاب سے پہنچا ہے، اتنا کسی بھی دوسری دشمن طاقت سے نہیں پہنچا، دنیا کے سامنے ایران کے انقلاب کو اسلامی انقلاب بنا کر پیش کیا گیا، اس طرح ہر چیز کو اسلام کے ساتھ منسوب کر کے مذہب اسلام کی تصویر جس طرح مسخ کی گئی ہے، وہ انتہائی قابلِ اذیت ہے، گویا کہ دشمن یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام حکمرانی کے قابل نہیں العیاذ باللہ، اور دشمنانِ اسلام کا یہی مقصد بھی ہے، وسائل نشر واشاعت پہ جس طرح ان کا کنٹرول ہے وہ دنیا کے سامنے یہی تصور پیش کر رہے ہیں۔''

آپ نے فرمایا کہ!

''اس سال حج کے موقع پر حرم مکہ میں جو حادثہ پیش آیا ہے، وہ تہران میں تیار کی گئی سازش کا نتیجہ ہے، اب یہ بات قطعی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ ایران نے مکمل تیاری کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں تربیت یافتہ سپاہی اور فوجی حرم پاک میں قتل وغارت گری مچانے کے لیے بھیجے گئے تھے، دنیا کے بہت سے اخباروں میں یہ خبریں شائع ہوئی ہیں کہ خمینی کے بیٹے احمد نے سوئزرلینڈ میں اسرائیل کے بعض ذمہ داروں سے ملاقات کی تھی، اور اسی ملاقات میں یہ منصوبہ تیار کیا گیا تھا، ایران کی موجودہ روش اور سیاست کے پیشِ نظر یہ بات بعید از قیاس نہیں اور خارج از امکان نہیں قرار دی جاسکتی، کیونکہ مصدقہ اطلاعات اور ذمہ دارانہ شہادتوں کے بموجب ایرانی افواج کے پاس بڑی تعداد میں اسرائیلی اسلحہ ہیں، اور یہ ممکن نہیں کہ اسرائیل یہ

ہتھیار بلا قیمت اور بلا شرط ایران کو مہیا کرے۔‘‘

عراقی سفیر کی تقریر

مولانا سید اسعد مدنی صدر اجلاس کے خطبہ صدارت کے بعد سفیر عراق متعینہ ہند جناب عبدالودود شیخ علی نے اپنی عالمانہ تقریر سے کانفرنس کو بہت متاثر کیا، سفیر عراق نے اپنے ملک کے علماء کی طرف سے ایک پیغام پڑھ کر سنایا، جس میں کہا گیا کہ قادیانیوں اور بہائیوں کی طرح خمینی کو بھی اسلام سے خارج قرار دیا جانا چاہیے، کیونکہ خمینی ازم کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، شیخ عبدالودود صاحب نے بتایا کہ اس کانفرنس میں ان کے ملک کے وزیر اوقاف بھی شریک ہونے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے، مگر ناگزیر اسباب کی بنا پر وہ نہ آ سکے، سفیر عراق نے عراق کے صدر صدام حسین اور وزیر اوقاف کے بیانات پڑھ کر سنائے، اس کے بعد انھوں نے اپنی تقریر شروع کی، اپنی تقریر کے دوران انھوں نے بتایا! کہ عراق کے شیعہ بھی خمینی کی مکّاری، عیاری اور تلبیس سے نالاں اور متنفر ہیں، جو منہ دیکھی باتیں کرتے ہیں، سُنیوں کا جب کوئی وفد اُن کے پاس جاتا ہے، تو وہ سُنیوں کے حق میں باتیں کرتے ہیں، اور شیعوں سے کچھ اور کہتے، اسرائیل سے ان کی گاڑھی چھنتی ہے، جس کے اشتراک وتعاون سے وہ سارے عالم اسلام کو تہہ وبالا کر دینا چاہتے ہیں، عراقی سفیر نے سانحہ مکہ مکرمہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا، یہ سانحہ خمینی کی بد دینی اور اسلام دشمنی کا مظہر ہے، انھوں نے کہا کہ اسلام کا رشتہ وطنیت اور خون کے رشتہ سے بھی زیادہ مضبوط ہے، جنگ بدر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر میں تھے، ان کے صاحبزادے مشرکین کے ساتھ تھے، بعد میں جب صاحبزادے نے اسلام قبول کر لیا اور مدینہ آ گئے تو والد محترم سے انھوں نے یہ انکشاف کیا کہ جنگ بدر میں ایک مرحلہ ایسا آیا تھا کہ میں آپ کو قتل کر سکتا تھا لیکن یہ سوچ کر کہ میرے والد ہیں چھوڑ دیا، اس کے جواب میں ابوبکر صدیق نے کہا بیٹے، اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مجھ کو موقع مل گیا ہوتا تو میں تمھیں ہرگز نہیں چھوڑتا اور فوراً تمھاری گردن اُڑا دیتا۔

جناب عبدالودود شیخ علی نے کہا کہ خمینی کو اسلامی رشتہ کا کوئی پاس نہیں ہے، اقوامِ متحدہ، ناوابستہ ممالک دیگر عالمی تنظیمیں اور دنیا بھر کے علماء کرام ان سے جنگ بندی اور مصالحت کی اپیلیں کر چکے ہیں، مگر وہ کسی کی بات کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے، کیا اسی کا نام اسلام ہے، جس کے علمبر دار خمینی بنتے ہیں۔

مولانا ارشد مدنی کی تقریر

سفیرعراق کی تقریر کے بعد استاد دارالعلوم دیو بند مولانا سیّد ارشد مدنی نے تقریر فرمائی، آپ نے اپنی تقریر میں کہا! کہ عالم اسلام کو صیہونیت سے زیادہ خطرہ خمینیت سے ہے، خمینی اور خمینی نواز عناصر نصیری فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، جو یہود ونصاریٰ سے بڑھ کر اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، اور تلبیس سے کام لے کر مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں، خمینی کی تلبیسِ سیاست کو بروے کار لانے کے لیے دنیا کے مختلف ملکوں میں حج سمینار منعقد کرائے جاتے ہیں، جن میں یہ مطالبہ کہا جاتا ہے کہ حرمین شریفین کا نظم ونسق کسی بین الاقوامی ادارہ کے حوالے کر دیا جائے، یہ مطالبہ انتہائی پُرفریب ہے، جس کا واحد مقصد یہ ہے کہ حرمین شریفین کی مرکزیت اور اجتماعیت کو ختم کر دیا جائے، اپنے اسی سیاسی مطالبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے امسال مناسک حج کے دوران مکہ مکرمہ میں خوں ریزی کرائی گئی۔

تجویز

مولانا ارشد مدنی نے اپنی مختصر تقریر کے بعد کانفرنس میں ایک تجویز پڑھ کر سنائی، جس کی تائید حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند نے فرمائی، تجویز کے الفاظ ہیں:

"مکہ مکرمہ اسلام کا مرکز ہے جس کو تمام دُنیا مقدس اور قابلِ احترام مانتی ہے، بیت اللہ شریف پوری دنیا کے مسلمانوں کا قبلہ اور ان کی مرکزیت اور وحدت کا نشان ہے، حرم مقدس کی بے حرمتی ہر مسلمان اور ہر معقولیت

پسند انسان کے لیے باعثِ اذیت اور نا قابلِ برداشت ہے، حج اسلام کے ارکان میں ایک اہم اور مقدس رکن ہے، ایام حج میں فسق و تجور اور جنگ وجدال کی بطور خاص مذمت کی گئی ہے، کئی سال سے خمینی حکومت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں مظاہرے اور ہنگامے کرتی رہی ہے، پچھلے سال ایرانی عازمین حج کے پاس سے بڑی مقدار میں آتش گیرمادہ پکڑا گیا، مگر سعودی حکومت نے محض ایرانیوں کی رُسوائی اور بدنامی روکنے کی خاطر اس پر کوئی سنگین ایکشن نہیں لیا، مگر خمینی نواز ایرانی تو معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیل سے تعلق کی بنا پر صیہونیت کے ناپاک منصوبوں کو پورا کرنا چاہتے تھے، اس لیے انھوں نے اس سال جو ہنگامے، قتل و غارت گری اور آتش زنی کی وہ حد درجہ باعث نفرت اور قابل مذمت ہے، انھوں نے اس کا بھی لحاظ نہیں کیا کہ وہ فریضہ حج ادا کرنے کے نام پر آئے ہیں، ایران کا موجودہ نظام حکومت چاہتا ہے کہ حج کو ہنگامہ آرائی اور سیاسی اغراض کے لیے استعمال کرے اس مقصد کے لیے وہ ایک طرف دنیا کی رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے سفارت خانوں کے ذریعہ حج سمینار اور حج کانفرنسیں منعقد کراتا ہے، اور دوسری طرف اپنے تربیت یافتہ فوجیوں کو بھیج کر حرم کعبہ میں فوٹو، جھنڈے، ڈنڈے استعمال کرنے اور اپنے مظاہروں کو بدترین ہنگامہ آرائی اور قتل و غارت گری کی شکل دیتا ہے، اور خاص نشانہ حرمین شریفین کو بنایا جاتا ہے، موجودہ اسلام دُشمن وطن دشمن خمینی حکومت صیہونیت کے اس منصوبے کو پورا کرنا چاہتی ہے، جس کے ذریعہ حرم محترم کی مرکزیت ختم ہو اور اس کے لیے ایران حرمین شریفین پر اپنا تسلط چاہتا ہے جس کا خمینی اعلان بھی کر چکے ہیں، مظاہرہ کے ذریعہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایرانی بلوائی مسلح تھے، اور بیت الحرام کی طرف بڑھ رہے تھے، تاکہ کعبہ شریف پر اپنا تسلط جما سکیں اور وہ سمجھ رہے تھے کہ نعروں اور غنڈہ گردی کے ذریعہ صیہونیت اور صیہونیت دوست خمینی

کی تمناؤں کو پورا کرسکیں گے، اس لیے انھوں نے ہنگامہ کو تشدّد کا رنگ دے دیا، شدید پتھراؤ کیا، گاڑیوں کو آگ لگادی، جس کے نتیجہ میں بھگدڑ مچ گئی جس میں چار سو دو افراد ہلاک ہوئے، ان میں ۲۷۵/ ایرانی تھے اور ۸۵ سعودی عرب کے پولیس مین اور ۴۲/ افراد دوسرے ملکوں کے عازمین حج تھے، زخمیوں کی تعداد ۲۰۷ سے زیادہ تھی، خمینیوں کے اس ہنگامہ اور حرم محترم کے تقدس کی پامالی کو یہ کانفرنس تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک چیلنج تصوّر کرتی ہے، اور اعلان کرتی ہے کہ ہندوستانی مسلمان بڑی سے بڑی قربانی دے کر حرم مقدس کے تحفظ کو اپنے لیے سعادت اور باعث نجات سمجھیں گے، یہ ایک حقیقت ہے کہ ایران کی موجودہ حکومت کا سامراجی اسرائیل کے ساتھ پوری طرح تعاون اور سمجھوتہ ہے۔ اسرائیل ایران کو امریکی اسلحہ سپلائی کرتا ہے اور خمینی نواز دہشت پسند جماعت اہل بیروت اور لبنان میں فلسطینیوں کا محاصرہ کرکے پانی بجلی بند کرکے ان کو مہینوں مردہ جانوروں، کتّوں اور بلّیوں کا گوشت کھانے پر مجبور کردیا تھا، خمینی نے ایران کے پچاس ہزار یہودیوں کو ایران سے جاکر فلسطین میں بسنے کی اجازت دے کر اسرائیل کی بے پناہ مدد کی ہے، یہ عظیم الشان کانفرنس حرمین شریفین کی خدمت، بے مثال ترقی، حاجیوں کے لیے مثالی امن و امان اور انتظامات کے لیے سعودی حکومت کو مبارکباد دیتی ہے، جس نے حرمین کی توسیع کے علاوہ منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں جو ترقیاتی پروگرام اور حاجیوں کی سہولت کے لیے کام کئے ہیں ان کا تصور بھی یہاں بیٹھ کر ممکن نہیں، حرمین کے لیے بین الاقوامی کنٹرول مسلم ملکوں کا مشترکہ اقتدار کتنا ہی خوبصورت عنوان ہو مگر اس کے ذریعہ حرم محترم اختلافات اور ہنگاموں کا اکھاڑہ بن جائے گا۔

کانفرنس حرم مقدس کے تحفظ اور ایرانی ہنگامہ کا کامیاب دفاع کرنے کے لیے سعودی حکومت اور محافظین حرم کو مبارکباد دیتی ہے، اور

خادم الحرمین شاہ فہد بن عبدالعزیز کو یقین دلاتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اور ہر انصاف پسند اُن کے ساتھ ہیں، اور حرم شریف کے تحفظ اور احترام کے لیے ان کی کارروائیوں کی پُرزور حمایت کرتے ہیں، فریضہ حج کی بہ اطمینان ادائیگی اور دنیا کے گوشہ گوشہ سے آنے والے حجاج کرام کے جان و مال کے تحفظ کے پیش نظر سعودی عرب سے درخواست کرتی ہے، کہ ایرانی یا جو بھی حرم مقدس کے تقدس کو پامال کرے اس کا داخلہ حجاز مقدس میں ممنوع قرار دیا جائے، ورنہ کم از کم ایرانی حکومت سے یہ ضمانت حاصل کی جائے کہ حرمین شریفین میں کوئی لاقانونیت، ہنگامہ اور مظاہرہ نہیں ہوگا، ایران حکومت جنگ کے دائرہ کو بڑھانے کی کوشش کر رہی ہے، اور اس کی کوشش ہے کہ پڑوسی عرب ممالک خاص طور پر کویت اور سعودی عرب بھی اس جنگ میں پھنس جائیں جس کا ثبوت حال ہی میں کویت پر راکٹوں کے حملہ سے مل رہا ہے، کانفرنس اس حملہ کی شدید مذمت کرتی ہے، نیز یہ کانفرنس تمام حکومتوں سے بطور خاص اسلامی حکومتوں سے مطالبہ کرتی ہے، کہ ایران کی موجودہ حکومت سے ہر طرح کے تعلقات منقطع کرلیں، کیونکہ یہ حکومت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو پامال کرتی جارہی ہے، اور بے قصور بندگانِ خدا کا خون بے دریغ بہا رہی ہے، اور سلامتی کونسل کی تجویز ۵۹۸ کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہے، یہ کانفرنس مسلمانانِ عالم، ہندوستانی مسلمانوں اور انصاف پسند عوام کو بھی مبارکباد دیتی ہے، کہ انھوں نے بھی خمینی کے ہنگاموں کی ہر گوشہ سے مذمت کی اور موثر احتجاج کیا۔

کانفرنس ختم ہوگئی

تحفظ حرم کانفرنس اگرچہ یک روزہ تھی لیکن اپنی ہمہ گیری، مسلمانانِ عالم کے

جذبات کی ترجمانی اور حقائق کی تفصیلات اور اپنی موثر کارروائیوں کی وجہ سے بڑی بڑی کانفرنسوں پر بھاری ثابت ہوئی، کانفرنس میں شریک علماء کرام، مفتیان عظام اور دانشوروں کی دلی جذبات کا عکس ان کے چہروں سے نمایاں تھا، امامِ حرم کی شرکت اور عراقی سفیر کی ایمان افروز تقریر اور صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کے پُر جوش خطبہ صدارت نے اس کی کامیابی پر مہر تصدیق ثبت کردی۔

کانفرنس کے بعد

اس کانفرنس کے ایک بڑی کامیابی یہ تھی کہ ملک بھر میں حفاظت حرم اور خمینی اِزم کی مذمت ومخالفت ایک تحریک بن گئی اور ملک کے گوشہ گوشہ میں بڑی بڑی کانفرنسیں اور اجتماعات ہونے لگے ۱۱؍دسمبر ۱۹۸۷ء کو ممبئی میں ۱۶؍دسمبر ۱۹۸۷ء کو دارالمبلّغین کے زیر اہتمام لکھنؤ میں ۲؍فروری ۱۹۸۸ء کو جونپور میں، ۲۵؍فروری ۱۹۸۸ء کو بستی میں نہایت عظیم الشان کانفرنسیں ہوئیں، بستی کانفرنس میں شرکاء کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ تک کیا گیا، صدر جمعیۃ علماء ہند مولانا سید اسعد مدنی نے ان کانفرنسوں کو خطاب فرمایا اور اکثر اجتماعات اور کانفرنس میں شریک ہوئے، اس کے علاوہ ریاست گجرات کے بھاؤنگر، دیوہ، مانگرول، موسال، ترکیسر، ڈابھیل، سورت، بھج، بھڑوچ، احمدآباد، ریاست مہاراشٹر کے پونہ، مہابلیشور، کراڈ، شولاپور، میرج، لاتور، ستارا، اترپردیش کے دیوبند، سرائے میر، مرادآباد، ریاست بہار کے سیوان، پورنیہ، گیا، رانچی، مغربی بنگال اور آسام کے متعدد مقامات اور ملک کی دیگر ریاستوں میں صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے عوامی اجتماعات میں حرمین شریفین میں قیامِ امن کی ضرورت اور خمینی کی اسلام دشمنی اور ناپاک ارادوں سے عوام کو روشناس کرایا۔

راجستھان کے پسماندہ مسلمانوں کا مسئلہ

آسام کی طرح راجستھان میں بھی فرقہ پرستوں نے یہ مسئلہ کھڑا کیا کہ ملک کے باہر سے کچھ لوگ یہاں آکر آباد ہوگئے ہیں، راجستھان کے دو اضلاع باڑمیر اور

جیسلمیر اس فتنہ سے زیادہ متاثر ہوئے، وہاں کے جائز اور قانونی مسلمان شہریوں کو تنگ کیا جارہا تھا، ۱۹۸۷ء کے آخر میں یہ مسئلہ زیادہ شدت سے اُبھرا، صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے ان دونوں ضلعوں کا دورہ کیا اور حالات کا جائزہ لیا اور حقیقی صورتِ حال معلوم کی، اس کے بعد آپ نے اس بے بنیاد پروپیگنڈہ کو بند کرانے اور ان کے جائز اور قانونی شہری قرار دے کر مطمئن کرنے کے لیے راجستھان حکومت کے ذمہ داروں سے تبادلہ خیال کیا، اور اس مسئلہ کو مرکزی حکومت تک پہنچایا۔ آپ نے کوشش کی کہ اس فتنہ کا جلد سے جلد سدباب کیا جائے، اس کے لیے یہ ضروری محسوس ہوا کہ وہاں کے باشندوں کو شناختی کارڈ دے دیئے جائیں، راجستھان حکومت نے اس جائز مطالبہ کو ردّ وکد کے بعد تسلیم کرلیا اور جلد ہی ۷۵ فیصد کو ۱۹۸۷ء کے ختم ہونے سے پہلے ہی شناختی کارڈ دیئے جاچکے تھے، اس سال وہ علاقہ خشک سالی اور قحط سے دوچار تھا، جنوری ۱۹۸۸ء کے آخر میں جمعیۃ علماء ہند نے ایک وفد اس علاقے میں بھیجا تاکہ صورتِ حال کا جائزہ لے، یہ وفد تین افراد پر مشتمل تھا، وفد نے تین دنوں میں تمام علاقوں میں ریلیف کے کاموں کا جائزہ لیا، مقامی حکّام اور ضلع انتظامیہ کے ذمہ داروں سے مل کر ریلیف کے کاموں میں بہتری لانے کی کوشش کی جس کا نتیجہ اچھا نکلا، وفد نے مرکزی دفتر کو جو رپورٹ دی اس میں لکھا گیا کہ:

> ”خشک سالی اور فرقہ پرستوں کے غلط پروپیگنڈہ کی وجہ سے فضا کچھ اس طرح کی ہے، کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم بھی نہیں دلا سکتے، جب کہ یہ علاقہ تعلیمی اور اقتصادی دونوں ہی لحاظ سے بے حد پسماندہ ہے، غربت وافلاس وہاں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہے، ان پر معمولی سا بھی بوجھ نہیں ڈالا جاسکتا، وہ معمولی مکتب بھی نہیں چلا سکتے، اگر ان کی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کی گئی تو دین دنیا دونوں لحاظ سے تباہ ہوجائیں گے، اگر جمعیۃ علماء ہند اپنے ذرائع ورسائل سے وہاں دینی مکاتب کا اجرا کردے تو زیادہ بہتر ہوگا۔“

یہ مسئلہ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ میں آیا تو فیصلہ کیا گیا کہ ان علاقوں میں دینی تعلیم کا بندوبست جمعیۃ علماء ہند اپنے وسائل وذرائع سے کرے، وفد کی سفارش کو مدِّ

نظر رکھتے ہوئے، جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے راجستھان کے دونوں ضلعوں باڑمیر اور جیسلمیر میں آٹھ آٹھ یعنی سولہ مکاتب کے قیام کی منظوری دی گئی اور یہ دینی مکاتب ان علاقوں میں کھول دیئے گئے اور ہر جگہ بچے ان مکتبوں میں دین کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے لگے، ان کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند نے یہ ارادہ کرر کھا تھا کہ اگر ان مکاتب کی کارگذاری اطمینان بخش رہی تو انشاء اللہ مزید مکاتب آئندہ جاری کیے جائیں گے۔

فساد کا ایک موسم ہوتا ہے

ہمارے ملک میں جس طرح گرمی، جاڑا، برسات اپنے اپنے وقت پر آتے رہتے ہیں اسی طرح آزادی کے بعد سے فرقہ وارانہ فسادات کا بھی ایک موسم بن گیا ہے مگر یہ موسم کسی مہینہ کا پابند نہیں، یہ سال میں کسی بھی وقت آسکتا ہے، دیر سویر، لیکن آئے گا ضرور، یہ فسادات کیوں ہوتے ہیں اس کے اسباب کی ابھی تک کوئی فہرست نہیں بنائی جاسکی ہے لیکن بنیادی سبب ووٹ کی حکومت، اقتدار کی ہوس، دولت کا لالچ، تنگ دلی، تنگ خیالی اور عصبیت کا زہر ہے، نہ ان جذبات کو ختم کیا جاسکتا ہے، نہ فرقہ وارانہ فسادات کا تسلسل ٹوٹ سکتا ہے، فسادات میں جانی و مالی تباہی، عبادت گاہوں کی توڑ پھوڑ، اس لیے ہوتی ہے کہ حکومت ایماندار اور نیک نیت نہیں، دستور اور آئین اور قانون صرف ایک آڑ ہے جس کے پس پردہ لاقانونیت اور جنگل کا قانون جاری رہتا ہے، حکومت نہ چاہے اور فساد ہو جائے یہ ناممکن ہے، ضلع انتظامیہ اگر فیصلہ کرلے کہ اب کی بار فساد نہیں ہونے دیں گے تو ممکن ہی نہیں کہ ایک جان چلی جائے اور کوئی گھر جلایا جاسکے۔

جمعیۃ علماء ہند آزادی کے بعد آدھی صدی سے دیوانوں کی طرح ملک کے ہر خطہ اور علاقے میں دوڑتی پھرتی ہے، کہاں کا مسلمان درد سے کراہ رہا ہے، کہاں سے بیوؤں کی چیخ آرہی ہے، کہاں معصوم یتیم بچے بلک رہے ہیں، ان کے دُکھ درد کو سمجھے، ان کے زخموں پر مرہم لگائے، ان کو تسلّی و تشفی دے، ان کے آنسوؤں کو پونچھے تاکہ

مظلوموں کو کم از کم اتنی ڈھارس تو ہو کہ ہمارے درد کا احساس رکھنے والے اس سرزمین پر بستے ہیں، ہم ایک دم بے سہارا نہیں ہیں، وہ مسلمانوں کو مایوس نہیں ہونے دینا چاہتی، مظلومین کی خدمت کو وہ عبادت سمجھ کر کرتی ہے، اربابِ جمعیۃ کو عزت، شہرت اور اقتدار کی نہ خواہش ہے نہ اس کا کبھی خیال آتا ہے، وہ ان تمام چیزوں کو نفرت کے پاؤں سے روند چکے ہیں، ٹھکرا چکے ہیں، اپنی محنتوں کا صلہ صرف خدا سے چاہتے ہیں، اس لیے وہ فسادات کے موقع پر اس ذمہ داری کو پورے اخلاص سے ادا کرتے ہیں جو انھوں نے از خود اپنے اوپر لے رکھی ہے، جمعیۃ علماء ہند کے ہر سال کے کارروائی رجسٹر میں فسادات کی لمبی لمبی فہرستیں ہوتی ہیں، مولانا سید اسعد مدنی اور مرکزی جمعیۃ کے سارے عہدیدار سال کے بیشتر حصوں میں انھیں فساد زدہ علاقوں میں مظلوموں اور بیکسوں کے دیار میں گذارتے ہیں، ان کے دُکھ درد میں شریک نظر آتے ہیں جیسے سارے جہاں کا درد ان کے سینوں میں سمٹ آیا ہے۔

۱۹۸۸ء میں بھی فسادات کی ایک لمبی فہرست ہے، مہاراشٹر کے اورنگ آباد، پونہ، پیٹھن، فیض پور، مغربی بنگال کے کیتھن، کلٹی، سلیم پور، گجرات اور کرناٹک کے متعدد مقامات پر قتل و غارت گری، تباہی و بربادی کے جو واقعات ہوئے ہیں اور خاص طور پر مہاراشٹر میں شیو سینا نے اقلیتی فرقہ کی تباہی و بربادی میں جو کردار انجام دیا ہے وہ انتہائی تشویشناک ہے، اتر پردیش جو فسادات میں بڑا نام کما چکا ہے اس سال بھی اس کے جسم پر بہت گہرے گہرے زخم لگے ہیں، جو ناسور کی شکل اختیار کر چکے ہیں، الٰہ آباد، علی گڈھ، مظفر نگر، کھتولی ضلع مظفر نگر، فیض آباد، بہرائچ میں خون کی ہولی کھیلی گئی اور مسلمان صرف خون کے آنسو بہا کر رہ گیا کیونکہ ہر جگہ دہی قاتل وہی شاہد وہی منصف ہیں، مسلمان کس پر قتل کا دعویٰ کرے؟ کس اُمید پر کس سے فریاد کرے؟ اور کس سے حق و انصاف کی دُہائی دے؟ بلوائی غنڈوں نے حملہ کیا، آپ نہتے تھے، جان مال آفریں کو سونپ دی اور اگر غنڈوں کا مقابلہ کیا اور آپ کی جان بچ گئی تو کرفیو لگا کر پی، اے، سی، آپ کا گھر پھونک دے گی، آپ کو گولی مار دے گی ہر حال میں آپ کو جان دینی ہے، آدھی صدی سے مسلمانوں کا یہی مقدر بن چکا ہے۔

خدمت، عبادت ہے

جمعیۃ علماء ہند نے ان تمام فسادات میں امن امان کے قیام، مظلوموں کی امداد کی اپنی بساط بھر کوشش کی، صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے اپنے دور رفقاء سفر کے ساتھ پونہ کا دورہ کیا، جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے ذمہ داروں نے اورنگ آباد، فیض پور کے فساد زدہ علاقوں کا جائزہ لیا، مقامی حکام اور وزیر اعلیٰ سے مل کر مظلومین کی امداد و بحالی کے مسئلہ پر گفتگو کی، مئی ۱۹۸۸ء میں ضلع بردوان مغربی بنگال کے دو مقامات کیتھن اور کلٹی میں فسادات ہوئے تھے، کلٹی کے فساد میں پولیس کی یک طرفہ گولی سے اقلیتی فرقہ کے دو افراد شہید ہوگئے، ناظم عمومی نے ۲۰؍جون ۱۹۸۸ء کو کیتھن اور ۲۱؍جون کو کلٹی کا دورہ کیا اور جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے کلٹی کے دونوں شہداء کے ورثاء کو وقتی راحت کے لیے ڈھائی ڈھائی ہزار روپے کی امداد کی۔ ۲۴؍جون ۱۹۸۸ء کو مرشد آباد میں ایک بھیانک فساد ہوا اور اقلیتی فرقہ کی یک طرفہ خونریزی کی گئی۔ ۸؍جولائی ۱۹۸۸ء کو ناظم عمومی نے فساد زدہ علاقہ کا دورہ کیا، اس فساد کی بنا کٹرہ مسجد ہے، یہ مسجد ڈھائی سو برس پہلے نواب مرشد ملی خاں نے تعمیر کی تھی، انھیں کے نام سے ضلع کا نام مرشد آباد ہے، ایک زلزلہ میں مسجد کی چھت گر گئی تھی جس کو دوبارہ مرمت نہ ہوسکی اور نماز کا سلسلہ بند ہوگیا، انگریزی دور حکومت میں محکمہ آثارِ قدیمہ میں یہ مسجد لے گئی تب سے وہ اسی محکمہ کی نگرانی میں ہے اور وہاں باقاعدہ محافظ رہتا ہے، ۱۹۸۸ء کے اپریل میں کچھ لوگوں نے تحریک چلائی کہ ۲۴؍جون ۱۹۸۸ء کو کٹرہ مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جائے گی، اور اس کو خوب شہرت دی جس کی وجہ سے دُور دراز علاقوں سے بھی مسلمان چل کر آئے، کہا جاتا ہے کہ پچاسوں ہزار کا مجمع ہوگیا، آنے والے مرشد آباد کے پڑوسی ضلع ندیا، اور ۲۴ پرگنہ سے بہرام پور جمعہ کی نماز کے لیے آئے جہاں کٹرہ مسجد واقع ہے، جب باہر کے لوگ بہرام پور پہنچے تو دیکھا کہ وہاں دفعہ ۱۴۴ نافذ ہے، نعرہ دینے والوں اور نماز جمعہ کا اعلان کرنے والوں میں سے وہاں کوئی نہیں ہے، مجمع اِدھر اُدھر منتشر ہوگیا، اس دوران فرقہ پرستوں میں اشتعال پیدا کیا جا چکا تھا کہ ان کو نماز

جمعہ پڑھنے سے روکا جائے اور موقع مل جائے تو ان پر حملہ بھی کر دیا جائے، بتایا جاتا ہے کہ پولیس نے باہر سے آنے والوں سے کہا کہ آپ لوگ کٹرہ مسجد جانا چاہتے ہیں تو آپ سڑک پار کر کے دوسری سڑک پر چلے جائیں جو قاسم بازار کالونی کی طرف جاتی ہے، سیکڑوں آدمی اس سڑک کی طرف بڑھ گئے جوان کے لیے موت کی راہ تھی، کیونکہ وہاں پُر جوش فرقہ پرست مسلح موقع کی تاک میں موجود تھے، جوں ہی یہ لوگ قاسم بازار میں داخل ہوئے بلوائی ان پر ٹوٹ پڑے اور نہایت بے دردی سے یک طرفہ قتل عام کیا گیا، کچھ لوگ پسنجر ٹرین سے واپس لوٹے، جب وہ ٹرین قاسم بازار اور لال باغ اسٹیشنوں پر رُکی تو بلوائیوں نے زبردست پتھراؤ کیا، اور پھر مسلمانوں پر حملے کر دیئے، پولیس فورس کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ جب ٹرین نشی پور روڈ پہنچی تو اسٹیشن سے ایک فرلانگ پہلے ہی ٹرین روک لی گئی، رات کا وقت تھا ہر طرف اندھیرا تھا لائٹیں بجھا دی گئیں اور مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، ان ساری تفصیلات کا جب علم ہوا تو اس کی مکمل رپورٹ وزیر اعظم ہند اور وزیر اعلیٰ مغربی بنگال کو دے کر مظلوموں کی امداد و اعانت کا مطالبہ کیا گیا، ارباب جمعیۃ نے الہ آباد کا دورہ کر کے وزیر اعلیٰ اُتر پردیش نرائن دت تیواری کو مطلع کر کے ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ جلد از جلد امن امان قائم کرنے اور مظلومین کو انصاف دینے کی طرف توجہ دیں۔

صدر محترم کا فساد زدہ علاقوں کا دورہ

اُتر پردیش کے مختلف فساد زدہ علاقوں کا دورہ صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے کیا، علی گڈھ، مظفر نگر، کھتولی اور فیض آباد تشریف لے گئے، جہاں پچھلے دنوں فسادات ہوئے تھے، ان مقامات کا دورہ کرنے کے بعد حالات کی تفتیش اور تفصیلات معلوم کرنے کے بعد آپ اس یقین پر مجبور ہوئے کہ ہر جگہ کے فساد میں مقامی انتظامیہ اور پولیس کا رویّہ جانبدارانہ رہا، آپ ان کی مذمت کرتے ہوئے آپ نے ایک بیان میں فرمایا! کہ ان شہروں میں جب وشو ہندو پریشد، شیوسینا اور بجرنگ دَل جیسی فاشسٹ تنظیمیں فسادات کا منصوبہ تیار کر رہی تھیں، انتظامیہ نے ان کی سازش کو ناکام کرنے،

فسادکو روکنے اور اقلیتی فرقہ کے جان و مال کی حفاظت کی کوئی کوشش نہیں کی، اور نہ کوئی ایسا قدم اٹھایا جوان فسادات کو رونما ہونے سے روکتا، صدر محترم نے غیر مبہم لفظوں میں فرمایا! کہ فسادات بھڑک اُٹھنے کے بعد بھی فرقہ پرست عناصر اور سماج دشمن غنڈوں کو قتل و غارت گری کے لیے کھلی چھوٹ ملی ہوئی تھی، اور فساد کے دوران انتظامیہ اور پولیس تماشائی بنی رہی۔ صدر محترم نے کہا کہ اجودھیا مارچ سے پہلے ہی اس کے خلاف اشتعال انگیزی ایک گہری سازش کا ثبوت ہے، مظفر نگر جو فرقہ وارانہ ہم آہنگی واتحاد کا گہوارہ تھا، فرقہ وارانہ فساد اس کی بے داغ تاریخ پر ایک بدنما دھبّہ ہے، صدر محترم نے کہا کہ اس وقت حکومت کی تساہلی سے پورا اُتر پردیش آتش فشاں بنا ہوا ہے، اور فرقہ وارانہ صورتِ حال انتہائی نازک ہے، انھوں نے کہا کہ یہ بات انتہائی تشویشناک ہے کہ بار بار کے مطالبہ کے باوجود اس بار بھی پی، اے، سی، کو ہی فساد زدہ علاقوں میں تعینات کیا گیا، جبکہ اس کا روایتی کردار ہمیشہ مسلم دشمن رہا ہے، مظفر نگر، علی گڈھ، فیض آباد وغیرہ میں بچوں، بیماروں، اسّی اسّی برس کے بوڑھوں کو گرفتار کر کے بُری طرح مارا پیٹا گیا ہے، اور درجنوں افراد کی قیمتی جانیں فساد کی نذر ہوئیں، صدر محترم نے اُتر پردیش کے وزیر اعلیٰ سے مطالبہ کیا کہ وہ پہلی فرصت میں فساد زدہ علاقوں کا دورہ کریں اور حالات کا جائزہ لیں، صدر محترم نے اس سلسلہ میں وزیر اعظم حکومت ہند مسٹر راجیو گاندھی اور وزیر داخلہ مملکت مسٹر سنتوش موہن دیو اور وزیر اعلیٰ اُتر پردیش شری نرائن دت تیواری سے ملاقاتیں کیں اور ان شہروں کی فرقہ وارانہ صورتِ حال سے آگاہ کیا، صدر محترم کے مطالبہ پر وزیر اعلیٰ مسٹر تیواری نے ان فساد زدہ شہروں کا دورہ کیا اور حالات کا بچشم خود معائنہ کیا، صدر جمعیۃ علماء ہند مولانا اسعد مدنی نے کھتولی ضلع مظفر نگر کا دورہ کیا۔ وہ ۲۶ رنومبر ۱۹۸۸ء کو فیض آباد کے دورے پر جانے والے تھے کہ ۴ رنومبر ۱۹۸۸ء کو کار کا حادثہ پیش آ گیا۔

آسام میں سیلاب کی تباہ کاریاں

اگست ۱۹۸۸ء کے آخری ہفتہ میں آسام میں زبردست سیلاب آیا جو آسام کی

تاریخ میں سب سے بھیانک سیلاب تھا، چھ فٹ سے بارہ فٹ تک بہتا ہوا پانی کھیتوں اورآبادیوں میں داخل ہوگیا، لاکھوں افراداُجڑ گئے، سیکڑوں بستیاں سیلاب میں بہہ گئیں، کئی روز تک لاشیں بہتی رہیں، لاکھوں انسانوں نے کھلے آسمان کے نیچے ریتیلے میدانوں میں بغیر دانہ پانی کے ہفتوں تک کیلے کے درخت کھا کراور سیلاب کا گندہ پانی پی کر اپنی جانیں بچائیں، اس سیلاب کی لپیٹ میں زیادہ تر وہ اضلاع آئے جو دریائے برہم پتر کی وادی میں آباد ہیں، جہاں پچاس سے نوّے فیصدی مسلم آبادیاں ہیں، حکومت آسام نے ریلیف کے سلسلہ میں اقلیتوں کے ساتھ امتیاز اور مکمل ناانصافی کا معاملہ کیا، اس نے قدرتی آفت کو بھی ریاست کے اقلیتی عوام کی نسل کشی کے لیے استعمال کر کے نہایت ہی قابلِ مذمت اور انسانیت سوز جرم کا ارتکاب کیا۔

ستمبر ۱۹۸۸ء میں صدر جمعیۃ علماء ہند مولانا سید اسعد مدنی نے وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی کے ہمراہ سیلاب سے متاثر تمام علاقوں کا دورہ کیا، اس سہ روزہ دورے سے اقلیتی علاقوں کو کافی فائدہ پہنچا اور انھیں کافی راحت ملی جو ریاستی حکومت کی امتیازی پالیسی کے شکار تھے۔

سرکاری امداد اور ریلیف قابلِ اطمینان نہ ہونے کی وجہ سے صدر جمعیۃ علماء نے جمعیۃ ریلیف کمپنی کی تشکیل کی اور جماعت کی طرف سے اس کمپنی کو پہلی قسط کے طور پر ڈیڑھ لاکھ روپے دیئے گئے، جس رقم سے کپڑے اور غلہ وغیرہ متاثرہ علاقوں میں تقسیم کیے گئے۔ اکتوبر ۱۹۸۸ء کے پہلے ہفتہ میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے تین تجربہ کار ڈاکٹروں کی ایک ٹیم آسام بھیجی گئی، جس نے ایک ہفتہ وہاں قیام کر کے مریضوں کی خدمات انجام دیں اور ہزاروں مریضوں نے فائدہ اُٹھایا، جمعیۃ علماء ہند کی سفارش پر ہمالیہ ڈرگ کمپنی دہلی نے مثالی تعاون کیا، اس نے ڈاکٹر دیئے، تقریباً ایک لاکھ روپے کی دوائیں دیں اس کے علاوہ پانچ سو برتن، آٹا اور دال کی بوریاں اور سویابین کے بیج دیئے جو متاثرین میں تقسیم ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۸۸ء میں مولانا سید اسعد مدنی نے دوبارہ سیلاب زدہ علاقوں کا دورہ کیا، آپ کی ہدایت پر جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ۳۰۷۵ نئے کمبل سیلاب زدہ علاقوں میں بھیجے گئے، مرکزی دفتر کے ایک ذمہ دار ٹرک کے

ذریعہ ان کمبلوں کو لے کر آسام گئے، مولانا عبدالحق صاحب عاصم گنجی ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء آسام اور دوسرے جماعتی ذمہ داروں کی رہنمائی میں ان کے تعاون سے متاثرین میں تقسیم کیے گئے۔ یہ کمبل تین لاکھ چالیس ہزار روپے کے تھے، صدر محترم نے اسی دورہ میں آسام کے عوام سے اپیل کی کہ جن علاقوں میں لوگ سیلاب کی تباہ کاریوں سے محفوظ ہیں ان کو چاہیے کہ اپنے علاقے سے غلہ اور دوسرے سامان جمع کر کے ان ہزاروں مصیبت زدہ انسانوں کی مدد کریں، جو میدانوں میں پڑے ہوئے ہیں، اور دانہ دانہ کو ترس رہے ہیں، اس مہم کو کامیاب بنانے کے لیے اکتوبر کے آخر میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ۴۲ رضا کار آسام بھیجے گئے جنھوں نے دو ہفتے لگا کر اس مہم کو کامیاب بنانے میں تعاون کیا، یہ رضا کار دارالعلوم دیو بند میں زیر تعلیم آسام کے طلبہ تھے، جنھوں نے اپنی چھٹیاں اس اہم کام میں لگائیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے آسام سے واپسی پر کلکتہ میں ایک پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے کہا، کہ آسام کی ریاستی حکومت نے اقلیتی علاقوں کے عوام کو سیلاب کے خطرات سے جان بوجھ کر بے خبر رکھا اب جبکہ سیلاب کی تباہ کاریوں سے لاکھوں کی تعداد میں لوگ تباہ و برباد ہو گئے ہیں، ان کو امداد و ریلیف سے محروم کیا جا رہا ہے، اور اس کی نسل کشی کی سازش ہو رہی ہے۔ یہ حکومت کا قومی جرم ہے ایسی مجرم حکومت کو برخاست کیا جانا چاہیے۔

مولانا موصوف نے دہلی واپسی کے بعد مرکزی حکومت سے رابطہ قائم کیا۔ وزیر اعظم حکومت ہند کو آسام کی صورت حال سے مطلع کیا اور انھیں متوجہ کیا کہ ریلیف کے ساتھ آسام کے ان تباہ حال لوگوں کے لیے گیہوں کے بیج بھی بھیجے جائیں تا کہ وہ اپنی خالی زمینوں میں فصلیں اُگائیں اور اپنے مستقبل کا سامان کر سکیں، صدر محترم کے مطالبہ پر مرکزی حکومت نے گیہوں کے بیج ریاستی حکومت آسام کو بھیجے لیکن ریاستی حکومت کی معائدانہ روش کی بنا پر اقلیتی طبقہ کو یہ بیج نہیں مل سکے، اس افسوسناک صورتِ حال کی اطلاع ایسے وقت میں ملی جب کار کا حادثہ ہو چکا تھا، اور آپ ہسپتال

میں زیرعلاج تھے، آپ سخت بے چین ہوئے اور ہدایت کی کہ جمعیۃ کی طرف سے بیج حاصل کرکے فوراً آسام روانہ کیا جائے چنانچہ کافی دوڑ دھوپ کے بعد تین سو پانچ کوئنٹل گیہوں کا عمدہ بیج خریدا گیا اور دو ٹرکوں میں لاد کر آسام پہنچایا گیا یہ بیج تقریباً ایک لاکھ روپے کا تھا، اس طرح آسام کے سیلاب زدگان کی امداد اور ریلیف پر جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے تقریباً سات لاکھ روپے خرچ کیے گئے۔

ارتداد کی پیش بندی

آزادی کے بعد آریہ سماجیوں اور دوسری فرقہ پرست تنظیموں نے ملک کے مختلف خطوں میں اَن پڑھ، دیہاتی، دُور افتادہ گاؤں میں رہنے والے، دین سے نابلد ہندو معاشرت کی زندگی گذارنے والے آبائی اور خاندانی مسلمانوں کو ان کی جہالت کی وجہ سے مرتد کرنا شروع کردیا تھا، ارتداد کی اس مہم کا بروقت مقابلہ کیا گیا تھا اور وہ تحریک اس وقت دب گئی تھی، لیکن ان مسلمانوں کی ہندوانہ معاشرت کی وجہ سے ان کے سماج میں دین کی کوئی اہمیت نہیں تھی، اس لیے وہ کسی بھی وقت بہکاوے میں آسکتے ہیں، جمعیۃ علماء ہند نے اس ارتداد کی پیش بندی کے پیش نظر دینی مکاتب کا نظم کیا، ۱۹۸۴ء میں جب علاقہ بیاور راجستھان میں ارتداد کی وبا عام ہوئی پھر اتر پردیش کے علاقے ہاتھرس، آگرہ، متھرا میں بھی پچاسوں گاؤں اس ارتداد کی لپیٹ میں آگئے تو جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ داروں نے کمر ہمت باندھی اور اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ان علاقوں میں اللہ کے بھروسے پر دینی مکاتب کا قیام، مساجد کی تعمیر کا کام شروع کیا، اس وقت راجستھان کے ضلع اجمیر پالی اور اُودے پور کے گاؤں میٹھور، پچھتا، راجوسی، ہٹونڈی، ہر راجپورہ، الساڑیا، چورسیا داس، شیام گڑھ، بھیم پورہ، نااندنا، مانڈیرا، رام سرمحلّہ، امرپورہ، میاں پورہ تری پول، شوڑ پورہ، دوچوڑیا، موتی پورہ اور شیخا داس میں دینی تعلیم کے بیس مکاتب قائم کیے گئے اور دس مساجد کی تعمیر ومرمت کی گئی، ہٹور میں ایک ورکشاپ قائم کی گئی جہاں مسلم نوجوانوں اور بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کے ساتھ موٹر میکنک اور ڈرائیونگ کا کام سکھایا جاتا ہے۔ ہاتھرس، آگرہ،

متھرا کے گاؤں الہٰ پور، نگلہ سوجان، ہردوئی، سوجیا، چمرپورہ، پورہا، کمرہی، لاکتوپر سارا، بھرپرا بیارا، بیری، فتح پورہ نگیچہ، اور بڑھیری میں دینی تعلیم کے سترہ مکاتب قائم کئے گئے۔ تحصیل ہاتھرس کے الہٰ پور گاؤں میں ایک اسپتال بھی کام کررہا ہے، آگرہ کے ساندھن گاؤں میں بڑا مکتب ہے۔ وہاں تین استاد ہیں اور دوسرے مکاتب میں ایک ایک استاد کام کرتے ہیں ہریانہ کے علاقہ سونی پت کے گاؤں دودھوا، چورن، ٹرالی، دیوڑہ میں دینی تعلیم کے چھ مکاتب، دہلی کے علاقہ نانگلوئی میں ایک اور راجستھان کے ضلع باڑمیر اور جیسلمیر میں ۱۶؍دینی مکاتب قائم ہیں اور کام کررہے ہیں۔

اس طرح جمعیۃ علماء ہند نے فتنہ ارتداد کا ٹھوس اور دیرپا مقابلہ کرنے کے لیے گذشتہ چار برسوں میں ابتدائی دینی تعلیم کے ساٹھ مکاتب قائم کیے ہیں، معلّمین کی تنخواہ اور ضروریات مکتب کا سارا خرچ جمعیۃ علماء ہند کا صدر دفتر اُٹھا رہا ہے، اجراء مکاتب کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور کام کا دائرہ بڑھتا جارہا ہے۔ نومبر ۱۹۸۸ء میں آندھرا پردیش کے علاقہ کھمم میں مزید تین مکاتب اور بہار کے ضلع گڈّا کے علاقہ لال مٹیا میں ایک دینی مکتب منظور کیا گیا ہے، اس طرح ان دینی مکاتب کی تعداد ۶۴ ہوجاتی ہے جو جمعیۃ علماء ہند کے زیرانتظام کام کررہے ہیں۔

بابری مسجد پر حملہ کا آغاز

اجودھیا کی بابری مسجد پر ۱۹۴۹ء میں ناجائز قبضہ کیا گیا، اس قبضہ کے خلاف چالیس برسوں سے سرد جنگ چلتی رہی، عدالت اور انتظامیہ کا رویّہ یک رُخا اور جانبدارانہ رہا، فوجداری کیس کو دیوانی کا مقدمہ بنا کر اس مسئلہ کو طول دینے کی پالیسی اپنالی گئی، یہی وجہ تھی کہ چالیس سال سے اس مسئلہ کو ایمانداری سے حل کرنے کے لیے کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا گیا، حکومت کو خود اور عوامی سطح پر کوئی خاص دلچسپی اور لگاؤ نہیں تھا کیونکہ تقسیم ملک کے بعد ہزاروں مسجدوں پر غیر مسلموں نے قبضہ کرلیا تھا۔ امرتسر، لدھیانہ، انبالہ، سونی پت، پانی پت اور خوددارالحکومت دہلی میں کتنی مسجدیں ہیں جن پر فوجیوں نے قبضہ کرکے اس میں رہائش اختیار کرلی، اپنے جانور باندھنے لگے۔ یہ وہ

زمانہ تھا جب بھارت میں ڈھائی تین کروڑ مسلمان رہ گئے تھے، تقسیم ملک کی وجہ سے مسلمانوں پر جو عذاب نازل ہوا اس کی تباہ کاریاں بہت عرصہ تک جاری رہیں، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس سرزمین سے مسلمانوں کا وجود ہی ختم کردیا جائے گا، اسی خوفناک ماحول اور مہیب زمانہ میں اجودھیا کی بابری مسجد میں بیراگیوں نے قبضہ کرلیا۔ اس فضا میں کس کی جرأت تھی کی طاقت کے بل بوتے پر ان کو مسجد سے نکال دیتا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چالیس برسوں سے وہاں پوجا پاٹ چلتی رہی، دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں مسجد کے ممبر پر براجمان رہیں اس صورت حال پر مسلمان چپکے چپکے خون کے آنسو روتے رہے، عملی طور پر کچھ نہ کر سکے، اور نہ کوئی موثر کارروائی ہوسکی صرف عدالتوں میں مقدمات کی پیروی کرتے رہے۔

چالیس برس کے بعد

ووٹ کی سیاست میں ہر پانچ سال کے بعد ایک وقت آتا ہے، جب مختلف پارٹیاں اقتدار کی ہوس میں ہر جائز وناجائز طریقے استعمال کرکے اقتدار پر قبضہ حاصل کرنا چاہتی ہیں، اور ایک نئے نعرے کی تلاش میں رہتی ہیں، تاکہ ووٹروں میں جوش کی فضا پیدا ہوجائے اور یک طرفہ ووٹ اس کو حاصل ہوجائیں، تقسیم ملک کی وجہ سے ہندو اور مسلمانوں میں جو نفرت، دشمنی، عداوت اور دوری پیدا ہوئی اس نفرت کو باقی رکھنے کے لیے آزادی کے بعد کئی فرقہ پرست پارٹیاں اور جماعتیں وجود میں آئیں اور انھوں نے ہندو مسلم منافرت کو تیز سے تیز تر بنانے کا بیڑا اُٹھایا، جن سنگھ کا وجود اسی جذبے سے ہوا تھا بعد میں متعدد تنظیمیں اسی کاز کو لے کر میدانِ عمل میں آئیں ان میں آر، ایس، ایس، (راشٹریہ سویم سنگھ) سب سے طاقتور، متشدد اور خونخوار جماعت ہے، اس کے علاوہ شیوسینا، وشوہندو پریشد، بجرنگ دل، بابری مسجد مکتی سمیتی وجود میں آئیں۔ فرقہ پرستی کا یہ بھوت ہندو مسلم منافرت کی خوراک پر زندہ رہا اور ملک میں جب الیکشن قریب آتا تو اس بھوت کی بھوک بہت بڑھ جاتی تھی، گئو رَکشا کا مسئلہ، ہندی زبان کے جبری اجرا کا مسئلہ، ملک سے وفاداری کا مسئلہ اسی طرح

کے مسائل اچھال کر ان پارٹیوں نے ہندو عوام میں مقبولیت حاصل کی لیکن انڈین نیشنل کانگریس نے جنگ آزادی میں حصّہ لے کر آزادی حاصل کی تھی، اس لیے وہ اتنی طاقتور تھی کہ یہ فرقہ پرست پارٹیاں اس کو شکست نہ دے سکیں۔لیکن جب کانگریس میں خود تنگ نظر اور فرقہ پرست افراد داخل ہوگئے تو اس کی فتوحات کا دروازہ بند ہونے لگا، ایمرجنسی کے نفاذ نے کانگریس کی کمر توڑ دی لیکن ڈھائی تین برس کے بعد کانگریس پھر سنبھلی، لیکن پہلی جیسی طاقت اس میں نہیں آئی، البتہ حکومت پر اس کا قبضہ بدستور پھر ہوگیا۔ ۱۹۸۹ء میں جب جنرل الیکشن قریب آیا تو فرقہ پرست پارٹیوں کے پاس صرف ایک مسئلہ رہ گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ اپنی صوابدید کے مطابق الیکشن جیت سکتی تھیں اور وہ بابری مسجد کا مسئلہ تھا اور یہ سوچ کر فرقہ پرست پارٹیوں نے الیکشن کی تیاری شروع کردی۔

وِشو ہندو پریشد کا اعلان

وشو ہندو پریشد نے دھمکی کی زبان میں کہا کہ کسی بھی سیاسی پارٹی میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ رام جنم بھومی کے ۹؍نومبر ۱۹۸۹ء کو ہونے والے شیلا نیاس (سنگِ بنیاد) کو روک دے، وِشو ہندو پریشد کے جنرل سکریٹری اشوک سنگھل نے کہا! کہ کوئی بھی عدالت شری رام بھگوان کے اس یقین کو نہیں بدل سکتی، انھوں نے کہا! کہ ۳۰؍اکتوبر ۱۹۸۹ء سے وشو ہندو پریشد ملک گیر پیمانے پر ''شیلا پوجن'' مہم شروع کرنے جارہی ہے، اس کے تحت ملک بھر کے پانچ لاکھ پچھتّر ہزار گاؤں میں ایک ایک شیلا (اینٹ) بھیج کر اس کا پوجن کرلیا جائے گا، اس طرح ملک کے ۳۲ کروڑ ہندو ووٹروں سے رابطہ قائم کرلیا جائے گا، انھوں نے کہا ۹؍نومبر ۱۹۸۹ء کو دیواستھان ایکادسی کے دن ساری اینٹیں اجودھیا پہنچا دی جائیں گی اسی دن وہاں ''رام جنم بھومی'' مندر کا شیلا نیاس ہوگا، انھوں نے زور دے کر کہا کہ کسی بھی حالت میں یہ شیلا پوجن ٹالا نہیں جائے گا۔ انھوں نے بابری مسجد کو ہندوؤں کے لیے کلنک کا ٹیکہ قرار دیا، اور کہا کہ اس کو یادگار بنائے جانے کی بات کو کبھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

ہراول دستہ

یہ بابری مسجد پر حملہ کر کے اس کو شہید کرنے والی فوج کا ہراول دستہ تھا، جس کے پیچھے فسطائی عناصر کی ایک طاقتور فوج تھی، جس نے تین سال بعد کامیابی حاصل کی، مسلمان ان تمام صورت حال کو دیکھتا رہا، چیختا رہا چلاّتا رہا، اس فوجی پیش قدمی کے خلاف فریاد کرتا رہا، حکومت، انتظامیہ عدلیہ ہر دروازے پر اس نے دستک دی کہ حملہ ہونے والا ہے، اس حملہ کو روکو، اس کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرو، مگر کہیں سے بھی ہمدردی کا ایک حرف بھی نہیں سنائی دیا، حکومت جان بوجھ کر اس سے اغماض اور چشم پوشی کرتی رہی، وہ خوب جانتی تھی کہ فرقہ پرستوں کے ارادے کیا ہیں، اس کے باوجود وہ چپ سادھے بیٹھی رہی، حملہ آوروں کا دستہ اطمینان سے بلاخوف وخطر آگے بڑھتا رہا۔

پورے ملک میں بارود بچھادی گئی

شیلانیاس کی مہم اتنے زور شور سے چلائی گئی کہ ہندوستان کے کونے کونے میں اس کی آواز سنائی دینے لگی، ہر شخص نے سمجھ لیا کہ اجودھیا میں بابری مسجد درحقیقت رام جنم بھومی ہے اس پر رام کے ماننے والوں کا حق ہے، اس کو ڈھا کر وہاں رام جنم بھومی مندر کا سنگ بنیاد، ۱۰؍نومبر ۱۹۸۹ء کو رکھا جائے گا، پورے ملک میں ہر طرف جلوس، یاترائیں اور ترشول بردار پیشانی پر شری رام کی پٹّی باندھ کر جذبات سے بے قابو نوجوانوں کے قافلے رواں دواں تھے، ہر جگہ جلسہ جلوس اور رام جنم بھومی مندر کے قیام پر جوش وخروش کا اظہار، اور بابری مسجد کے وسیلے سے عام مسلمانوں سے شدید ترین منافرت پیدا کرنے کی ایک طاقتور لہر چل پڑی، بابری مسجد رام جنم بھومی کے اس خطرناک کھیل سے پورا ملک بارود کے ڈھیر پر کھڑا کر دیا گیا، پورے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کا ماحول تیزی سے بنتا جا رہا تھا اور لوگوں کو یقین ہو چلا تھا کہ بابری مسجد کا وجود اب سطح زمین پر باقی نہیں رہ جائے گا، یہ خطرہ کیوں پیدا کیا گیا؟ صرف اس لیے کہ بی، جے، پی، اور فرقہ پرست پارٹیاں بابری مسجد اور رام جنم بھومی کے تنازعہ کو

آئندہ الیکشن میں پوری طرح استعمال کرنا چاہتی تھیں اور استعمال کیا، یہ خطرناک کھیل ٹائم بم بن گیا جو ایک دن پورے دھماکے کے ساتھ پورے ملک کو ہلا کر رکھ دے گا، اس مسئلہ کو اُچھال کر آر، ایس، ایس، کے یہ چیلے شمالی ہندوستان خاص طور پر اتر پردیش، بہار، راجستھان، مدھیہ پردیش، گجرات اور مہاراشٹر میں فسادات کے شعلے بھڑکا کر اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، یہ سب کو یقین تھا اور حکومت بھی جانتی تھی لیکن اس کو اس کا کوئی غم نہیں تھا، بلکہ اندر اندر تھوڑی بہت ان کی حوصلہ افزائی ہی کرتی رہی جب بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔

شیلا نیاس کی اس مہم سے کئی ماہ پہلے ہی سے ملک کی شمالی ریاستوں میں اُتر پردیس، بہار، راجستھان، مدھیہ پردیش اور گجرات وغیرہ میں فسادات کا سلسلہ چل پڑا تھا، الیکشن کے اس سال فرقہ پرست پورے ملک میں بابری مسجد اور رام جنم بھومی مندر کے شیلا نیاس کی لہر چلا کر الیکشن جیتنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، اور فسادات کی آگ بھڑکا کر اپنا کام نکالنا چاہتے تھے۔

بابری مسجد اور رام جنم بھومی مندر کے تنازعہ کو حکومت کی طرف سے عدالت کی خصوصی بنچ کے حوالے کر دینے کے باوجود فرقہ پرستوں کے جوش وخروش میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، بلکہ ان کے جذبات کے بھڑکانے کا ایک اور موقع مل گیا۔ انھوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ مذہبی جذبات اور عقیدہ میں عدالت کا فیصلہ کوئی چیز نہیں ہم اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ اپنا غصہ مسلمانوں پر اُتارنے لگے، اُتر پردیش میں فیض آباد، مظفر نگر، علی گڈھ، متھرا، کالپی، جالون، میرٹھ ریاست بہار میں ہزاری باغ، بھاگلپور، چائباسہ، سہسرام راجستھان میں مکرانہ، جگور، فتح پور، سوجت باگڑی، مدھیہ پردیش اور مہاراشٹر کے متعدد مقامات پر فسادات کا تسلسل صاف بتا رہا تھا کہ مستقبل میں فرقہ پرستوں کے ارادے کیا ہیں۔

مغربی بنگال میں فسادات کی لہر

مغربی بنگال بڑی حد تک فرقہ وارانہ فسادات سے پاک صاف رہا، اب وہاں

بھی یہ جراثیم پھیل گئے تھے، فرقہ پرست طاقتیں پوری طرح سرگرم ہوگئیں اور شرنارتھیوں کواکسا کر وہاں کے امن وامان کو برباد کرنے کا آغاز کرایا گیا۔اب وہاں بھی تسلسل کے ساتھ فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوگئے ،حکومت وہاں بھی بدستور خاموش تماشائی بنی رہی، وہ شرنارتھیوں سے ناراضگی مول لے کر اپنے ووٹوں کا نقصان نہیں کرسکتی تھی،یعنی ووٹ کے لیے مسلمان قربانی کا بکرا بن چکا تھا۔

اُس وقت مغربی بنگال میں فرقہ پرستوں کی دورخی سازش چل رہی تھی ،ایک طرف تو فرقہ پرستی کے یہ زہریلے ناگ مغربی بنگال میں بابری مسجد اور رام جنم بھومی تنازعے کو اُچھالنے کی کوشش کررہے تھے، اور دوسری طرف بنگلہ دیش سے آنے والے شرنارتھوں کے مسئلہ کوفرقہ وارانہ رنگ دے کر ایک خطرناک صورت حال پیدا کرنے کی کوشش بھی چل رہی تھی۔

وشو ہندو پریشد نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ اس کی جانب سے رام جنم بھومی بابری مسجد کے مسئلہ پر مرشدآباد میں ستمبر-اکتوبر ۱۹۸۹ء میں یگیہ کیے جائیں گے،اور بہرام پور میں (جہاں کٹرہ مسجد ہے) ماہ نومبر میں یگیہ ہوگا، ریاستی ہندو پریشد نے اپنے حامیوں کو ایک سرکلر جاری کر کے ہدایت کی ہے، کہ ۹ رنومبر ۱۹۸۹ء کو اجودھیا میں تعمیر ہونے والے مجوزہ رام جنم بھومی مندر کے لیے ضلع کے ہر گاؤں سے ایک ایک رام شیلا (اینٹ) اکٹھا کریں، یہ ذہن میں رہے کہ مرشدآباد ایک مسلم اکثریتی سرحدی ضلع ہے، اور گذشتہ سال کٹرہ مسجد کے معاملہ کو لے کر شرنارتھیوں کے ذریعہ وہاں مسلمانوں کا قتل عام ہو چکا تھا۔

فرقہ پرستوں نے مغربی بنگال میں بنگ بھومی کا ایک نیا فتنہ کھڑا کردیا تھا، ان کا مطالبہ تھا کہ بنگلہ دیش کے چھ سرحدی اضلاع کو ملا کر بنگلہ دیش سے آنے والے شرنارتھیوں کے لیے ایک ''ہوم لینڈ'' قائم کیا جائے، اس تحریک کا سرغنہ ڈاکٹر کالی داس بید یہ تھا، اس شخص نے ''بنگ سینا'' کے نام سے ایک جنگجو تنظیم بھی قائم کی تھی، بنگ بھومی کے حامی اس سلسلے میں لٹریچر بھی تقسیم کررہے تھے، بنگ بھومی میں چھ اضلاع کو ملا کر ہندو فوجیوں کے لیے ایک علیحدہ ریاست قائم کرنے کا اعلان بھی

کرر ہے تھے، اس بنگ بھومی میں کشیت، کشتیا، جیسور، فرید پور، کُھلنا، باریسال، پٹوا کھال شامل تھے، ڈاکٹر بیدیہ یہ تحریک اگرچہ بنگلہ دیش کے لیے چلا رہا تھا، لیکن اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے سرحدی علاقوں میں فرقہ وارانہ فضا خراب ہوتی جارہی تھی، ان فرقہ پرستانہ سرگرمیوں کے نتیجہ میں گذشتہ برسوں سے مغربی بنگال فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں آ گیا تھا، اگست ۱۹۸۹ء میں ضلع ندیا کے چھوٹی پور اور ضلع بردوان کے جال پور میں زبردست فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔

وزیر داخلہ کا بیان

نومبر ۱۹۸۹ء میں الیکشن ہونے والا تھا، فرقہ پرست اور تشدد پسند پارٹیوں نے اب کی بار ہندو ووٹ حاصل کرنے کے لیے بابری مسجد اور رام مندر کا انتہائی سلگتا ہوا مسئلہ پیش کر کے پورے ملک میں آگ لگادی تھی، اور ظاہر ہے کہ یہ آگ آگے چل کر مسلمانوں کے گھروں سے دُھواں اُگلنے لگے گی۔

جمعیۃ علماء ہند کو یقین تھا اس لیے وہ بڑی بے چینی سے حکومت ہند کو اس آگ کو بجھانے کی طرف توجہ دلاتی رہی، جب فرقہ پرستی کا طوفان اپنے شباب پر آ چکا تھا، تب ہندوستان کے وزیر داخلہ شری بوٹا سنگھ کا بیان آیا کہ سرکار کسی بھی تنظیم کی حوصلہ افزائی نہیں کرے گی، جو رام جنم بھومی بابری مسجد تنازعہ کی موجودہ صورت حال کی بدلنے کی کوشش کرے گی، اگرچہ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کسی قیمت پر فرقہ وارانہ تشدد پسندوں کو برداشت نہیں کرے گی، لیکن جمعیۃ علماء ہند کے دل کا اضطراب کم نہیں ہوا کیونکہ یہ صرف الیکشن کے پیش نظر بیان تھا، عملی طور پر کوئی اقدام نہیں کیا گیا، اور نہ حکومت نے زہر پھیلانے کی کوشش کو روکنے کے لیے کوئی پیش قدمی کی، اس بیان کے بعد بھی پورے ملک میں فرقہ پرستی کے مہیب سائے ہر طرف پھیلتے جارہے تھے، تشدد کی گھٹائیں چھاتی رہیں، رعد و برق کی کڑاک اور گرج ایک لمحہ کے لیے بھی بند نہیں ہوئی، فرقہ پرستوں کی دھمکیاں برابر جاری رہیں، اور ان گنت مقامات پر یہ بجلیاں گریں اور اقلیتی طبقہ کے آشیانوں کو خاکستر بنا گئیں، یہ توقتی نتیجہ تھا ان سرگرمیوں کا،

لیکن رام مندر کا نعرہ فضا میں تحلیل ہو کر نہیں رہ گیا بلکہ یہ زہریلا ناگ کروڑوں فرقہ پرستوں کے دل ودماغ میں رینگتا رہ گیا اور جب وہ ڈسے گا تو وہ بابری مسجد کے وجود کا آخری دن ہوگا، جمعیۃ علماء ہند اُس بُرے دن سے ڈر رہی تھی اور بار بار ذمہ دارانِ حکومت کے دروازے کھٹکھٹاتی رہی۔

فسادات کی لہر چل پڑی

مارچ ۱۹۸۹ء سے راجستھان کے مقام مکرانہ سے فسادات کی ابتدا ہوئی، یہ فساد بڑا بھیانک اور منصوبہ بند فساد تھا، مکرانہ سنگ مرمر کی صنعت کا مرکز ہے اور اس صنعت پر مسلمان چھائے ہوئے تھے، سنگ مرمر کی اس صنعت سے مسلمانوں کو بے دخل کرنا اس فساد کا بنیادی مقصد تھا، یہ مسلمانوں پر اقتصادی مار تھی، اس فساد کے نتیجہ میں مسلمانوں کا زبردست مالی نقصان ہوا ان کے ڈیڑھ سو کے قریب کارخانے اور گودام تباہ و برباد کردیئے گئے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتنے بڑے پیمانے پر فساد کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔

جمعیۃ علماء ہند کا ایک وفد مکرانہ پہنچا، اس نے مقامی جمعیۃ علماء کے کارکنوں کو لے کر وزیر اعلیٰ راجستھان سے ملاقات کی، تباہی و بربادی کی تفصیلات پیش کر کے مطالبہ کیا کہ مکرانہ کی سنگ مرمر کی صنعت سے وابستہ اقلیتی فرقہ کی بحالی کے لیے جلد سے جلد منصوبہ بند اسکیم شروع کی جائے، آتشزنی سے اقلیتی فرقہ کے جو خاندان بے گھر ہو گئے ہیں ان کی آبادکاری کا معقول اور فوری بندوبست کیا جائے۔ صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے دہلی میں وزیر داخلہ حکومت ہند اور راجستھان کے وزیر اعلیٰ کو تار کے ذریعہ اور خطوط لکھ کر صورتحال کو پُر امن بنانے اور مظلوموں کی فوری بحالی و امداد کا مطالبہ کیا۔

علی گڈھ اور متھرا

اپریل ۱۹۸۹ء کے تیسرے ہفتہ میں اتر پردیش کے شہر متھرا، علی گڈھ کالپی

(جالون) میں بھی فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ان فسادات میں جمعیۃ علماء ہند نے جدوجہد کی اور مولانا سید اسعد مدنی نے ریاستی اور مرکزی حکومتوں کو تار اور خطوط کے ذریعہ امن وامان قائم کرنے اور مظلوموں کو انصاف دلانے کی طرف متوجہ کیا، پھر ایک وفد جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے متھرا اور علی گڈھ بھیج کر حالات معلوم کیے گئے اور مظلوموں کو تسلی و تشفی اور ڈھارس کی گئی۔

ہزاری باغ میں فساد

ہزاری باغ (بہار) اپریل ۱۹۸۹ء کے دوسرے ہفتہ میں زبردست فساد ہوا، اس فساد میں اقلیتی فرقے کے اُنیس افراد شہید ہوئے، اور پچاسوں خاندان کے مکانات اور دکانیں نذر آتش کردی گئیں، مولانا سید اسعد مدنی کے ہزاری باغ کے اس خونی فساد پر اپنے مکتوب میں وزیر اعظم حکومت ہند، اور وزیر داخلہ اور وزیر اعلیٰ بہار کو واضح لفظوں میں انتباہ دیا گیا کہ اگر فرقہ پرستی کی اس لہر پر قابو نہ پایا جاسکا تو صورت حال انتہائی اندیشناک ہوسکتی ہے، جس کی تمام تر ذمہ داری مرکزی و ریاستی حکومتوں پر ہوگی، اس کے بعد ناظم عمومی کی قیادت میں ایک وفد ہزاری باغ بھیجا گیا، جس نے موقع پر جاکر حالات کا جائزہ لیا اور بہت ہی پریشان حال لوگوں کی امداد کے لیے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے دس ہزار کی رقم مقامی جمعیۃ علماء کی ریلیف کمیٹی کو دی گئی، اور مظلومین کی قانونی امداد کے لیے جناب بدیع الزماں ایڈوکیٹ کی قیادت میں ایک قانونی کمیٹی تشکیل کی گئی، جس نے مقدمات کی پیروی کی اور معصومین کی مدد کی۔

دوسرے فساد زدہ مقامات

میرٹھ میں فضا پہلے ہی سے زہر آلود تھی، موجودہ فرقہ پرستی کی لہر نے ایک بار پھر امن و امان کو تباہ کرنے کی کوشش کی لیکن خدا نے بچالیا، شہر میں بم دھماکے ہوتے رہے، لیکن ٹکراؤ نہ ہونے کی وجہ سے جلد ہی امن وامان قائم ہوگیا، محرم کے موقع پر بھاگلپور، چائباسہ، دربھنگہ، چمپارن، بلاری، بنارس، فتح پور (راجستھان) پالی وغیرہ

میں ،مغربی بنگال میں ندیا اور بردران ضلعوں میں فسادات ہوئے ،مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند نے ان تمام علاقوں سے رابطہ بنائے رکھا، حالات پر ہر دم نظر رکھی ، ریاستی حکومتوں کواور مرکزی حکومتوں کوامن وامان قائم کرنے کی طرف متوجہ کیا جاتا رہا،بعض مقامات پر وفود بھی بھیجے گئے اوراکثر مقامات پر جمعیۃ ریلیف کمیٹیاں قائم کی گئیں اور ان کی مالی امداد کی گئی، بہار کے شہر سہسرام میں بھی بڑا فساد ہو گیا اور آٹھ جانیں ضائع ہوئیں،فساد کی بنا اس لیے پڑی کہ شیر شاہ سوری کے مزار کے پاس ایک بڑا تالاب ہے،اس کے کنارے عیدگاہ ہے،اسی عیدگاہ کے قریب فرقہ پرستوں کےنوجوان نے اکھاڑہ بنا کر بھگوا جھنڈا گاڑ دیا،مسلمانوں نے ان کو روکا جس کی وجہ سےفساد ہو گیا جس میں مسلمانوں کو بہت بڑا جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ بہار حکومت نے کلکٹر اور ایس پی کا فوراً تبادلہ کردیا۔ نئے افسران نے جلد ہی قابو پالیا، کرفیو کے دوران مسلمانوں کی ۳۸ دُکانیں لوٹی اور جلائی تھیں،سیکڑوں مسلمانوں کی گرفتاری ہوئی ، چند دنوں بعد معمولی دفعات میں گرفتار شدہ افراد کو چھوڑ دیا گیا۔لیکن ۳۵ ؍افراد پر سنگین دفعات لگا کر جیل بھیج دیا گیا ’’جمعیۃ علماء ریلیف کمیٹی‘‘ قائم کی گئی اس کمیٹی کو جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر سے دس ہزار روپے دیئے گئے۔

محشرستان بھاگلپور

۱۹۸۹ء کا سب سے بھیانک تباہ کن خونریز فساد بھاگلپور (بہار) کا فساد تھا، جیسے چنگیز وہلاکو کی بھیڑیا صفت فوج نے پورے بھاگلپور اوراس کے اطراف کو اپنے سرکش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندکر رکھ دیا تھا، نادرشاہ کا دہلی میں قتل عام بھاگلپور کے وحشیانہ قتل عام اور تباہیوں اور بربادیوں کے سامنے گرد تھا، معصوم اور بے گناہ عورتوں، بچوں، نوجوانوں، بوڑھوں، نہتے مسافروں، راہ گیروں کوجس سفاکی اور بے دردی سے قتل کیا گیا، دکانوں مکانوں تجارتی مرکزوں، صنعتی اداروں رہائشی مکانوں، مسجدوں، امام باڑوں، مدرسوں، مزاروں اور دیہی علاقوں میں کھڑی فصلوں کوجس طرح جلایا، لوٹا اور تباہ و برباد کیا گیا شاید دُشمن ملک کی فوج نے بھی کسی دوسرے ملک کو فتح کرنے کے بعد اتنی بڑی تباہی

نہیں پھیلائی ہوگی، مزید ستم یہ کہ شیطانی کارنامہ غنڈہ صفت فرقہ پرستوں ہی کا تنہا نہیں بلکہ قانون کے محافظ شہریوں کے جان و مال اورعزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار، ضلع انتظامیہ کے افسران، پولیس اور بی، ایم، پی، اس جرم میں برابر کی شریک اور بلوائیوں کی حوصلہ افزائی کی مجرم تھی۔

شیلا پوجن تحریک کا کرشمہ

اشوک سنگھل کی اجودھیا میں رام مندر کی تعمیر کے لیے شیلا نیاس کے پروگرام کے سلسلہ میں پورے ملک کے گاؤں گاؤں اینٹ کی پوجا کر کے اجودھیا پہنچانے کی جو تحریک چلی اس نے پورے ملک کی فضا مسموم اور زہر آلود کر دی تھی، بھاگلپور میں بھی یہی بارود بچھا کر اس میں آگ لگادی گئی، اب اس آگ کو کون بجھا سکتا تھا، کہا جاتا ہے کہ ۲۴/اکتوبر ۱۹۸۹ء کو بھڑکنے والے اس فساد کی پلاننگ بہت پہلے ہو چکی تھی، اس فساد میں بھاگلپور کے چند مشہور غنڈوں کے ساتھ آر، ایس، ایس، کے ایک مقامی لیڈر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کا ہاتھ تھا، باہمی مشورہ سے یہ سازش تیار کی گئی تھی، گنگا پار کے نامی غنڈوں کو معقول رقم دے کر ہم نوا بنایا گیا تھا، ان میں بم اور ماسکیٹ نامی رائفلیں تقسیم کی گئیں، سازش کے مطابق رام شیلا جلوس کے موقع پر حملہ ہوگا اور سب سے پہلے تاتار پور کو نشانہ بنایا جائے گا۔

۲۴/اکتوبر ۱۹۸۹ء

۲۴/۱۹۸۹ء کو جلوس کے نام پر ناتھ نگر کی طرف سے چلنے والا مسلح اور مشتعل ہجوم اشتعال انگیز نعرے لگاتا ہوا تاتار پور کی طرف بڑھ رہا تھا، اس کے ساتھ ہی مخالف سمت سے بھی ایک ہجوم آ رہا تھا، دونوں مسلح اور مشتعل جلوس تاتار پور کی طرف بڑھ رہے تھے، جلوس کا ارادہ ان کے نعروں سے ظاہر تھا، جلوس والوں کا نعرہ تھا—— ''گؤ ہماری ماتا ہے، میاں اس کو کھاتا ہے'' —— ''جسے ہو ماں کالی، تاتار پور کرو خالی'' —— جلوس والوں نے جب حملہ کرنا چاہا تو شور مچادیا کہ جلوس پر بم پھینکا جا رہا ہے، جلوس پر

باہر سے بم آرہا ہے، حقیقت یہ تھی کہ نہ کہیں بم تھا نہ کوئی دھماکہ، نہ کوئی گھائل نہ کوئی زخمی، یہ اشتعال دلانے کا ذریعہ اور جنگ شروع کرنے کا بگل تھا، کمانڈر نے فوج سے ''ریڈی'' کہہ دیا، بس کہ تھا، بموں اور ماسکیٹ نامی رائفلوں اور ریوالوروں سے لیس فسادی اور بلوائی پولیس کی ملی بھگت سے شہر کے اقلیتی فرقہ کی دُکانوں اور مکانوں پر ایک دم ٹوٹ پڑے، پورا شہر جنگی محاذ میں تبدیل ہوگیا، بموں کے خوفناک دھماکوں، گولیوں کی سنسناہٹ اور کڑکتی ہوئی رائفلوں اور گرجتے ہوئے ریوالوروں کے شور سے پورا شہر تھرتھرانے اور کانپنے لگا، آہ وفغاں، چیخ وپکار کی آوازوں نے پورے شہر کو ماتم کدہ بنادیا، ہر طرف آگ کی لپیٹیں دھویں کے بادل چھانے لگے، اقلیتی فرقہ کے لوگ نہایت بے بسی اور خوف ودہشت کے ماحول میں اپنی جان ومال اور عزت وآبرو بچانے میں لگ گئے۔

بلوائیوں نے جس درندگی اور وحشیت و بربریت کا مظاہرہ کیا وہ نا قابل بیان ہے، ماؤں کی گود سے شیرخوار بچوں کو چھین کر زمین پر پٹک دیا گیا، معذور اور بوڑھی عورتوں کو بلم اور بھالوں سے چھید کر شہید کردیا گیا، ٹرینوں سے اقلیتی فرقہ کے لوگوں کو کھینچ کھینچ کر بے دردی سے قتل کردیا گیا، عورتوں کی عصمت دری کی گئی، کون سا پاپ اور کون سا جرم ہے جو اس شیلا پوجن کے مذہبی جلوس نے نہیں کیا، شہر سے گذر کر اس فساد نے اطراف وجوانب کے گاؤں اور دیہاتوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور کم ازکم پچاسوں ہزار افراد کو فساد کی خوفناک تباہیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

جمعیۃ علماء ہند میدانِ عمل میں

۲۴؍اکتوبر ۱۹۸۹ء کو فساد شروع ہوا۔ ۲۵؍اکتوبر کے اخبارات دفتر میں آئے تو ان میں بھاگلپور کے اس خوفناک فساد کا شاہ سرخیوں میں ذکر تھا، دفتر سے بھاگلپور فون کیا گیا، لیکن رابطہ نہیں ہوسکا پھر پٹنہ فون کیا گیا تو انھوں نے اجمالی اطلاع دی جس سے فساد کی تباہ کاری کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکا، ۲۵؍اکتوبر کا دن گذر گیا، رات کے دو بجے پھر فون ملانے کی کوشش کی گئی کہ بھاگلپور شہر کے کسی ذمہ دار سے فون پر بات ہوجائے، اتفاق سے فون کی

گھنٹی بج اُٹھی، پھر انھوں نے تفصیلی حالات بتائے، تب اندازہ ہوا کہ ایک ہی دن میں بھاگلپور کا ہرا بھرا شہر ویران ہو گیا، دوسرے دن صبح کو مرکزی اور ریاستی حکومتوں سے رابطہ قائم کر کے پُر زور لفظوں میں مطالبہ کیا گیا کہ شہر کو جلد سے جلد فوج کے حوالے کر دیا جائے، اور بی، ایم، پی، کو فوراً وہاں سے ہٹایا جائے۔

صدر محترم کی سرگرمیاں

۲۷/اکتوبر ۱۹۸۹ء کو مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے ایک اخباری بیان کے ذریعہ بھاگلپور کی صحیح صورتِ حال کو عوام اور ریاستی و مرکزی حکومتوں کے ایوانوں تک پہنچایا، آپ نے اپنے اس بیان میں کہا!

"گجرات، مدھیہ پردیش، راجستھان اور اُتر پردیش کے فرقہ وارانہ فسادات کے بعد بہار میں متعدد مقامات پر ہولناک فسادات کا ہونا بہت ہی تشویشناک ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت بہار نے فرقہ پرستی کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں اور سرکاری مشینری اقلیتوں کے جان و مال کی حفاظت کرنے میں ناکام رہی ہے، خاص طور پر بھاگلپور، سیتامڑھی میں فرقہ پرست عناصر نے قتل وخون، آتشزنی اور غارتگری اتنے بڑے پیمانے پر کی ہے کہ اس سے ان فسادات میں انتظامیہ کی شمولیت کا پورا یقین ہو جاتا ہے، یہ کتنی تکلیف دہ بات ہے کہ انتظامیہ نے مسلح افراد کو جلوس نکالنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی جبکہ وہ کھلم کھلا لوٹ، آتشزنی، قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے ہیں، پولیس اور انتظامیہ کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوتی بلکہ فسادیوں کو شہ دی جاتی ہے، ان کی پشت پناہی کی جاتی ہے، حکومت فسادی عناصر سے ساز باز رکھنے والے افسران سے کوئی باز پرس نہیں کرتی، پچھلے برسوں میں فرقہ وارانہ منافرت کا جو زہر پھیلایا جاتا رہا ہے، اس کا المناک نتیجہ یہ ہے کہ اب یہ آندھی شہری علاقوں سے دیہی علاقوں تک پہنچ گئی ہے، صدیوں سے دیہی علاقوں میں فرقہ وارانہ

منافرت کا جو ماحول تھا وہ منظّم طریقہ سے بتدریج ختم ہورہا ہے، آپ نے اپنے بیان میں وزیراعظم حکومت ہند اور بہار کی ریاستی حکومت سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ وہ اقلیتوں کے جان و مال کی حفاظت کی آئینی ذمہ داری سے پہلو تہی نہ کریں، فسادیوں کے ساتھ سختی سے پیش آئیں، فساد میں ملوث افسران کو عبرتناک سزا دیں، متاثرہ افراد کے جان و مال کے نقصانات کا پورا پورا معاوضہ دیا جائے۔

بار بار توجہ دہانی

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے فساد کے چوتھے دن ۲۸ / اکتوبر ۱۹۸۹ء کو وزیراعظم ہند مسٹر راجیو گاندھی کو بھاگلپور کی صورتِ حال کے متعلق خط لکھ کر بھاگلپور کے دردناک حالات کی طرف متوجہ کیا، آپ نے اپنے خط میں تحریر فرمایا:

ڈیئر شری گاندھی!

بھاگلپور اور اس کے نواح کے ہولناک فسادات پر آپ کو خصوصی توجہ دلاتا ہوں، اس علاقہ کے بے گناہ افراد کا جو جانی و مالی نقصان ہو رہا ہے اس کا سبب مقامی انتظامیہ کی غفلت اور لاپرواہی ہے، ان کی کسی طرح کے جانی و مالی نقصان سے حفاظت کا بندوبست نہیں ہے، مندرجہ ذیل علاقوں میں سخت کشیدگی ہے اور کسی بھی وقت فساد ہوسکتا ہے، (۱) شاہ کنڈ تھانہ (۲) امرپور تھانہ (۳) ناتھ نگر۔ مقامی پولیس پوری طرح صورت حال پر قابو پانے میں ناکام ہے، برائے کرام آپ ریاستی حکومت کو ہدایت کریں کہ بی ایس ایف اور سی، آر، پی، فسادزدہ علاقوں میں تعینات کی جائیں۔

مخلص

اسعد مدنی

دوسرے دن پھر آپ نے وزیراعظم کو خط لکھ کر اپنی تشویش اور بےچینی کا اظہار کرتے ہوئے بھاگلپور کے فساد کی طرف فوری توجہ کرنے کی درخواست کی، آپ نے

اس دوسرے خط میں وزیراعظم کو لکھا:

مائی ڈیر شری راجیو گاندھی!

میں بہار کے لا اینڈ آرڈر کی صورت حال پر آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، بھاگلپور اور سیتامڑھی میں بڑے پیمانے پر فرقہ وارانہ فسادات سے اقلیتی فرقہ کو بھاری جانی و مالی نقصا اُٹھانا پڑا، بڑے بڑے بازار تاتار پور مارکیٹ، شاہ مارکیٹ، شجاع گنج مارکیٹ جو مسلمانوں کے مارکیٹ ہیں تباہ کر دیئے گئے ہیں۔ جن مسلم آبادیوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا ہے ان میں احسان چک، صاحب گنج، رکاب گنج، مدنی نگر، حسن آباد وغیرہ شامل ہیں، کچھ آبادیاں جزوی طور پر تباہ کی گئیں، ان میں جبار چک، مجاہد پور، کبیر پور، سرائے شاہ گنج وغیرہ شامل ہیں، یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ سات مسلم خاندانوں کو مکمل طور پر تباہ کیا جا چکا ہے، ایس پی بھاگلپور کا رویّہ جانبدارانہ ہے، وہ فسادیوں سے ملا ہوا ہے، اس کو معطل کیا جائے یا فوراً تبادلہ کر دیا جائے، یہ امر تشویش کا باعث ہے کہ فرقہ وارانہ زہراب شہروں سے نکل کر دیہات میں پہنچ رہا ہے، صورت حال کو مزید خراب ہونے سے بچانے کے لیے درج ذیل اقدامات ضروری ہیں، (۱) بی ایس ایف، سی، آر، پی، اور فوجی یونٹوں کو تعینات کرنا چاہیے تا کہ لا اینڈ آرڈر برقرار رہے۔ (۲) فسادزدہ علاقوں کو راشن اور سامان ضرورت مہیّا کرایا جائے۔

مخلص

اسعد مدنی

مسلسل خطوط روانہ ہوتے رہے

بھاگلپور فساد سے متعلق جب جب تفصیلی خبریں ملتی رہیں مولانا موصوف فوراً وزیراعظم کو اس سے مطلع کرتے رہے، اس سلسلے میں تقریباً روزانہ ایک خط لکھ کر

راجیوگاندھی وزیراعظم کومتوجہ کرتے رہے، تاکہ فساد پر جلد سے جلد قابو پایا جائے ،
آپ نے اپنے تیسرے خط میں مرکزی حکومت کولکھا کہ اخبار''جن ستا'' مورخہ
۲۹/ اکتوبر میں خبر آئی ہے کہ جب بھاگلپور میں فوج لگادی گئی تو فوج کے ایک میجر نے
تین سوافراد کو پولیس کی حفاظت میں دیا تھا،ان کو پولیس والوں نے مارکر گنگا میں پھینک
دیا''ٹائمز آف انڈیا'' نے ۲۹/ اکتوبر کی اشاعت میں یہ خبر دی ہے کہ بہار کے دیہی
علاقے فسادات سے متاثر ہیں اور صورتِ حال کشیدہ ہیں،کھیرائیں، جمگاؤں، شاہ
کنڈ، ناتھ نگر، امرپور میں اقلیتی فرقہ بے حد خطرہ محسوس کررہا ہے، بہار ملٹری پولیس ان
کے لیے زبردست خطرہ ہے، وزیراعلیٰ حکومت بہار فسادات کے روکنے میں پوری
طرح ناکام ہے۔

۳۰/ اکتوبر کو آپ نے پھر وزیراعظم کو خط لکھا جس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ
تشدد کے واقعات برابر پیش آرہے ہیں، دیہی علاقوں میں فساد پھیل گیا ہے، پولیس
نے سید پور میں فائرنگ کی جو جگدیش پور تھانہ میں آتا ہے، مسلمانوں کی یک طرفہ
گرفتاری باعث تشویش ہے، پولیس مسلمانوں کو انتہائی بے دردی سے پیٹ رہی ہے،
پولیس کے خلاف شکایت ہے کہ وہ بے گناہ مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہوکر ان
کے سامانوں کو لوٹ رہی ہے، اس سلسلے میں جنگی سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے ورنہ
وہاں کی آبادی کو زبردست جانی ومالی بربادی کا خطرہ ہے۔

صدر محترم کا دورۂ بھاگلپور

حالات کا صحیح جائزہ لینے کے لیے مولانا سید اسعد مدنی بھاگلپور ۴/نومبر ۱۹۸۹ء کو
پہنچے اور متعدد مقامات پر تباہی وبربادی کے غمرتناک مناظر دیکھ کر دہلی واپس آئے تو
آپ نے اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ:

''وہاں بہار ملٹری پولیس (بی ایم پی) نے ایک فریق کا کردار ادا کیا ہے،
اور قانونی کے محافظوں نے ہی فساد برپا کیا ہے، ریلیف کیمپوں میں
ہزاروں مسلمان کسمپرسی کے عالم میں پڑے ہوئے نانِ شبینہ کو محتاج ہیں،

ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں، وہاں جمعیۃ علماء نے ریلیف کمیٹی قائم کردی ہے، ریلیف کا کام ابتدائی طور پر شروع کرنے کے لیے مولانا موصوف نے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے پچاس ہزار روپے کمیٹی کو دیئے کہ کام فوراً شروع کردیا جائے ،مولانا نے بتایا کہ بھاگلپور کا حال ناگفتہ بہ ہے جہاں سیکڑوں مسلمانوں کو قتل کردیا گیا ہے، ہزاروں دُکانیں اور مکانات نذر آتش کردیئے گئے ہیں، پوربنی، سمریا، مینابازار، شجاع گنج مارکیٹ، جوکسر اور منڈی میں تباہی کا جو منظر دیکھنے میں آیا وہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا، زیر ترتیب پولیس اہلکاروں نے مسلمانوں کی چار آبادیوں کو مٹا کر نیست ونابود کردیا ہے، پولیس نے اس عمارت پر بھی حملہ کیا جہاں مسلمان پناہ گزیں تھے، کہاجاتا ہے کہ اس عمارت میں اب بھی لاشیں موجود ہیں، صدر محترم نے دیہی علاقوں میں چوبی، پوربنی، سمریا، تمونی، شجاع گنج مارکیٹ، مجاہد پور، خلیفہ باغ چوک، جوکسر، گولا گھاٹ، مینا بازار، قصبہ، نرگا، بارپٹی، اساندپور، تاتار پور، منڈی چک کا دورہ کیا اور بچشم خود وہاں کی تباہی وبربادی کا غمناک منظر دیکھا۔ مولانا موصوف نے اس سفر میں ان علاقوں میں مختلف ریلیف کمیٹیاں تشکیل کیں، مظلومین کی امداد اور ضروریات کی فراہمی کے لیے الگ الگ ذمہ دار کمیٹیاں بنائیں اور ذمہ داروں کو نامزد فرمایا۔

صدر محترم کے تاثرات

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے وہاں جو دردناک مناظر دیکھے تھے، اس کو بیان کرتے ہوئے آپ کی آواز گلوگیر ہوجاتی، آپ نے فوراً ایک اپیل شائع کرکے تمام مسلمانوں کو ان مظلومین کی مدد کی طرف متوجہ کیا، اپ نے اپیل میں کہا کہ بلوائیوں نے مسلمانوں کو صرف تہہ تیغ ہی نہیں کیا بلکہ ان کی کثیر املاک کو تباہ وبرباد کردیا ہے، ان کے مکانات اور دُکانیں لوٹ لی گئیں، آج یہ حالت ہے کہ جو کل تک بڑی

بڑی فیکٹریوں کے مالک تھے، آج پیٹ بھر روٹی اور بدن چھپانے کے لیے چند گز کپڑوں کے محتاج ہیں، عظیم الشان اور فلک بوس عمارتوں کے رہنے والے آج کھلے آسمان کے سائے میں رہنے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں، بھاگلپور کے فساد نے ۱۹۴۶ء کی یاد تازہ کر دی ہے، گاؤں کے گاؤں اور بستیاں اُجاڑ دی گئی ہیں، یہ سب کچھ پولیس کی شہ پر ہوا، آپ نے کئی اخباروں کے حوالے سے بھی بات کی، آپ نے کہا کہ اخبار ''جن ستا'' نے ۲۹/اکتوبر کے شمارے میں رپورٹ دی کہ سبہور بلاک کے چندیری گاڑں میں فوج کے ایک میجر نے تقریباً ایک سو افراد کو بلوائیوں سے بچا کر حفاظت کے لیے مقامی پولیس کے حوالے کیے تاکہ ان کی جان بچ جائے لیکن ان تمام لوگوں کو ۲۷/اکتوبر کو انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا گیا، یہ راز اس وقت کھلا جب فوجی میجر ان لوگوں کے احوال جاننے کے لیے دوبارہ گاؤں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ جس عمارت میں یہ مظلوم پناہ گزیں تھے اس سے خون کی دھار بہہ رہی ہے اور عمارت میں لاشوں کا ڈھیر موجود ہے، یہ سب مسلمانوں کی لاشیں ہیں جن کو بلوائیوں نے نہیں مقامی پولیس نے قتل کیا تھا، گاؤں کے ایک فوٹوگرافر نے بتایا کہ ۱۸ سالہ ملکہ بیگم کو گاؤں کے تالاب سے زندہ نکالا گیا جس کا ایک پاؤں کٹا ہوا تھا، اس نے بیان دیا کہ اس گاؤں کے سارے مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا ہے، کوئی نہیں بچا، میں اپنی عزت و آبروں بچانے کے لیے تالاب میں کود گئی تھی،

صدر محترم نے اپنی اپیل میں مزید کہا کہ اخبار مذکور مزید لکھتا ہے کہ اخباری نامہ نگاروں کو بتایا گیا کہ چالیس لاشیں ایک ٹریکٹر ٹرالی میں لاد کر براری گھاٹ کی طرف لے جائی گئیں، جس کے آگے ایک جیپ جس پر نمبر پڑا ہوا تھا، اس میں ایک ''سب انسپکٹر'' ایک اے، ایس، آئی، اور کئی بندوق بردار جوان تھے، جنھوں نے اخباری نامہ نگاروں کو آگے جانے سے روک دیا۔

''جن ستا'' مزید لکھتا ہے کہ کیلی اور گورانی گاؤں کے تقریباً پچاس خاندانوں کی لاکھوں کی جائداد فسادیوں نے لوٹ لی، یا تباہ کر دی، دیگر علاقہ میں تیس گاؤں جلا کر خاکستر کر دیئے گئے، ان حالات میں میری ہر حسّاس اور ملی درد رکھنے والے

مسلمان اور جماعت کے کارکنوں سے پرزور اپیل ہے کہ وہ صبر وہمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں بلکہ اس دور ابتلا کا عزم راسخ کے ساتھ مقابلہ کریں اور مظلوم بھائیوں کی بھرپور مدد کریں۔

وزیر اعظم کو توجہ دلائی گئی

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے وزیر اعظم حکومت ہند کو خط لکھ کر بتایا کہ چند منٹ پہلے ہمارے پاس بھاگلپور سے اطلاع آئی ہے کہ بہار ملٹری پولیس کی قیادت میں فسادی عناصر لوٹ مار مچا رہے ہیں، انھوں نے بھاگلپور کے ناتھ نگر کا گھراؤ کیا ہے، صورتِ حال روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے، مقامی انتظامیہ فسادیوں کو شہ دے رہی ہے، عوام کے جان و مال کو سخت خطرہ ہے، خطرہ ہے کہ صبح تک شاید یہ آبادی نیست و نابود ہو جائے اس لیے فوری اقدامات کی ضرورت ہے، یہ خط نومبر کو لکھا گیا ۲۲ رنومبر کو پھر وزیر اعظم کو ایک خط لکھا گیا۔ جس میں صدر محترم نے اطلاع دی کہ حال ہی میں آپ نے بھاگلپور کو فوجی کنٹرول میں دیئے جانے کا اعلان کیا ہے لیکن اس سلسلے میں ابھی تک کوئی کارروائی عمل میں نہیں آئی، ایسی افواہیں بھی ہیں کہ سی، پی، آر، اور بی، ایس، ایف، کے جوان جلد ہی ہٹا لیے جائیں گے، میں بلا جھجک یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ یہ صورت حال خوفناک ہو جائے گی، میں مطالبہ کرتا ہوں کہ سی، آر، پی، اور بی، ایس، ایف، جو وہاں موجود ہے اس کو وہیں رہنا چاہیے، ان فسادزدہ لوگوں کو بسانے کے لیے اور ان کی امداد کے واسطے ریاستی حکومت نے کوئی قدم نہیں اُٹھایا ہے، آپ سے گذارش ہے کہ فوری طور پر راحت دی جائے، فسادزدگاں ابھی تک سہمے ہوئے ہیں ان کی حفاظت کی یقین دہانی بہت ضروری ہے، فصلیں تیار ہیں، ڈر کی وجہ سے لوگ کاٹنے نہیں جا رہے ہیں، اس کا بندوبست کیا جائے تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں، شورش پسندوں کو اس صورت حال سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا موقع نہیں ملنا چاہیے، یہ تمام باتیں قابلِ ترجیح اور آپ کی توجہ کی مستحق ہیں۔

ایک اور خط

صدر محترم کو کچھ اہم ترین اطلاعات ملیں اس لیے آپ نے ۲۴ رنومبر ۱۹۸۹ء کو پھر وزیر اعظم کو خط لکھ کر بھاگلپور کے تازہ ترین واقعات کی جانب متوجہ کیا، آپ نے تحریر فرمایا کہ بھاگلپور کے ایس، پی کا تبادلہ کر دیا گیا ہے، لیکن معلوم ہوا ہے کہ اس کو پھر دوبارہ لانے کی کوشش ہو رہی ہے، یہ ایک المیہ ہوگا اُسے ہرگز دوبارہ نہ آنے دیا جائے ورنہ بھاگلپور کی صورت حال کو اور بھی خراب کر کے رکھ دے گا، آپ نے مزید لکھا کہ چندیری گاؤں میں جن سیکڑوں معصوم افراد کا پولیس کے ہاتھوں قتل ہوا اس سلسلہ میں انسپکٹر آف پولیس اور متعلقہ عملہ کو معطل کیا جائے اور ان کو گرفتار کیا جائے، اس کی طرف فوری توجہ دینی ضروری ہے، ان کی گرفتاری کا حکم ملنا چاہیے اور ان کے خلاف ضابطہ کی کارروائی کی جانی چاہیے۔

مولانا سید اسعد مدنی کو بھاگلپور سے اطلاع ملی کہ کالی اور دُرگا دیوی کی مورتیوں کے اُٹھانے کے وقت پھر فساد کی تیاری کی جارہی ہے، آپ نے فوراً وزیر اعظم کو خط لکھ کر صورتِ حال سے آگاہ کیا، آپ نے اپنے خط میں مسٹر راجیو گاندھی کو لکھا کہ بھاگلپور میں کالی اور دُرگا دیوی کی مورتیاں ابھی تک غرق آب نہیں کی گئی ہیں، شرارت پسندوں کا مطالبہ ہے کہ کم از کم پانچ ہزار کے ہجوم میں ان کو غرقاب کرنے کی رسم ادا کی جائے گی، شرارت پسند اس بہانے پھر فساد کرنا چاہتے ہیں، انتظامیہ نے پانچ افراد کو غرقاب کرنے کی اجازت دی ہے، مگر شرارت پسند اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں، اس کی وجہ سے شہر میں تناؤ ہے، شہر میں جگہ جگہ مورتیاں رکھ دی گئی ہیں، مسلمان خائف ہیں، انتظامیہ جھک سکتی ہے، جس سے فساد ہوسکتا ہے، ضرورت ہے کہ فوج بھیج کر شرارت پسندوں کے حوصلوں کو پست کیا جائے۔

دوسرا دورۂ بھاگلپور

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے ۲۷/۲۸ رنومبر ۱۹۸۹ء کو دوسری بار

فسادزدہ بھاگلپور کا دورہ کیا تو ہر جگہ لوگوں نے سرکاری مشینری کی شکایت کی اور بتایا کہ بہار ملٹری پولیس اور بہار پولیس نے بلوائیوں کے ساتھ مل کر انھیں تباہ و برباد کیا ہے، مولانا موصوف کے ساتھ ارکان جمعیۃ علماء بہار اور اخباری نمائندے بھی تھے، صدر محترم کے بیان کے مطابق سب سے اندوہناک واقعہ جگدیش پور تھانہ کے تحت لوگائیں میں ۲۷/ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو صبح پیش آیا جہاں بلوائیوں نے ۱۱۴ مسلمانوں کو شہید کر دیا اور ان کی لاشوں کو چھپانے کے لیے ایک کھیت کو استعمال کیا، اس میں جگہ جگہ لاشوں کو دفن کر کے اس پر سبزی بودی گئی تھی، وہاں کے تمام مکانات نذر آتش کر دیئے، سرکاری مشینری بلوائیوں کی پشت پناہی کر رہی تھی، لوگائیں گاؤں میں ایک متنفس بھی زندہ نہیں بچا، وہاں صرف چند کتے نظر آ رہے تھے جو سڑی ہوئی لاشوں کی بو سونگھ کر وہاں منڈلاتے پھر رہے تھے، لوگائیں کا راستہ بہت دشوار گذار ہے اس لیے کوئی وہاں اب تک نہیں پہنچ سکا تھا، سب سے پہلے مولانا سید اسعد مدنی بہت پریشانیاں اُٹھا کر پہنچے تھے، لوگائیں میں موت کا سا سنّاٹا چھایا ہوا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ وہاں بھوتوں نے ڈیرہ جمالیا ہے، دن کی روشنی میں وہاں کا ماحول اتنا ڈراؤنا تھا کہ خوف سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، وہاں کی واحد مسجد کو توڑ پھوڑ کر زمین کے برابر کر دیا گیا تھا، لاشوں کو کچھ کھیتوں میں چھپایا گیا تھا۔ کچھ لاشیں کنویں اور تالابوں میں پھینک دی گئیں، بہت سی لاشیں جلادی گئیں، تالاب کے کنارے ایک خاتون کے بالوں کی چوٹیاں بھی نظر آئیں، ملبوں کا ڈھیر دیکھ کر یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس کے نیچے جلی ہوئی لاشیں دبائی گئی ہیں، وہاں کے ۲۲/ افراد زندہ ہیں کیونکہ وہ اس وقت گاؤں میں نہیں تھے، وہ سب پناہ گزیں کیمپوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

صدر محترم دوسرے مقامات میں

مولانا سید اسعد مدنی نے جگدیش پور تھانہ کے تحت پورینی کا بھی دورہ کیا جہاں مختلف کیمپوں میں ۱۹ مواضعات کے ساڑھے تین ہزار افراد پڑے ہوئے ہیں، آپ نے وہاں ذمہ داروں سے کہا کہ ان کی آبادیوں میں بسانے کی مہم شروع کی جائے اور

ان لوگوں کی طرف سے ایف، آئی، آر، ضرور لکھوائی جائے، اور ہر ممکن قانونی کارروائی کی جائے، مولانا موصوف نے دیکھا کہ دھان کی فصل تیار کھڑی ہے مگر عدم تحفظ کی وجہ سے مسلمان نہیں کاٹ رہے ہیں، فصلیں شر پسندوں کے رحم و کرم پر ہیں، بعض علاقوں میں شر پسندوں نے مسلمانوں کے کھیت خود ہی کاٹ لیے ہیں، ہرنا بزرگ تھانہ رجوں کے کیمپوں میں تین ہزار پناہ گزیں ہیں جو ۲۹ مواقعات کے ہیں۔

صدر محترم خطرے میں گھر گئے

بھاگلپور شہر کے محلّہ نور پور صدر محترم پہنچے تو سر پسندوں نے مولانا موصوف اور ان کے رفقاء اور نامہ نگاروں کو اپنے حصار میں لے لیا، گھیرنے والے جارحانہ موڈ میں تھے، وہ حملہ کرنے کے ارادے سے جمع ہوئے تھے، مگر جرأت نہیں ہوئی اور صدر محترم موت کے منہ سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے ،اس محلّہ میں ایک مسجد کو شہید کردیا گیا اور اسّی مکانات نذر آتش کیے گئے تھے، اس محلّہ کے ۹ مسلمانوں کو شہید کر کے ان کی لاشیں ایک کنویں میں ڈال دی گئیں تھیں، حسن آباد کی مسجد کو نقصان پہنچایا گیا، میر غیاث چک کی پوری بستی جلا کر راکھ کردی گئی تھی، حسن آباد اور میر غیاث چک میں سات افراد شہید کیے گئے ، مدنی نگر کی مسجد کا دروازہ جلا دیا گیا اور قرآن مجید کے نسخے جلائے گئے ، یہاں دس ہزار کے قریب بلوائیوں نے بہار ملٹری پولیس اور بہار پولیس کے تعاون سے پورے مدنی نگر کا محاصرہ کرلیا تھا، اس محاصرہ میں ایک خاتون شہید ہوئیں، شکر اللہ چک میں ۱۵۰ مکانات لوٹے اور جلائے گئے ، قاضی چک کے ۱۶ مکانات نذر آتش ہوئے، مسجد کا منارہ ڈھا دیا گیا، موٹر گیرج میں آگ لگادی گئی جس میں مستری جل کر خاک ہوگیا، برہ پورہ ریلیف کیمپ میں ۲۵؍افراد پناہ گزیں تھے وہاں ۲۲؍اکتوبر کی شام کو ایک مسلمان شہید ہوا، مسجد کے قریب دو مسلمانوں کو قتل کیا گیا وہیں قریبی ریلوے اسٹیشن گھوگھا ہے، وہاں ایک ٹرین کو روک کر اس کے تقریباً ایک سو مسافروں کو قتل کیا گیا، اور کچھ لوگوں کو یہاں سے کشتی پر لے جا کر گنگا میں ڈبو دیا

گیا، کوروبہہ کیمپ میں چارسو پناہ گزیں ہیں، بیوراکیمپ میں بارہ سوافراد پناہ لیے ہوئے ہیں، جودس مواضعات کے رہنے والے تھے۔

ہدایات اور مشورے

صدرمحترم نے بتایا کہ پورے ضلع میں افواہوں کا بہت زور ہے کیونکہ شہر بھاگلپور میں کالی کی ۳۶ مورتیاں ابھی تک غرقاب نہیں کی گئی ہیں، دیہاتوں میں اب بھی قتل کی واردات ہوتی رہتی ہیں، یہ بھی معلوم ہوا کہ کالی کی مورتیوں کو بھسانے کی زبردست تیاریاں ہورہی ہیں، ان تیاریوں کو بی، جے، پی، فتح کا جشن کہہ رہی ہے۔

صدرمحترم نے اپنے پورے دورے میں ہر جگہ متاثرین کو تاکید کی کہ وہ اپنے اپنے گاؤں میں جاکر آباد ہوں، بہت سے موقعوں پر جمعیۃ کے کارکنوں کو تاکید فرمائی کہ وہ تمام متاثرہ علاقوں سے ہردم رابطہ رکھیں اور اپنی ساری توانائیاں بازآبادکاری اور مظلومین کو خودکفیل بنانے میں لگائیں، متاثرہ علاقوں میں بار بار جائیں تاکہ مظلومین کے حوصلے بلند ہوں، ان میں خوداعتمادی آئے، ان کو معلوم ہو کہ ہم بالکل بے سہارا نہیں ہیں، ہماری پشت پر بھی کچھ لوگ ہیں، مولانا موصوف نے جمعیۃ کے کارکنوں کو ہدایت کی کہ لاوارث اور بے سہارا بچوں کی فہرست تیار کی جائے، ایسے تمام بچوں کو کسی درسگاہ میں داخل کیا جائے گا اور ان کے وظیفے مقرر کیے جائیں گے۔

۲۸رنومبر ۱۹۸۹ء کو صدرمحترم نے اپنے رفقاء کے ساتھ اسپیشل ڈی، آئی، جی، نسیم احمد صاحب سے ملاقات کی، ان سے اپنی شکایت بیان کرکے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کو فصلیں کاٹنے کے لیے حفاظتی دستے مہیّا کریں، ورنہ ان کی فصلیں تباہ ہوجائیں گی تو وہ بے موت مرجائیں گے اور ریلیف کے کاموں کے لیے بھی خصوصی دستہ کی مانگ کی اور حالات کو معمول پر لانے کے لیے صلاح ومشورے کیے۔ ڈی، آئی، جی، نے وعدہ کیا کہ فصلیں کاٹنے کے لیے اور ریلیف کا کام کرنے والوں کے لیے حفاظتی دستے مہیّا کردیئے جائیں گے۔

وزیر اعظم سے ملاقات

بھاگلپور کے دورے سے واپسی کے بعد صدر محترم دہلی آئے اور ۳۰/نومبر ۱۹۸۹ء کو راجیو گاندھی وزیر اعظم حکومت ہند اور سابق وزیر اعلیٰ بہار مسٹر سنہا اور صدر بہار پردیش کانگریس آئی ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا سے الگ الگ ملاقاتیں کیں اور ان سے مطالبہ کیا کہ بھاگلپور کے فساد زدگان کے لیے حکومت آبادکاری کے اقدامات کا اعلان کرکے ان پر فوری کارروائی شروع کرے۔ وزیر اعظم سے ملاقات کے موقع پر آپ نے ان کو ایک میمورنڈم بھی دیا جس میں آپ نے اپنے دورہ کے وقت جو معلومات حاصل کی تھیں اس کی تفصیل تھی اس سلسلے میں جو ضروری اقدامات کرنے تھے نمبر وار مطالبات کی فہرست دی تھی، میمورنڈم میں آپ نے یہ بھی بتایا تھا کہ بھاگلپور کے محلّہ نور پور میں شر پسندوں نے مجھے اور میرے رفقاء کو حصار میں لے لیا تھا، ان کی نیت خراب تھی میں بہ مشکل ان سے بچ کر حصار سے نکلنے میں کامیاب ہوا، اس پر فوری توجہ درکار ہے۔

ابھی فوج نہ ہٹائی جائے

مولانا سید اسعد مدنی ۱۷/دسمبر ۱۹۸۹ء پٹنہ گئے اور وزیر اعلیٰ بہار ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا سے ملاقات کرکے ان کو اپنا خط دیا اور زبانی گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا کہ بھاگلپور کے حالات کے پیش نظر ابھی وہاں سے فوج نہ ہٹائی جائے، آپ نے وزیر اعلیٰ کو جو خط دیا اس کی نقل یہاں پیش ہے:

۱۷/دسمبر ۱۹۸۹ء

ڈیر مشرا جی!

''اخباری اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ پورے بھاگلپور سے یا بھاگلپور کے چند علاقوں سے فوج ہٹائی جارہی ہے اخباری اطلاعات کی وجہ سے عوام پریشان ہیں، میری آپ سے گذارش ہے کہ فوج ابھی نہ

ہٹائی جائے کیونکہ حالات اس کی اجازت نہیں دیتے اور عوام کے جان و مال کو فوج کی عدم موجودگی کی وجہ سے برابر خطرہ بنا رہے گا۔"

مخلص

اسعد مدنی

صدر محترم کا تیسرا دورہ

صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی تیسری بار بھاگلپور کے دورے پر تشریف لے گئے اور دو دن قیام کر کے سات تھانوں کے بیس سے زائد مقامات کا دورہ کیا، سب سے پہلے آپ تھانہ سبور کے گاؤں راجپور گئے، وہاں ۲۱ مکانات کو لوٹا اور جلایا گیا اور چار مسلمانوں کو شہید کیا گیا تھا، اس کے بعد آپ چندیری پہنچے، یہاں جناب نعمت اللہ صاحب کے اس مکان کو دیکھا جس میں ایک فوجی میجر نے مسلمانوں کو بغرضِ حفاظت رکھا تھا اور جس پر بلوائیوں نے حملہ کر کے باسٹھ مسلمانوں کو شہید کر ڈالا تھا، آپ کو ایک کنواں بھی دکھایا گیا جس میں سے آج بھی بدبو آ رہی تھی کیونکہ اس میں لاشیں پھینکی گئی تھیں اس گاؤں کی تمام مسجدوں کو مسمار کر دیا گیا تھا، وہ تالاب بھی دیکھا جس میں اسی گاؤں کی رہنے والی ملکہ بیگم نے چھلانگ لگا کر اپنی جان اور عزت و آبرو کی حفاظت کی تھی اور اس تالاب سے ۶۲ مسلمانوں کی لاشیں نکالی گئی تھیں، یہاں چالیس مکانوں کو لوٹا اور جلایا گیا تھا، اس کے بعد آپ سبور بازار تشریف لے گئے، یہ وہ جگہ ہے جہاں سے بھاگلپور کے فساد کی ابتدا ۲۳/اکتوبر ۱۹۸۹ء کو اس وقت ہوئی تھی جب یہاں سے رام شیلا جلوس گذر رہا تھا، یہاں بھی مسلمانوں کا زبردست نقصان ہوا تھا اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے تھے، پھر آپ تھانہ ناتھ نگر کے موضع بھتوڑیا گئے، اس گاؤں کے دو محلے ہیں انگلش ٹولہ اور پورب ٹولہ۔ انگلش ٹولہ میں ۴۵ مکانات تھے جو سب کے سب لوٹ کر مسمار کر دیئے گئے، یہاں تک کہ بنیادیں کھود کر اینٹیں تک نکالی گئے تھے۔ ۲۳ مسلمانوں کو شہید کیا گیا اور چار سو بیگہ کی کھڑی فصل کاٹ لی گئی، پورب ٹولہ میں ۲۵ مکانات تھے، سب تباہ کر دیئے گئے مسجد کو مسمار کر دیا گیا، یہاں ۱۸ مسلمانوں کو

شہید کیا گیا، اس کے بعد آپ تھانہ شاہ کنڈ کے گورا گاؤں گئے یہاں ۱۰۷ مکانات تھے، سب کو لوٹا گیا اور جلایا گیا، چار مسلمان شہید ہوئے، مسجد کو مسمار کیا گیا، اس کے بعد آپ امر پور کے پیٹی گاؤں گئے جہاں ۸۸ مکانات تھے سب کو لوٹ کر بعد میں جلا دیا گیا، یہاں سات مسلمانوں کو شہید کیا گیا، یہاں سے چل کر آپ پھلی ڈومر تھانہ سعد پور تشریف لے گئے، اس گاؤں میں ۶۰ مکانات تھے سب کے سب لوٹے گئے اور جلائے گئے یہاں سات مسلمانوں کو شہید کیا گیا اور مسجد کو ڈائنامائٹ لگا کر اُڑا دیا گیا۔ ۱۹/ دسمبر کو آپ تھانہ بانکا کے محلے سوراکوں گئے، اطراف کے ہندوؤں نے یہ افواہ پھیلا رکھی تھی کہ سوراکوں کے لوگوں کی فصلوں کو کاٹ لیا جائے گا، جس کی وجہ سے وہاں پہرہ دیا جارہا تھا، ایک رات پہرہ دینے والے تین نوجوانوں منہاج احمد، ریاض احمد اور محمد ہارون کو انتہائی بے دردی سے قتل کردیا گیا۔

صدر محترم نے ان کی قبروں پر جا کر فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب کیا اور ان کے پسماندگان سے تعزیت کی، یہاں سے آپ تھانہ بازار ہاٹ کے موضع کھڑیا وہ کیمپ گئے، اس کیمپ میں تقریباً پانچ سو افراد پناہ لیے ہوئے تھے، آپ نے ان کی ڈھارس بندھائی اور ان کو نامزد ایف، آئی، آر، درج کرانے کی تاکید فرمائی، اس کے بعد آپ تھانہ رجون کے گاؤں چک زہرا تشریف لے گئے، یہاں ۲۵ مکانات تھے جو لوٹ کر جلا دیئے گئے تھے، یہاں ۲۶ مسلمان شہید ہوئے پھر آپ رجون تھانہ گئے جہاں آپ نے نبی اللہ نامی اس نوجوان سے ملاقات کی جو چک زہرا کے قاتلوں کا چشم دید گواہ تھا، اس کے نام سے ۲۲ شرپسندوں کے خلاف نامزد ایف، آئی، آر، درج کرائی گئی، معلوم ہوا کہ فسادی عنصر اس کی جان کے درپے ہے اس لیے ضلع انتظامیہ نے اس کی حفاظت کے خاطر پولیس کی تحویل میں دے دیا ہے، آپ نے اس کی ڈھارس بندھائی اور ایک معقول رقم سے اس کی مدد کی، اس تھانے میں مسلمانوں کی تیس لاشیں موجود تھیں اس وقت تک ان کی تدفین نہیں ہوسکتی تھی، یہاں سے چل کر آپ موضع کٹیاں واں تشریف لے گئے یہاں ۶۷ مکانات لوٹے اور جلائے گئے اور چالیس مسلمانوں کو شہید کیا گیا تھا، پھر آپ چکمونیا گئے یہاں بھی ۶۷ مکانات کو لوٹ کر جلا دیا گیا تھا اور

سات مسلمانوں کوشہید کر دیا گیا تھا، یہاں سے آپ مکرم ڈیہہ پہنچے یہاں ۴۱ مکانوں کو لوٹا اور جلایا گیا تھا، اور ۸ مسلمانوں کو شہید کیا گیا، پھر آپ تھانہ جگدیش پور کے گاؤں لوگائیں تشریف لے گئے، جہاں چار گڑھوں سے ۱۰۹ لاشیں نکالی گئی تھیں، جن کی تدفین جمعیۃ ریلیف کمیٹی کے انتظام میں کی گئی، لوگوں کو تسلّی تشفی دی اور نامزد ایف، آئی، آر، درج کرانے کے ہدایت فرمائی۔

صدر محترم جب پہلے دورے میں لوگائیں گئے تھے تو وہاں زبردست بدبو پھیلی ہوئی تھی وہ بدبو اب بھی اسی طرح ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ اب بھی کچھ لاشیں گڑھوں میں کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہیں، جو اب تک برآمد نہیں کی جاسکی ہیں، لوگائیں سے چل کر آپ تھانہ ناتھ نگر کے موضع تمونی تشریف لے گئے، یہ پٹھانوں کا گاؤں ہے اور خوشحال تھا یہاں ۱۳۰ مکانات کو جلایا گیا اور لوٹا گیا یہاں ۱۲ مسلمان شہید ہوئے اور مسجد میں توڑ پھوڑ کی گئی۔

صدر محترم نے دورہ کے بعد وہاں ریلیف کے کاموں کو منظّم اور مرتب فرمایا! آپ نے پورے ضلع کو چار زون میں تقسیم کر دیا اور چار مرکز بنائے، ہر زون کو آپ نے ایک ایک لاکھ روپے ریلیف کے لیے دیئے اور تین تین سو نئے کمبل ہر زون کو عنایت فرمائے، تمام مرکزوں اور گاؤں سے رابطہ کے لیے ایک جیپ کا انتظام فرمایا، اس سے قبل بھی جمعیۃ ریلیف فنڈ سے بھاگلپور ریلیف کمیٹی کو چار لاکھ پنچانوے ہزار سات سو اکسٹھ روپے نقد دیئے جاچکے تھے، اس وقت تک بھاگلپور کی ریلیف کے لیے نو لاکھ روپے دیئے جاچکے تھے۔

وزیراعلیٰ بہار سے دوبارہ ملاقات

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے بھاگلپور کے اس دورے کے بعد ۲۰ ؍دسمبر ۱۹۸۹ء کو پٹنہ میں وزیراعلیٰ بہار سے ملاقات کی اور ان کو تازہ ترین صورتِ حال اور اپنے تاثرات سے آگاہ فرمایا، آپ نے وزیراعلیٰ کو بتایا کہ بھاگلپور کی انتظامیہ آپ کے ارادوں کی تکمیل میں روڑے اٹکا رہی ہے اگر انتظامیہ میں موثر

تبدیلی نہیں کی گئی تو نہ بھاگلپور میں سدھار ہوگا نہ مظلوموں کو راحت ملے گی، اگر مقامی حکام کو آزاد چھوڑ دیا گیا تو آپ کے اعلانات محض زبانی اور کاغذی ہوکر رہ جائیں گے۔

صدرمحترم نے یہ بھی یہ اصرار کیا کہ فوج کو اب بھی وہاں سے نہ ہٹایا جائے اور فوری طور پر اقلیتی افراد پر مشتمل ریاستی سطح پر کچھ کمیٹیاں بنادی جائیں اور امن وامان کی ذمہ داریاں ان کو سپرد کی جائیں، مولانا موصوف نے وزیر اعلیٰ سے یہ بھی شکایت کی کہ سہسرام جیل میں مسلم قیدیوں کے ساتھ بد سے بدتر سلوک کیا جارہا ہے، مسلم قیدیوں کو مختلف بیرکوں میں منتشر کرکے ان پر سخت مظالم کیے جارہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ تمام مسلم قیدیوں کو ایک ساتھ رکھا جائے اور ظلم کرنے والے حکام کے خلاف کارروائی کی جائے، سابق کلکٹر اور ایس، پی کے تبادلہ پر اپنے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اپنی اس تشویش کا بھی اظہار کیا کہ فسادات میں ملوث بارہ تھانوں کے انچارج اپنی جگہ پر ہیں اور ایف، آئی، آر، کے اندراج کے باوجود قاتلوں کی گرفتاری نہیں ہورہی ہے، وہ آزادانہ گھوم پھر رہے ہیں اور مظلومین کو دھمکیاں دے رہے ہیں۔
آپ نے یہ بھی کہا کہ فسادزدہ مقامات کے قرب وجوار کے دیہاتوں میں بڑی مقدار میں لوٹ کا مال موجود ہے، جس کو برآمد کرکے ان کے حقدار مالکوں کو دلانے کے لیے پولیس اور انتظامیہ نے کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے، ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ خطرے میں گھرے ہوئے اقلیتی افراد کو کلکٹر براہِ راست اسلحہ کے لائسنس جاری کرے، صدرمحترم نے ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا وزیر اعلیٰ بہار سے پُر زور مطالبہ کیا کہ وہ ذاتی توجہ سے مظلومین کی آبادکاری کے لیے جلد از جلد مناسب اور موثر اقدامات کریں اور صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے اصلاح کریں۔

میمورنڈم دیا گیا

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے وزیر اعلیٰ بہار سے بھاگلپور کے مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کے بعد ایک میمورنڈم بھی دیا جو آٹھ نکات پر مشتمل تھا جو درج ذیل ہے۔
(۱) شہیدوں کے ورثاء کو ایک ایک لاکھ روپے کا جو معاوضہ دینا تھا وہ دو مسلم اور دو

غیر مسلم کل چار آدمیوں کے علاوہ دوسرے کسی فرد کونہیں ملا ہے جبکہ شہداء کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے اس معاوضہ کی ادائیگی فوری طور سے کی جائے۔

(۲) بھاگلپور کے شہری اور دیہی علاقوں کے جو مکانات اور دُکانیں لوٹی گئی ہیں یا جلائی گئی ہیں ان کی آبادکاری کے لیے ایک گاؤں کو چھوڑ کر کسی قسم کا کوئی معاوضہ متاثرین کونہیں ملا ہے، جبکہ اس کی سخت اور فوری ضرورت ہے۔

(۳) کاروبار سے متعلق جو ۲۵ ہزار روپے دینے کا سرکاری اعلان تھا وہ تاہنوز کسی کو نہیں ملا ہے جس کی وجہ سے تاجروں کا ایک بڑا طبقہ فاقہ کشی کا شکار ہے۔

(۴) نامزد قاتل ابھی آزادانہ گھوم رہے ہیں اور ان کی گرفتاری ابھی عمل میں نہیں آئی ہے انھیں فوراً گرفتار کیا جائے اور ان پر قتل کے مقدمات چلائے جائیں۔

(۵) فساد کے دوران پولیس نے ظالمانہ طور پر بہت سے ضعیف اور بیمار بے قصور مسلمانوں کو غلط اور بے بنیاد دفعات قائم کر کے گرفتار کیا ہے، جو ظلم بالائے ظلم ہے، لہٰذا ایسے بے قصور مسلمانوں کو جلد رہا کیا جائے۔

(۶) جس طرح بعض علاقوں سے لوٹے گئے، مال برآمد کیے گئے ہیں اسی طرح تمام متاثرہ علاقوں کے آس پاس کے گاؤں میں سامان برآمد کیے جانے کی کارروائی تیز کی جائے۔

(۷) فساد کے بعد جو ایف آئی آر درج کرائی گئی ہے انھیں ردّی کی ٹوکری میں ڈالا جارہا ہے، اس کی چھان بین کر کے فوری قانونی کارروائی کی جائے۔

(۸) متاثرہ علاقوں کے مسلمانوں کو اپنی حفاظت اور مدافعت کے لیے ڈی ایم کے ذریعہ براہِ راست بندوق رائفل وغیرہ کے لائسنس دیئے جائیں۔

نقصانات کا اندازہ

بھاگلپور کے فساد میں اقلیتی فرقہ کا اتنا زبردست نقصان ہوا ہے کہ اس کا صحیح اندازہ کرنا ممکن نہیں تھا، جمعیۃ علماء ہند نے اپنے ذرائع سے جو معلومات حاصل کیں وہ یہاں پیش کیا جارہا ہے، اس فہرست کے بعد بھی ریلیف کمیٹیاں مزید نقصانات کا

جائزہ لے رہی ہیں۔ جمعیۃ علماء با قاعدہ اپنے کارکنوں کے ذریعہ فساد زدہ علاقوں کا سروے کرا رہی ہے۔ سر دست نقصانات کی ایک نامکمل فہرست پیش ہے:

مقتولین کی تعداد	۹۳۶
متاثر مواضعات	۱۳۵
شہر کے متاثرہ محلے	۵۲
دیہی علاقوں کے متاثرہ مکامات	۸۱۵
شہر کی لوٹی گئی اور جلائی گئی دُکانیں	۵۴۴
شہر کی متاثرہ مسجدیں	۱۷
دیہات کی متاثرہ مسجدیں	۴۳
گرفتار شدگان	۱۱۰۰
گرفتاری کے بعد جو رہا کر دیئے گئے	۴۰۰

صدر محترم کا پارلیمنٹ میں بیان

۲۸/دسمبر ۱۹۸۹ء کو راجیہ سبھا میں صدر کے خطبے پر شکریہ کی تجویز پر بحث میں حصّہ لیتے ہوئے مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند ایم پی نے فرقہ وارانہ فسادات پر ایک موثر تقریر کی جس میں صدر محترم نے اظہارِ افسوس کیا کہ صدر کے خطبہ میں ملک اور قوم کے اس سنگین مسئلہ کا ذکر تک نہیں ہے، مولانا مدنی نے اپنی تقریر میں فرمایا:

"مجھے افسوس ہے کہ گذشتہ مہینوں کے دوران ملک میں جو زبردست قتل و غارت گری ہوئی ہے، اس کا خطبہ میں کوئی ذکر نہیں ہے، ان فسادات میں منظّم قوتوں کے ساتھ سرکاری مشینری ملوث رہی ہے، اور اس نے ایک فریق اور مدعی بن کر قتل عام میں حصّہ لیا ہے اور مجرموں کی پشت پناہی کی ہے، حالیہ مہینوں میں سہسرام، کوٹہ، بدایوں، علی گڈھ، پالن پور، کھیڑا، سیتا مڑھی، بھاگلپور، مونگیر، جمشید پور، فیض آباد، رام پور، بنارس، شموگا، ہبلی، حیدرآباد، رتلام، مہو اور بھرگوں وغیرہ میں فسادات ہوئے، ہماری

فہرست کے مطابق بھاگلپور میں ۹۱۱ سے زائد افراد موت کے گھاٹ اُتارے گئے۔شہر میں ۳۷ محلے متاثر ہیں ۱۱۴ دیہات لوٹے گئے ہیں،اور جلائے گئے ہیں،شہر اور دیہاتوں میں ۴۹ مسجدوں کوشہید کیا گیا ہے، جگدیش پورتھانہ کے سب انسپکٹر نے فسادیوں سے مل کر لوگائیں گاؤں میں ۱۱۶ سے زائد افراد کو قتل کیا اوران کی لاشوں کومختلف جگہوں پر گاڑ دیا جو بعد میں برآمد کی گئیں، چندیری میں بی،ایس،ایف،نے عورتوں بچوں بوڑھوں اور مردوں کوایک مکان میں جمع کر کے پولیس کی حفاظت میں دیا تھامگر پولیس نے ان کو قاتلوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا اور وہ سب کےسب مارے گئےاس طرح بڑریی میں پولیس نے سات قتل کر دیئے، مکانات لٹوائے اور جلوائے،مکرم پور میں پولیس نے بندوقیں دکھا کر مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ اُف تک نہ کریں اور گاؤں چھوڑ کر چلے جائیں۔اس طرح ہر گاؤں میں پولیس اور بی،ایم،پی،نے بلوائیوں کا پورا پورا ساتھ دیا،۲۷ر نومبر کو بی،جے،پی،نے فتح کا جلوس نکالا جو ہر طرح کے مہلک ہتھیاروں سے مسلح تھا، پچاس ہزار کے اس خطرناک جلوس کے ساتھ صرف چند سپاہی تھے،جلوس انتہائی اشتعال انگیز نعرے لگارہا تھا، چارکلومیٹر تک لوگ برداشت کرتے رہےمگر جلوس کے شرکاء نے جب خواتین سے چھیڑ چھاڑ کی تو پورے شہر میں ہنگامہ ہوگیا، شام سے دو بجے رات تک کرفیونہیں لگایا گیا،اور بلوائیوں کوکھلی چھوٹ ملی ہوئی تھی اس موقع پرمسٹر کیلاش پتی مشر نے مداخلت کی مگر نائب چیئرمین نے حضرت مولانا کو تقریر کی اجازت دی، آپ نے فرمایا، لاڈنو میں ۲۶ر دسمبر کوایک طرف امن کمیٹی کا اجلاس ہورہا ہے اور دوسری طرف سب انسپکٹر لال چند کی سرپرستی میں فساد ہورہا ہے،فسادیوں کے خلاف کوئی کارروائی تونہیں کی گئی،مگر اقلیتی فرقہ کے لائسنس کے ہتھیار ضبط کرلیے گئے، وزیراعلیٰ جائے واردات پر تو ضرور گئے مگر انھوں نے

اقلیت کے کسی فرد سے ملاقات نہیں کی۔''

مولانا موصوف نے آخر میں فرمایا کہ صدر کے خطبہ میں اس سنگین مسئلہ کا ذکر ہونا چاہیے تھا، اوراس بات کی وضاحت ہونی چاہیے تھی کہ اس مسئلہ کے حل کے لیے حکومت کیا کارروائی کررہی ہے۔

آتش فشاں کالاوا اُبلنے لگا

۱۹۹۰ء میں الیکشن کے بعدنئ حکومت بننے والی ہے، ۱۹۸۹ء کے آخر میں فرقہ پرست پارٹیوں نے فضا کوخوب گرم رکھنے کے لیےاپنی اپنی حکمت عملی کے مطابق اپنی سرگرمیاں شروع کردی تھیں، ان فسطائی پارٹیوں کے پاس اس الیکشن کے موقع پرسب سے نفع بخش بابری مسجد کا مسئلہ تھا، انھوں نےاس مسئلہ کواٹھا کرالیکشن میں کامیاب حاصل کرنے کا پلان بنایا،اس وقت بی، جے، پی، کے صدرلال کرشن ایڈوانی تھے، انھوں نے اپنی مقبولیت بڑھانے اور ہندو ووٹ میں جذباتی اشتعال پیدا کرکےالیکشن میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے سومناتھ مندر سے اجودھیا تک رتھ یاترا کا پلان بنایا، وہ ہندوؤں کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ مسلمانوں نے سومناتھ کا مندر توڑا تھااس لیے ہندوؤں کواجودھیا کی بابری مسجدکوتوڑکراس کاانتقام لیناچاہتے۔

اب بابری مسجد کا مسئلہ ہندوستان میں سلگتا ہوا مسئلہ نہیں بلکہ دہکتا ہوا شعلہ بن چکا تھااورفرقہ پرست پارٹیوں نے اس مسئلہ کواتنی طاقت سے اُٹھایا تھا کہ پوری ہندو قوم بابری مسجد کا نام آتے ہی جذبات سے پاگل ہوجاتی تھی، بابری مسجد کا مسئلہ ایک الاؤ کی شکل اختیار کر چکا تھا اور چاروں طرف سے رہ رہ کر ان شعلوں میں پٹرول چھڑک چھڑک کراس کی َلوکوتیز سے تیز کیا جارہا تھا، اب اس کی لوَ بہت بلندی تک اُٹھنےلگی تھی۔

شیلانیاس کاپروگرام

اشوک سنگھل جووشوہندو پریشد کے جنرل سکریٹری تھے، انھوں نے اعلان کیا کہ

۳۰/اکتوبر ۱۹۸۹ء کو اجودھیا میں رام جنم بھومی مندر شیلا نیاس یعنی سنگ بنیاد رکھا جائے گا، یہ مذہبی عقیدہ اور جذبات کا معاملہ ہے عدالتوں کو اس کے فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں، پورے ملک کے ہندوؤں کے دلوں میں رام جنم بھومی مندر سے جذباتی رابطہ ہو جائے اور ان کی عقیدت کی جڑیں گہری ہو جائیں اور اس راہ میں بابری مسجد جو رکاوٹ ہے اس کو آناً فاناً توڑ پھوڑ کر زمیں بوس کر دینے کے لیے بے چین ہو جائیں، اور دیوانہ وار اجودھیا کی طرف چل پڑیں، اس لیے مندر کا سنگ بنیاد رسمی طور پر رکھنے سے یہ مقصد پورا نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے سنگ بنیاد کے لیے ہندوستان کے ۳۶ لاکھ گاؤں سے ایک ایک اینٹ لائی جائے اور ہر گاؤں میں اس اینٹ کی اجتماعی پوجا ہو، اور ہر گاؤں کی طرف سے ایک ایک اجودھیا پہنچائی جائے اس کو ''شیلا پوجن'' (اینٹ کی عبادت) کا نام دیا گیا، اسی ''شیلا پوجن'' نے بھاگلپور میں ایک ہزار مسلمانوں کو خون میں نہلایا تھا، جس کا زخم تازہ تھا اور یہی وِشو ہندو پریشد کا مقصد بھی تھا کہ ہندو قوم جذبات میں پاگل ہو جائے، اور مسلمانوں سے نفرت پورے عروج پر پہنچ جائے، یہ صرف بھاگلپور ہی میں نہیں ہوا بلکہ ہندوستان کے ہر خط میں اس شیلا پوجن نے قیامت ڈھائی بابری مسجد اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کی انتہائی خوفناک آندھی چلا دی، فرقہ وارانہ فسادات کا تانتا لگ گیا اس وقت فضا اتنی گرم ہو چکی تھی کہ پورے ملک میں بچھائی بارود کے ڈھیر میں صرف ایک چنگاری پڑنے کی دیر تھی، اور بہت سے مقامات پر یہ چنگاری ڈالی بھی گئی۔

ایڈوانی جی کی رتھ یاترا

جب ۱۹۸۹ء کے آخر میں الیکشن قریب آ گیا تو شری لال کرشن ایڈوانی صدر بھارتیہ جنتا پارٹی، وِشو ہندو پریشد کی بچھائی ہوئی بارود پر ایک اور تہ بچھانے کے لیے رتھ پر سوار ہو کر نکلے اور اس طرح نکلے جیسے وہ محاذ جنگ پر جا رہے ہیں اور ان کو اسلحہ کی ضرورت ہے، رگوں میں اُبلتے ہوئے خون والے نوجوانوں کی ضرورت ہے اور ان سورماؤں کی ضرورت ہے جن کے بازو فولادی ہوں تاکہ وہ ایک ضرب میں بابری مسجد کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیں۔

۲۵ ستمبر ۱۹۸۹ء کومسٹر ایڈوانی نے اپنی رتھ یاترا شروع کی، وہ گجرات، مدھیہ پردیش، راجستھان کے جن جن علاقوں سے گذرے، جذبات سے بھرے ہوئے فرقہ پرستوں نے ان کا شاندار استقبال کیا اوران کی خدمت میں کلہاڑیوں، بھالوں برچھوں اورترشولوں کے نذرانے پیش کیے،انھوں نے یاترا شروع کرنے سے پہلے کہا تھا کہ وہ اپنی اس رتھ یاترا میں کسی ایسے نعرے کی اجازت نہیں دیں گے جس سے فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ ہو،مگر دیکھنے میں یہ آیا کہ ان کی اس یاترا میں دلوں کو چھید دینے والے نعرے لگائے جاتے رہے،اقلیتوں اور بالخصوص مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا کیا جاتا رہا ان کے دلوں کے زخموں کو تازہ کیا جاتا رہا، ان نعروں سے مسلمانوں میں غم وغصہ اور اشتعال پیدا کرنے کی مسلسل کوشش کی جاتی رہی، تاکہ فرقہ پرستوں کا مقصد حل ہو، خود مسٹر لال کرشن ایڈوانی جس دن سومناتھ مندر سے اپنی رتھ یاترا شروع کی انتہائی اشتعال انگیز بیان دیا اور کہا کہ رام کا مندر اجودھیا میں بن کر رہے گا اس کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی اور جو اس مندر کی تعمیر میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرے گا اس کا وجود مٹا دیا جائے گا، مسٹر ایڈوانی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب کچھ میں کسی سرکار کی بنیاد پر نہیں کرر ہا ہوں، بلکہ عوام کی حمایت کی بنیاد پر کرر ہا ہوں، ہندوستانی عوام چاہتے ہیں کہ اجودھیا میں رام کا مندر بنے وہ بن کر رہے گا، میں پھر کہتا ہوں کہ اس کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی ہے، انھوں نے سیکولرزم کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا یہ ہندوستان سیکولر ملک ہے یہاں سیکولرزم کی حکمرانی ہوگی یہ سب فضول باتیں ہیں اصل سیکولرزم وہ ہے جس سے ہندوستان کے جذبات خواہشات اوران کی اُمنگیں وابستہ ہیں۔

ہتھیاروں کے نذرانے

مسٹر ایڈوانی اپنی رتھ یاترا میں جہاں بھی جاتے رہے ان کو وشوہندو پریشد، بجرنگ دَل اورآر، ایس، ایس، کے والنٹیئر بھالے، خنجر، ترشول اس طرح تحفے میں پیش کررہے تھے جیسے مسٹر ایڈوانی کسی دشمن ملک میں حملہ کرنے جارہے ہیں، مسٹر

ایڈوانی کے جذبات کیا تھے؟اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ بار بار اپنی تقریروں میں کہہ رہے تھے کہ ہندوستان کے پہلے وزیر داخلہ سردار پٹیل نے جس طرح سومناتھ کے مندر کی جس کو محمود غزنوی نے اپنے سترہویں حملہ میں توڑ ڈالا تھا، مرمت پر اس وقت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کو مجبور کر دیا تھا، اسی طرح ہندوستان کی رائے عامہ سے آج کے وزیر اعظم مسٹر وشوناتھ پرتاب سنگھ بھی مجبور ہوں گے کہ وہ بھی رام مندر کی تعمیر میں نہ خود کوئی رکاوٹ ڈالیں گے اور نہ کسی کو رکاوٹ ڈالنے کی اجازت دیں گے۔

کیسا ماحول بنایا جا رہا تھا؟

مسٹر ایڈوانی کی رتھ یاترا کے وقت جس طرح کی فضا بنائی جارہی تھی اس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ پورے گجرات میں بی، جے، پی، کی طرف سے ایسے پوسٹر لگائے گئے جن پر سومناتھ مندر کی تصویر کے ساتھ ساتھ سردار پٹیل کی بھی تصویر دی گئی تھی، اس کے ساتھ اس میں اجودھیا کے رام مندر کا ماڈل بھی دکھایا گیا تھا اور اس کے ساتھ مسٹر ایڈوانی کا فوٹو بھی لگایا گیا تھا، ان پوسٹروں سے مقصد یہ تھا کہ ہندو عوام کے ذہن میں یہ بات بٹھادی جائے کہ جس طرح سردار پٹیل نے ریاست حیدر آباد کی مسلم ریاست کو اپنے پیروں سے روند کر رکھ دیا تھا، مسٹر ایڈوانی بھی اجودھیا فتح کر کے وہاں رام مندر کی تعمیر کر کے مخالفین کو روند کر رکھ دیں گے، اس طرح مسٹر ایڈوانی سردار پٹیل کی طرح ہندوؤں کی نجات دہندہ اور قومی ہیرو بن جائیں گے، اور عوام میں مقبولیت بڑھ جائے گی۔

مسٹر ایڈوانی کا پروگرام

مسٹر ایڈوانی کے پروگرام کے مطابق تین سو کلو میٹر کا سفر ایک دن میں طے کریں گے وہ گجرات، مدھیہ پردیش، راجستھان ہوتے ہوئے دہلی پہنچے اور پھر وہ یہاں سے بہار گئے، مسٹر ایڈوانی کی اس رتھ یاترا میں ہزاروں کی تعداد میں شیوسینا، بجرنگ دَل،

وشو ہندو پریشد اور بی، جے، پی، کے والنٹیئر اپنے اپنے نشانات کے ساتھ سفر کر رہے تھے، ان کے پاس ہر طرح کے ہتھیار تھے جن سے وہ ایک طرف اپنی فرقہ پرستانہ ذہنیت کا مظاہرہ کر رہے تھے اور دوسری طرف ان کا مقصد اقلیتوں میں خوف وہراس پیدا کرنا بھی تھا۔

حکومت ہند کا رویّہ

ہندوستان کے وزیر اعظم مسٹر وشوناتھ پرتاب سنگھ تھے جو سیکولر ذہن ومزاج کے کہے جا رہے تھے، ان سے سیکولر جماعتوں نے بار بار مطالبہ کیا کہ مسٹر ایڈوانی کی رتھ یاترا پر پابندی لگائی جائے کیونکہ اس سے فرقہ وارانہ تناؤ برابر بڑھتا جا رہا ہے، اگر یہ آتش فشاں پھٹ پڑا تو پورے ملک کا امن وامان جل کر خاکستر ہو جائے گا مگر انھوں نے ان مطالبات کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا، ان کی بھی کچھ مجبوریاں تھیں۔ مسٹر وی پی سنگھ وزارت عظمیٰ کی کُرسی تک پہنچانے میں مسٹر ایڈوانی کا زبردست ہاتھ تھا، دوسری بات یہ کہ وہ بار بار کہہ چکے تھے کہ بی، جے، پی، فرقہ پرست پارٹی نہیں ہے اور فرقہ پرست جماعتوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، جبکہ وہ خود دیکھ رہے تھے کہ مسٹر ایڈوانی کی رتھ یاترا میں ان کے استقبالیہ جلسوں میں ہندوستان کی تمام فرقہ پرست پارٹیاں پیش پیش ہیں، وی پی سنگھ نے رتھ یاترا پر کوئی پابندی نہیں لگائی، اور ایڈوانی کی رتھ یاترا دارالحکومت سے ہوکر اپنے اگلے سفر پر روانہ بھی ہوگئی۔

دو یاترائیں مقصد ایک

لال کرشن ایڈوانی کی رتھ یاترا سے پہلے وشو ہندو پریشد کی امر جیوتی یاترا شروع ہو چکی تھی اور اس کو ۳۰؍ اکتوبر ۱۹۸۹ء تک اجودھیا پہنچنا تھا، مسٹر ایڈوانی کی رتھ یاترا اس کے بعد شروع ہوئی، ان دونوں یاتراؤں کا مقصد ایک تھا، دونوں ہندوؤں کے خون کو گرما کر مذہبی جنون میں مبتلا کر دینا چاہتی تھیں، خیال یہ تھا کہ اگر حکومت اپنے فرائض کو ادا کرتے ہوئے اجودھیا میں رام مندر کی تعمیر میں رکاوٹ ڈالتی ہے تو ایک

طرف تو وہ غصہ میں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں، اور دوسری طرف آنے والے الیکشن میں وہ اپنی تمام تر طاقت بی، جے، پی، اور شیو سینا کی جھولی میں ڈال دیں تا کہ وہ بلا شرکت غیر ہندوستان کے تخت حکومت پر قابض ہو جائیں۔

یاترائیں اپنے مقصد میں کامیاب

ہندو مسلم منافرت کو اس حد تک بڑھانا کہ فرقہ پرست تنظیمیں اقلیتی فرقوں کے خون کی پیاسی ہو جائیں، ان یاتراؤں کا مقصد یہی تھا، اس کے لیے بساطِ سیاست پر مہرے بٹھائے جا رہے تھے، مسٹر ایڈوانی کی رتھ یاتر میں استقبالیہ جلسوں میں لاٹھیوں، بلموں، نیزوں، خنجروں اور ترشولوں کے جو تحفے مل رہے تھے وہ وہیں کے پر جوش اور جذباتی والنٹیئر وں میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے، جن کو اپنے بدن پر سجا کر جلوس کی شکل میں اپنے گھروں کو لوٹتے تھے اور پھر کسی نہ کسی بہانے ان ہتھیاروں کے استعمال کا ان کو موقع مل جاتا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کرناٹک، مہاراشٹر، راجستھان، گجرات مدھیہ پردیش اُتر پردیش کا مشرقی علاقہ پوری طرح فساد کی لپیٹ میں آچکا تھا اور فسادات کا تسلسل شروع ہو گیا، شہروں اور دیہاتوں میں اب کوئی فرق نہیں رہا، کیونکہ ہتھیاروں کا تحفہ لے کر جانے والے شہری علاقے کے بھی تھے، اور دیہی علاقے کے بھی، گجرات کے شہروں میں چند ہی دنوں پہلے فساد ہوا تھا، ایڈوانی کی رتھ یاتر کے موقع پر دوبارہ پھر شروع ہو گیا، فساد میں کروڑوں روپے کا مالی نقصان ہوا اور چار افراد قتل کیے گئے تھے، بعد کے فساد میں بھی اقلیتی فرقہ ہی کے لاکھوں روپے کی املاک کی تباہی ہوئی اور سرکاری اطلاع کے مطابق تین افراد کی جانیں گئیں۔

مدھیہ پردیش کے شہر رائے پور میں جہاں سے ایڈوانی کی رتھ یاترا گذری تھی عید میلاد النبیؐ کے پُر امن جلوس پر بی، جے، پی، کی ذیلی تنظیم ''اکھل بھارتیہ وریارتھی پریشد'' کے والنٹیئر وں نے ان ہتھیاروں سے حملہ کر دیا جو چند دنوں بعد مسٹر ایڈوانی کے دستِ مبارک سے ان کو ملے تھے، راجستھان کے شہر اُودے پور اور پالی میں بھی یہی کھیل کھیلا گیا، مشرقی یو پی کے شہر گونڈہ کو بھاگلپور بنا دینے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا، جس

کا ذکر تفصیل سے گذر چکا ہے، اسی طرح کا پلان گونڈہ شہر کے متعلق بھی بنایا گیا تھا، شر پسندوں شہر میں اقلیتی فرقہ کی املاک کو لوٹا اور جلایا اور اس کے بعد دیہات میں والنٹیر وں کو ہری جھنڈی دکھادی گئی، جنھوں نے کرنیل گنج علاقے کے تیس گاؤں پر ہلّہ بول دیا ایک دم نراج لاقانونیت کا ماحول ہوگیا، اور جنگل کا قانون رائج ہوگیا۔ ہر طرف لوٹ مار، آتش زنی اقلیتی فرقہ کی آمدورفت بند ہوگئی، یہ آگ دُور تک پھیلی کہ ملائم سنگھ وزیر اعلیٰ اتر پردیش نے گونڈہ کے کلکٹر کو فوراً وہاں سے ہٹادیا، جب کہیں جا کر یہ آگ ٹھنڈی ہوئی پھر بھی پچاس کے قریب مسلمانوں کی جانیں گئیں جن کو پر جوش بلوائیوں نے مارا، پولیس فائرنگ کہیں نہیں ہوئی۔

صدر محترم کا پارلیمنٹ میں بیان

رام جیوتی یاترا اور اڈوانی کی رتھ یاترا نے ملک میں فرقہ واریت کا زہر بھڑکانے کا آغاز کیا اور جگہ جگہ اس کا ردِ عمل ظاہر ہونے لگا، تو جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا سید اسعد مدنی نے پارلیمنٹ میں اس مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے ان خطرات سے ایوان کو آگاہ کیا، جن سے مستقبل میں ہمارے ملک کو سامنا کرنا پڑے گا، ملک کے مختلف خطوں میں خونریز فسادات شروع ہو چکے تھے، جہاں جہاں سے یہ یاترائیں گذری تھیں وہاں کے مسلمانوں کو آگ اور خون کی بارش سے گذرنا پڑا۔ صدر محترم نے پارلیمنٹ میں اس مسئلہ پر بولتے ہوئے کہا!

"ملک میں فرقہ پرست تنظیمیں منظّم طور پر مسلمانوں اور اقلیتوں کے خلاف عوام کو گمراہ کررہی ہیں۔"

آپ نے بی، جے، پی، کے صدر لال کرشن اڈوانی اور وشو ہندو پریشد کی یاتراؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ!

"اس وقت ملک کی فرقہ وارانہ صورت حال انتہائی دھماکہ خیز ہے، ضلع گونڈہ کے اطراف کرنیل گنج اور اس کے تیس سے زائد دیہات زبردست فساد کا شکار ہیں، فرقہ پرستوں کا معمول بن چکا ہے کہ وہ پتھر

پھینکنے اور جلوس پر حملہ کرنے کے فرضی بہانوں کے ساتھ فسادات شروع کر دیتے ہیں، گونڈہ میں بھی ایسا ہی ہوا، وہاں بھی درگا پوجا کا ایک جلوس نکالا جو انتہائی اشتعال انگیز نعرے لگا تا ہوا جب صفویہ یتیم خانے پر پہنچا تو شرارت پسندوں نے جو لاٹھیوں بلّیوں اور خنجروں سے مسلح تھے، اس یتیم خانے پر حملہ کر دیا، حملہ کا منصوبہ پہلے ہی تیار کر لیا گیا تھا، اس جلوس میں جرائم پیشہ اور شر پسندوں کو چالیس ٹرالیوں میں بھر کر دیہاتوں سے لایا گیا تھا، کرنیل گنج کے تیس سے زائد دیہات اس فساد سے متاثر ہیں اور کوئی گاؤں ایسا نہیں ہے جہاں پانچ سات دس بیس آدمی شہید نہ کیے گئے ہوں زندہ لوگوں کو جلا دیا گیا، بچوں کو بھی نہیں بخشا گیا اور ان کو جلایا گیا اس سے بڑھ کر بربریت اور کیا ہوگی شر پسندوں نے قتل وغارت گری کا ثبوت مٹانے کے لیے مرنے والوں کی لاشوں کو دریا میں بہا دیا، ایسے ہی خطرناک حالات تلوانپورہ، شاہ جمال پورہ اور رام پور میں بھی موجود ہیں، گجری گاؤں کے چھ آدمی آرہے تھے، ان کو راستہ ہی میں قتل کر دیا گیا، ان کی لاشیں پولیس تھانے کے تالاب سے برآمد ہوئی ہیں۔

صدر محترم نے فرمایا کہ یہ بات اچھی ہے کہ آج پارلیمنٹ میں کچھ لوگ اس سلسلے میں آواز اُٹھا رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ ملک میں کچھ لوگ تحریکیں چلا کر ملک کو انتشار میں مبتلا کر رہے ہیں، ہم سب کو اس پر سوچنا چاہیے، آپ نے فرمایا کہ ملک میں جو حالات پیدا کیے جا رہے ہیں ان سے ملک برباد ہوگا۔ یہ سب کچھ سیاسی مفاد حاصل کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے، آپ نے توجہ دلائی کہ اگر ملک میں امن نہیں ہوگا، انصاف نہیں ملے گا، بھائی چارہ نہیں رہے گا، ایک دوسرے کے ساتھ اچھے پڑوسی کی طرح نہیں رہیں گے تو یہ ملک انسانوں کا نہیں حیوانوں اور جانوروں کا ملک بن جائے گا۔ آپ نے غیر مبہم لفظوں میں فرمایا کہ اکثریت کے زعم میں ایک دوسرے کو نیچا دِکھانے کی پالیسی چھوڑ دینا

چاہیے، اس لیے کہ آج جو کمزور ہے وہ کل طاقتور بھی ہوسکتا ہے، پھر وہ بھی وہی تماشہ کر سکتا ہے، یہیں اس طرح کی خواہش کو ختم کر دینا چاہیے، اور ایسی تمام تنظیموں کو خواہ وہ آر، ایس، ایس، ہو یا کوئی اور، جو بھی ملک میں بربادی لانا چاہے، اس کو کسی طرح کی کوئی اجازت نہیں ہونی چاہیے، آپ نے اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ جو بھی مجرم ہو اس کو سزا ملنی چاہیے تاکہ آئندہ اس قسم کی حرکتوں کو روکا جاسکے، ملک میں ہونے والے فسادات پر ہم سب کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے، اور ایسے عناصر کو کچل کر رکھ دینا چاہیے جو خالص اپنے مفاد کے لیے ملک کا استحصال کر رہے ہیں۔''

فساد زدہ کرنیل گنج کا دورہ

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے پارلیمنٹ میں اظہار واقعہ کر کے حکومت کو کرنیل گنج گونڈہ کے فساد کی اہمیت کو بتانے کے بعد خود ان تمام فساد زدہ علاقوں کا دورہ کیا تاکہ بچشم خود حالات کو دیکھ کر ان کی ریلیف اور ان کی امداد کی تدابیر اختیار کی جاسکیں، چنانچہ آپ گونڈہ اور کرنیل گنج اور اس کے متاثرہ دیہاتوں کا تفصیلی دورہ کر کے، وہاں کے مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی مکمل رپورٹ مرتب فرمائی اور وزیراعظم مسٹر وی پی سنگھ کو رپورٹ بھیج کر ان کو مظلومین کی بازآبادکاری اور امداد بحالی کی طرف ان کو متوجہ کیا۔ رپورٹ کے ساتھ صدر محترم نے ایک مفصل خط بھی تحریر فرمایا تھا جس میں آپ نے تحریر کیا تھا کہ شرپسندوں کا پہلا حملہ یتیم خانے پر ہوا، گیٹ بند تھا، پی، اے، سی، والوں نے زبردستی گیٹ کھلوایا اور یتیم خانے میں گھس کر تمام بچوں اور اساتذہ کی جم کر پٹائی کی اور کہا کہ تم نے جلوس پر بم پھینکا ہے اور پھر ایک سو سے زیادہ بچوں اور ان کے نگراں کو لے جا کر جیل میں بند کر دیا، میں نے ان بچوں کے جسموں پر لاٹھیوں کی مار کے نشانات خود دیکھے ہیں، جسم کا وہ حصہ کالا پڑ گیا ہے، کرنیل گنج میں کوتوال کے قریب مسلمانوں کی ۲۱ دُکانوں کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا اور ۱۶ مسلمان شہید

کیے گئے، جگہ جگہ ڈھانچے نظر آ رہے تھے، مسلمانوں کی دُکانوں اور مکانوں کو پہلے لوٹا اور پھر آگ لگا دی، غلہ کے آڑھتیہ کے ڈھائی سو بورے غلہ لوٹ لیے گئے اور باقی میں آگ لگا دی گئی، کرنیل گنج میں دوسودکانیں اور کھوکھے لوٹے اور جلائے گئے۔ پی، اے،سی، والوں نے اذان دینے والے ایک نوجوان کو پکڑ کر بُری طرح زدوکوب کیا، محلّہ کے دونوجوانوں کو گولیوں سے بھون دیا، دونوجوان غائب ہیں یقین ہے کہ ان کو بھی مار کر لاش غائب کر دی ہے، کرنیل گنج شہر کے بعد آپ دیہاتوں میں تشریف لے گئے، جتنے مکانات لوٹے اور جلائے گئے تھے سب کی تفصیل دی تھی اور تمام ہلاک کیے جانے والوں کی فہرست دی، خط کے آخر میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ بیس کیلومیٹر کے علاقے میں چالیس گاؤں فساد سے متاثر ہیں۔

یہ تمام تفصیلات اپنے تفصیلی خط کے ساتھ آپ نے وزیراعظم ہند کو خود دیں اس سے پہلے صدر محترم مسلم ممبرانِ پارلیمنٹ کو لے کر کرنیل گنج اور گونڈہ کے فساد کے سلسلے میں وزیراعظم سے مل کر توجہ دلا چکے تھے، یہ دوسری کوشش تھی۔

رام مندر کا مسئلہ قومی وقار کا مسئلہ ہے

فرقہ پرست طاقتوں نے ۳۰/اکتوبر ۱۹۹۰ء کو بابری مسجد کو شہید کر کے رام جنم بھومی مندر بنانے کا فیصلہ کیا تھا، بی، جے، پی، کے صدر لال کرشن ایڈوانی نے بھی رام مندر بنانے کی تحریک میں بھرپور حصہ لینا شروع کر دیا تھا، اس طرح وشو ہندو پریشد اور بی، جے، پی، کے درمیان جو تھوڑا سا فاصلہ بظاہر نظر آ رہا تھا، اب وہ فاصلہ بھی ختم ہو گیا تھا، دونوں ایک ہی راہ کے راہی اور ایک ہی منزل کی طرف سفر کرنے والے ہو گئے۔

مسٹر ایڈوانی نے اعلان کر دیا کہ رام جنم بھومی کا مسئلہ قومی وقار کا سوال بن گیا ہے، اس سوال پر ہندو سماج کو فتح ملنی چاہیے، اس میں ناکامی تمام قوم پرست طاقتوں کی ناکامی ہے۔ یعنی جو طاقتیں مندر کی تعمیر کے حق میں ہیں وہ قوم پرست ہیں اور جو لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں، وہ قوم دشمن ہیں، یہ نظریہ کتنا خطرناک ہے۔ سیاستدانوں نے اس کی اہمیت کو شاید سمجھا نہیں یا سمجھ لیا ہے اور ان کے دل کے اندر

چور ہے اور وہ اندر سے اس کی حمایت کررہے ہیں، اگر حمایت نہیں کررہے ہیں تب بھی ان کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

ہردوار کا سمّیلن

۲۳ رجون ۱۹۹۰ء کو ہردوار میں ایک بہت بڑا سمّیلن کیا گیا، جس میں ہندو مذہبی لیڈروں کی میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اگست کے مہینہ سے اکتوبر تک پورے ملک میں تحریک چلائی جائے گی اور گاؤں گاؤں سے مندر کی تعمیر کے لیے والنٹیئر جمع کیے جائیں گے، جلوس نکالے جائیں گے، فیصلہ کرنے کے بعد اس پر عملدرآمد بھی شروع کردیا گیا۔ آر، ایس، ایس، بی، جے، پی، وشوہندو پریشد، بجرنگ دَل اور ان کی ہمنوا تمام فرقہ پرست پارٹیوں نے ملک کے امن وامان کو آگ لگانے اور ملک کی سیکولر طاقتوں سے سیدھی ٹکر لینے کے ناپاک منصوبے اور خطرناک پروگرام پر عمل کرنا شروع کردیا۔ وشوہندو پریشد کے جنرل سکریٹری اشوک سنگھل نے ہردوار کی اسی میٹنگ میں یہ اعلان کر کے اس مسئلہ پر گفت وشنید کے تمام دروازے بند کردیئے کہ اب کسی بھی قیمت پر مندر کی تعمیر اور تاریخ کے بارے میں کوئی سمجھوتہ یا تبدیلی نہیں ہوگی، ہندو مذہبی لیڈروں نے جو فیصلہ کیا ہے، اُسے دنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکے گی، عدالت، کے فیصلہ کو ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کیا جائے گا، ایکشن پلان کے تحت یکم اگست کو ورندا بن، متھرا میں سنت سنکلپ دیوس منایا جائے گا، ضلع سے صوبے تک کی سطح پر کارسیوا سمیتیاں بنائی جائیں گی، ۱۴ راگست سے ۳۱ راگست تک وِشوہندو پریشد اپنی سلور جوبلی منائیں گی، ۲۹ رستمبر یعنی دسہرے کے دن سے پورے ملک میں فتح کے جلوس نکالے جائیں گے، یہ جلوس ۲۹ راکتوبر تک نکلتے رہیں گے، ۳۰ راکتوبر کو کارسیوا شروع ہوگی اور بابری مسجد کو توڑ کر اس کی جگہ رام جنم بھومی مندر کی تعمیر شروع کردی جائیں گی، ۳۰ راکتوبر کا دن اس لیے منتخب کیا گیا ہے کہ اس دن لاکھوں کی تعداد میں رام کے بھگت اجودھیا کے سالانہ پریکرما میلے میں شرکت کے لیے آتے ہیں، یہاں آنے والے رام بھگتوں میں مل کر تمام والنٹیئر بابری مسجد میں داخل ہوجائیں گے، اور اس کو

توڑ کر مندر کی تعمیر شروع کردی جائیں گی ،اگر اس کارسیوا کو روکنے کی کوشش کی گئی تو یہ والنٹیئر گرفتاری پیش کریں گے،اور ملک کی تمام جیلیں بھردی جائیں گی، وشو ہندو پریشد نے اپنے ایکشن پلان پر عمل شروع کردیا۔

وِجے یاترا

بی جے پی کے صدر لال کرشن ایڈوانی نے رام جنم بھومی مندر کی تعمیر کے لیے سومناتھ مندر گجرات سے رتھ یاترا شروع کی، اس یاترا کا مقصد اقلیتوں اور سیکولر عناصر کو خوف زدہ کرنا تھا، اوران کے دل و دماغ میں دہشت بٹھانی تھی، خاص طور سے مسلمانوں کو اتنا دہشت زدہ کردیا جائے کہ وہ بپھرے ہوئے والنٹیئر وں کی جنگ کی تیاریوں کو دیکھ کر سہم جائے اور وہ ازخود بابری مسجد وشو ہندو پریشد کے حوالے کردیں،اس لیے اس وِجے یاترا اور فتح کے جلوس کا جہاں گذر ہونے والا ہے، وہاں اس کے استقبال کی تیاری اس انداز سے ہوتی تھی کہ وہاں کی اقلیتی آبادی وجے یاترا کے پہنچنے سے پہلے لرزہ براندام ہوجاتی تھی اورجلوس کے گذر جانے کے بعد وہاں فساد ہوجاتا تھا،مسلمانوں کی چین کی نیند حرام ہوچکی تھی،مسٹر ایڈوانی نادرشاہ بن کر اس دیار سے گذرتے تھے، وشو ہندو پریشد نے بھی اس مرتبہ دیوالی کو امرجیوتی کے ذریعہ منانے کا فیصلہ کیا تھا، اس کا پلان تھا کہ اوجودھیا سے امرجیوتی نکالی جائیں گی اور پورے ملک میں ہندوؤں کے دیئے اس امرجیوتی سے روشن کیے جائیں گے،۳۰ راکتوبر کو یہ امرجیوتی اجودھیا واپس لائی جائیں گی، یہ امرجیوتی جن جن مقامات سے گذرے گی ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد اس کا استقبال کرے گی اور اس کی پوجا کرے گی ،ظاہر ہے ان موقعوں پر رام کے نام پر اقلیتوں کو ہراساں کرنے والی زہریلی تقریریں کی جاتی رہی ہوں گی ،جن سے ہندوؤں کے جذبات میں آگ لگا دی جاتی رہی ہوگی ، ان میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کا جوش پیدا ہوجاتا تھااوراس مقام کے مسلمان کانپ کر رہ جاتے رہے ہوں گے۔

حال یہ تھا کہ جگہ جگہ مسلح نوجوان اقلیتی افراد سے اپنی نفرت کا مظاہرہ کرکے

مستقبل میں آنے والی تباہی کا ان میں شدید احساس پیدا کرا دیتے تھے، اقلیتی طبقہ کا حال یہ تھا جیسے کوئی خونخوار ڈاکو بندوق کی نال سیدھی کیے ہوئے کھڑا ہے، معلوم نہیں کب اس کی لبلبی پر اس کی انگلیاں پڑ جائیں اور پورے دھماکے ساتھ لاشیں زمین پر بکھر کر رہ جائیں، ۱۹۹۰ء کا آخری نصف سال اسی ماحول میں گذر رہا تھا۔

بزدل ضمیر فروش افراد

اس دہشت بھرے ماحول میں اقلیتی افراد کے وہ رہنما جو مسلمانوں کے مسیحا بن کر پورے ملک میں اپنا وقار بڑھا رہے تھے، خوف زدہ ہو کر مسلمانوں کو مشورہ دینے لگے کہ بابری مسجد میں کیا رکھا ہے، اس سے ہندوؤں کے حق میں دست بردار ہو جانا چاہیے، یہ مشورہ اس وقت دیا جا رہا تھا جب بی، جے، پی، کے صدر مسٹر ایڈوانی نے بابری مسجد کے سلسلے میں ایک خطرناک چال چلی تھی، انھوں نے اعلان کیا کہ اگر مسلمان بابری مسجد دے دیں تو ہم وشو ہندو پریشد سے کہیں گے کہ وہ بنارس کی گیان واپی مسجد اور متھرا کی عیدگاہ سے دست بردار ہو جائیں اور ان کو مندر بنانے کا ارادہ ترک کر دیں، یہ پیشکش انھوں نے کیوں کی؟ کیا اس کے پیچھے کوئی سازش تھی؟ جہاں تک اندازہ کیا جاتا تھا کہ یہ سوچا سمجھا پلان ہے، کیونکہ ایڈوانی کی پیشکش کے بعد کئی لوگوں نے مسلمانوں کو اس پیشکش کو قبول کرنے کا مشورہ دیا، سب سے نمایاں نام علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر سید حامد کا ہے، جو سب سے پہلے سامنے آئے، انھوں نے ایک کھلا خط لکھ کر مشہور مسلم شخصیتوں کے نام روانہ کیا جس میں انھوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا کہ مسٹر ایڈوانی کی اس پیشکش کو فوراً قبول کر لینا چاہیے، انھوں نے مسلم رہنماؤں سے اپیل کی کہ وہ ہمّت کر کے آگے آئیں اور ایڈوانی کی پیشکش کی حمایت میں رائے عامہ ہموار کریں، یہ مسلمانوں کے ایک ہیرو اور بزعم خود مسلمانوں کے مسیحا کے جذبات وخیالات تھے، انھوں نے اس کو اینٹ پتھر کی ایک عمارت کے خرید وفروخت کا مسئلہ سمجھا، ان کے اس مشورہ کو اقبال کی زبان میں یہی کہا جا سکتا ہے — ’’کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے۔‘‘ ضمیر فروشی کی یہ مثال ہماری تاریخ میں پہلی نہیں ہے جنھوں نے سراج الدولہ کی حکومت انگریزوں کو بیچ دی،

میر صادق نے سلطان ٹیپو کی اسلامی حکومت کو انگریزوں کی جھولی میں ڈال دی، تاکہ اپنے آقاؤں سے انعام حاصل کر سکیں۔

اس پیشکش میں راز کیا تھا؟

جو لوگ بابری مسجد کے خلاف تحریک میں پیش پیش تھے ان کا مقصد رام کی پوجا اور اس کے لیے مندر بنانا نہیں تھا، وہ کوئی اَن پڑھ مذہبی افراد بھی نہیں تھے، وہ پاگل اور جنونی مذہب پرست بھی نہیں تھے کہ دھرم کے نام پر قربانیاں دیں وہ تعلیم یافتہ اور ہوا کا رُخ پہچاننے والے لوگ تھے، ان کو رام مندر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، لیکن وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے، اور انھوں نے کیا بھی، مسٹر اڈوانی تو اپنے خاندانی مذہب کے لحاظ سے بھی رام کے پجاری نہیں تھے، کیونکہ وہ سندھ کے رہنے والے تھے، جہاں رام، لچھمن اور سیتا کے نام سے بھی ہندو واقف نہیں، اڈوانی جب بی، جے، پی، کے صدر ہوئے تو انھوں نے اپنی مقبولیت بڑھانے اور سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لیے اَن پڑھ عوام کے جذبات کو بھڑکانے اور بی، جے، پی، کے حق میں ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے یہ ڈرامہ شروع کیا اور اس سلگتے ہوئے مسئلہ کو اپنا ایشو بنا لیا تھا، وہ سید حامد کی طرح نہیں، ہوشیار سیاستداں تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ بابری مسجد کا مقدمہ عدالت میں داخل ہے اور ہندوؤں کے پاس ثبوت کی انتہائی کمی ہے، اس کے برخلاف مسلمانوں کے پاس ان کے دعویٰ کے حق بجانب ہونے میں ہندوستان کی پوری تاریخ ہے اس لیے عدالت مجبوراً مسلمانوں کے حق میں فیصلہ کرے گی اور انجام کار ہندوؤں کو شکست ہوگی اور وہ محرومی کا شکار ہوں گے، اس لیے اڈوانی نے پینترا بدل کر یہ پیشکش کر دی، تاکہ عدالت کے باہر ہم اس مقدمہ کو جیت جائیں گے، تو عدالت سے مقدمہ از خود خارج ہو جائے گا، رہ گیا بنارس اور متھرا کی مسجد اور عید گاہ کا مسئلہ تو یہ مستقبل کے حوالے ہے، ہندوستان کے ہندو اڈوانی کے زر خرید غلام تو نہیں تھے کہ وہ جو کہیں گے وہ آنکھ بند کر کے مان جائیں گے، اڈوانی بھی اس کو سمجھتے تھے کہ جب مسلمان ایک محاذ پر ہار جائے گا تو اس کی ہمت پست

ہو جائیں گی، سید حامد جیسے لوگ سامنے آجائیں گے تو بنارس اور متھرا کے محاذ پر زیادہ دیر تک نہیں ٹک سکتے اور ہندو عوام خود اس مسئلہ کو اپنے زور بازو سے حل کر لیں گے، اصل راز یہی تھا ایڈوانی کو اس مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، وہ وقتی فتح چاہتے تھے، اور اسی کے لیے وہ لڑ رہے تھے۔

فرقہ پرستوں کا مقصد

فرقہ پرست بابری مسجد کا مسئلہ اُٹھا کر مسلمانوں سے نفرت وعداوت کا ماحول گرم کر کے ہندو ووٹ سمیٹ لینا چاہتے تھے، اس طرح وہ ہندوستان کی تمام پارٹیوں کو شکست دے کر نظام حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے، وہ سیکولرزم پر یقین نہیں رکھتے وہ خالص ہندو حکومت کا خواب دیکھتے تھے، اور ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے کے وہ دل سے خواہشمند تھے اور وہ اپنے مخالف مسلمانوں کو اس ملک میں دوسرے درجہ کا شہری بنا دینے کا جذبہ دل میں رکھتے تھے، ان مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے بابری مسجد سے بہتر اور مفید کوئی مسئلہ نہیں تھا، اور اس مسئلہ کو اس زور شور سے پھر سے ملک میں اُٹھا گیا، جیسے ہندوستان کی ترقی اپنے معراج تک پہنچ چکی ہے، اب اس ملک میں کوئی دوسرا کام کرنے کا نہیں رہ گیا ہے صرف ایک بابری مسجد کا مسئلہ رہ گیا ہے، جس کو ہندوستان کے تمام لوگ مل کر حل کرنا چاہتے ہیں، ان پڑھ عوام کو فرقہ پرستوں نے اسی راہ پر لگا دیا، ان کو یقین تھا کہ اس راہ سے ہم بہت جلد اقتدار کی کرسیوں تک پہنچ جائیں گے، اور ان کا یہ سوچنا کچھ غلط بھی نہیں تھا جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا۔

اُمید کی کرن

دونوں یاتراؤں نے ملک میں امن وامان کو جلا کر خاکستر کر دیا، ہر طرف فتنہ و فساد کے شعلے دہکنے لگے۔ مسلم دشمنی اور نفرت کا سیلاب پوری روانی سے جاری تھا، جیسے مسلمانوں کا سارا اثاثہ بہا کر لے جائے گا، بابری مسجد ٹوٹے گی تو مسلمانوں کا دل بھی ٹوٹے گا، وہ محرومی و مایوسی کی ایسی دلدل میں پھنس جائیں گے، جس سے نکلنے میں

ان کو اپنی ساری توانائیاں لگانی ہوگی، اس یاس و نامرادی کے اندھیرے میں اُمید کا صرف ایک ٹمٹماتا ہوا دِیا تھا کہ ایک مردآہن ملائم سنگھ یادو اترپردیش حکومت کے وزیر اعلیٰ تھے۔ انھوں نے اب تک دورُخی سیاست کبھی نہیں کی۔ دل اور زبان دونوں ایک دوسرے کی تصدیق کرتے تھے۔ وہ فرقہ پرستوں کے سامنے جھکنے کے لیے تیار نہیں تھے، انھوں نے غیر مبہم اور بہت واضح پالیسی اختیار کی اور صاف کہہ دیا کہ بی جے پی اور وشو ہندو پریشد رتھ یاترائیں نکال کر ۳۰؍اکتوبر کو اجودھیا میں فساد کے ماحول میں مندر کی تعمیر نہیں کر سکتے، اور صاف کہہ دیا کہ اگر انھوں نے زور زبردستی سے کام لیا تو حکومت پوری طاقت سے ان کو روکے گی، انھوں نے اپنی پالیسی کا اظہار کر کے خاموشی نہیں اختیار کر لی بلکہ انھوں نے ہندو قوم سے یہ اپیل کی کہ اجودھیا میں جو سالانہ پریکرما ہوتی ہے اور اس سال وہ ۳۰؍اکتوبر کو ہونے والی ہے وہ ۳۰؍اکتوبر کو اجودھیا نہ جائیں۔

مردِ آہن

ملائم سنگھ وزیر اعلیٰ اُترپردیش کے اس اعلان کے بعد فرقہ پرست ان کے دشمن ہو گئے، ان کو سیاسی وسماجی بائیکاٹ کی دھمکیاں دی جانے لگیں مگر وہ اپنے اعلان پر قائم رہے اور اپنے موقف پر سختی سے جمے رہے، انھوں نے کہا اگر ہندو مسلم سمجھوتہ نہیں ہوتا تو اُترپردیش کی حکومت عدالتی فیصلہ پر عمل کرے گی، اور جب تک عدالتی فیصلہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک کسی فریق کو اجودھیا میں کسی طرح کی سرگرمی کی اجازت نہیں دی جائے گی، انھوں نے شنکر اچاریہ سوامی سر دھانند کو گرفتار کر کے اپنے عزم راسخ کا ثبوت بھی دے دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ جب تک عدالتی فیصلہ نہیں ہو جاتا، اس وقت تک اجودھیا میں رام مندر کی تعمیر کی اجازت نہیں دی جائے گی، اور نہ بابری مسجد کو ہاتھ لگانے دیا جائے گا، انھوں نے کہا کہ اگر فرقہ پرستوں کے پاس ثبوت ہیں کہ مندر توڑ کر مسجد بنائی گئی ہے تو پھر وہ عدالتی فیصلہ کو ماننے کے لیے کیوں تیار نہیں ہوتے، جبکہ مسلمان اوّل دن سے اعلان کر رہے ہیں کہ وہ عدالتی فیصلہ کے پابند ہیں،

ملائم سنگھ یادو وزیر اعلیٰ اُترپردیش کے عوامی سطح پر بھی اس مسئلہ سے نمٹنے کی کوشش کرر ہے تھے، یہ دیکھ کر مسلمانوں کو کچھ ڈھارس تھی، فرقہ پرستوں کے مقابلہ میں سیکولر طاقتوں کو بھی وہ اُبھار رہے تھے، پوری ریاست اُترپردیش میں فرقہ وارانہ اتحاد کے لیے ریلیاں نکالتے اور کانفرنسیں کرتے اور رائے عامہ کو صحیح سمت پر لانے کی ہر ممکن کوشش کرر ہے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اس جارحانہ فرقہ پرستی کے شباب کے زمانہ میں فرقہ وارانہ جنون کے خلاف اتنی صاف آواز سنائی دے رہی تھی، دوسری طرف اس نازک اور خطرناک مسئلہ پر سرکردہ سیاسی جماعتیں بالکل ایک ہی طرح کی سوچ کا اظہار کررہی تھیں، جو کسی طرح مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوسکتی تھی، مسٹر راجیو گاندھی نے کانگریس آئی کی طرف سے یہ واضح کردیا تھا کہ بابری مسجد اور رام جنم بھومی مندر کا مسئلہ اگر بات چیت اور باہمی مفاہمت کی فضا میں حل ہوسکتا ہے تو اس سے بہتر اور کوئی صورت نہیں ہے، بصورت دیگر عدالتی فیصلہ کا انتظار کرنا چاہیے، اور عدالت کا فیصلہ جو کچھ ہوگا وہ سب کو ماننا ہوگا۔ انھوں نے یہ کہا کہ جو لوگ زورِ بازو سے مندر تعمیر کرنے کی بات کررہے ہیں، وہ غلطی پر ہیں، ان کو متنبہ کیا کہ اگر بی، جے، پی، اپنے ارادے کی تکمیل کے لیے مندر تعمیر کرنے کا اقدام کرتی ہے تو اس کا مقابلہ کیا جائے گا، قومی یک جہتی کونسل کی میٹنگ میں بھی مسٹر راجیوگاندھی نے اپنی پارٹی کانگریس آئی کا موقف دُہرایا۔

جنتا دَل

اسی طرح جنتا دَل نے بھی پارٹی سطح پر فیصلہ کیا کہ رام مندر کی تعمیر کے معاملہ میں بی، جے، پی، غلط راہ پر گامزن ہے، بلکہ جنتا دَل نے فرقہ وارانہ بنیاد پر ٹکرانے کے لیے بی، جے، پی، کی سخت نکتہ چینی بھی کی، وزیر اعظم وشوناتھ پرتاب سنگھ نے صاف صاف کہہ دیا کہ بابری مسجد کو توڑ کر رام جنم بھومی مندر بنانے کے سلسلے میں کسی دباؤ میں نہیں آئیں گے اور جب تک عدالت کے ذریعہ اس کا کوئی فیصلہ نہیں ہوجاتا ہے، متنازعہ مقام پر رام مندر کی تعمیر کی اجازت نہیں دی جائے گی، اور اگر بی، جے، پی، کی

اپنی حمایت واپس لینے کی وجہ سے حکومت گری، تو وہ اپوزیشن میں بیٹھنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کریں گے۔

کمیونسٹ پارٹیاں

جہاں تک بائیں بازو کی جماعتوں خصوصاً کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا اور کمیونسٹ پارٹی مارکسسٹ کا تعلق ہے، بابری مسجد کے بارے میں ان کی رائے شروع سے واضح ہے۔ دونوں پارٹیوں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مذہبی مقامات کی جو پوزیشن ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء تک رہی وہی پوزیشن برقرار رہنی چاہیے۔ اس میں تغیر و تبدل نہیں ہونا چاہیے، اس لحاظ سے کمیونسٹ پارٹیوں کے سامنے بابری مسجد کے بارے میں کسی جھگڑے کی کوئی گنجائش نہیں پھر بھی کچھ ہندو تنظیمیں بابری مسجد کو رام جنم بھومی سمجھتی ہیں اس کا فیصلہ عدالت ہی کر سکتی ہے، ان جماعتوں کا موقف یہ ہے کہ عدالت جو بھی فیصلہ کرے وہ سب کے لیے حرف آخر ہونا چاہیے، ان پارٹیوں نے دو برسوں سے بی، جے، پی، کے ساتھ نظریاتی جنگ لڑی جس کے مثبت نتائج سامنے آ چکے ہیں۔

سیکولر ذہن کیا سوچتا ہے؟

اب حالت یہ ہے کہ ہندوستان بھر میں رائے عامہ کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ بابری مسجد کو منہدم کر کے مندر بنانا ملک کی سیکولر بنیاد کو ہلا کر رکھ دے گا، ملک کا مستقبل خطرناک طور پر مخدوش ہو جائے گا، اخبارات، سمینار، عام جلسوں میں مقتدر شخصیتوں کی تقریریں اور رائے عامہ جاننے کے دوسرے ذرائع سے ایک لحاظ سے رائے شماری ہو چکی ہے، کہ اس تنازعہ کو آئینی ضوابط اور شہادت کی بنیاد پر عدالت ہی فیصلہ کرے گی اور عدالت کا فیصلہ سب کو تسلیم کرنا ہوگا۔

زہر آلود فضا میں دن گذرتے رہے

پورے ملک میں فرقہ پرست پارٹیوں اور ان کی مختلف یاتراؤں نے جو زہر بویا

تھا اس کی وجہ سے پوری فضا زہر آلود ہوچکی تھی، مسلمان اس زہریلی آب وہوا میں کس بے چینی کی زندگی گذار رہا تھا، اس کا اندازہ آج نہیں کیا جا سکتا ہے، ہر شہر اور ہر گاؤں میں فرقہ پرستوں کے تیور بدلے ہوئے تھے، غنڈے بے لگام ہو چکے تھے، شر پسند عناصر قدم قدم پر فتنہ برپا کر کے قتل وغارت گری کے بہانے ڈھونڈتے رہتے تھے۔ مزید ستم یہ کہ مسلمانوں کی فریاد کوئی سننے والا نہیں تھا، پولیس فرقہ پرستوں کی جیسے زر خرید غلام تھی، ہر جگہ مسلمانوں نے پولیس سے شکایت کر کے فرقہ پرستوں کی سازشوں، شرارتوں اور ان کی غنڈہ گردی کی اطلاع دے کر خود ہی مصیبت مول لی اور پولیس کے ظلم وستم کا نشانہ بنے، اس لیے یہ سہارا بھی مسلمانوں کے پاس نہیں تھا، فضا کچھ اتنی ہی گرم ہوچکی تھی، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہماری صفوں کے کچھ لوگ سستی شہرت حاصل کرنے اور اقتدار کے زینہ پر چڑھنے کے لیے میدان میں آ گئے تھے، اور انھوں نے بابری مسجد کو اپنی ترقی کا زینہ بنا لیا، انھوں نے بابری مسجد کے مسئلہ کو اس طرح اُٹھایا جیسے مسلم لیگ تقسیم ملک کے لیے ہندوؤں کے خلاف سخت اور تند لب ولہجہ میں بات کرتی تھی، بابری مسجد کو اپنی سیاسی ترقی کا زینہ بنانے والے لیڈروں نے اسی لب ولہجہ میں بات کر کے مسلمانوں میں تو کوئی جذبہ نہیں پیدا کر سکے البتہ اس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ فرقہ پرست بیدار ہو گئے، اور ان میں بھی اشتعال پیدا ہو گیا، جس طرح اکثریتی طبقہ نے بابری مسجد پر چڑھائی کی ان مسلم لیڈروں نے بھی وہی راہ اپنائی اور اجودھیا مارچ کا نعرہ دیا، یہ نہیں سمجھ سکے کہ اکثریتی طبقہ کی غلطی بھی غلطی نہیں ہوتی اور اقلیت کی صحیح اور سخت بات کے بھی غلط معنی پہنائے جاتے ہیں، وہ جلوس نکالیں، توڑ پھوڑ کریں، لاکھوں لاکھ کی سرکاری املاک تباہ کر دیں پولیس ان کو ہمیشہ نظر انداز کرتی رہیں گی اور ہمیشہ ان کی غلطیوں کے باوجود چشم پوشی کرتی آئی ہے، اور چشم پوشی کرتی رہیں گی اور اگر مسلمانوں نے صرف اپنے بازوؤں پر کالی پٹی باندھ لی اور جلوس نکال دیا تو بس اتنی ہی بات پر پولیس کی بندوقیں آگ اُگلنا شروع کر دیں گی اور ان کی کوئی گولی خطا نہیں کرے گی، ان تمام تجربات اور مشاہدات کے باوجود ان مسلم لیڈروں نے یہی طریقہ اپنایا۔ ۱۹۹۰ء میں جو خوں آشام ماحول بنا اس میں کچھ اپنوں کی بھی

غلطی ہے انھوں نے سیاسی مفاد کے لیے بابری مسجد کو آلہ کار بنایا اور بابری مسجد کا کیس خراب کیا، سچ ہے بے وقوف سچا مقدمہ بھی ہار جاتا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کا موقف

جمعیۃ علماء ہند پہلے دن سے بابری مسجد کے مسئلہ سے وابستہ ہے اور صرف عدالتی کارروائیوں تک اس کی جدوجہد محدود رہی، اس نے نہ کبھی جلوس نکالا نہ اجودھیا کی طرف مورچہ کا نعرہ دیا، اس کا ابتدا ہی سے یہ نقطۂ نگاہ رہا، یہ مسئلہ زور بازو سے حل کرنے کی مسلمانوں میں طاقت نہیں، اگر زور باز و کا مظاہرہ کیا گیا تو خود مسلمان ہی چور چور ہو کر رہ جائے گا، سیدھا اور قانونی راستہ عدالت کی طرف جاتا ہے، اس نے وہی راستہ اختیار کیا، یہ مسئلہ جس فضا اور ماحول میں پیدا ہوا اس میں ایف، آئی، آر، درج کرانا، مقدمہ قائم کرنا، اور اس کی پیروی کرنا بھی صرف تنہا جمعیۃ علماء ہی کر سکتی تھی، کسی دوسرے میں اتنی بھی جرأت نہیں تھی، جمعیۃ علماء ہند بابری مسجد کے مقدمات پر مسلسل لمبی لمبی رقمیں خرچ کر کے مقدمات کی پیروی کرتی رہی اس میں کبھی کوتاہی نہیں برتی اور حکومت پر بار بار زور دیتی رہی کہ اس کے لیے اسپیشل عدالت قائم کر کے اس کے مقدمات کی شنوائی مسلسل کرائے اور فیصلہ کرائے، ورنہ جتنے دن اس مسئلہ پر گذرتے جائیں گے یہ مسئلہ الجھتا چلا جائے گا، اور بڑی تباہیاں لائے گا، ملک میں بربادی اور نراج پھیلے گا، لاقانونیت بڑھے گی لیکن ذمہ دارانِ حکومت کی نیتیں صاف نہیں تھیں، فیض آباد کی انتظامیہ اپنے آقاؤں کے چشم و ابرو کو دیکھ کر کوئی قدم اُٹھاتی تھی، وہ زخم کو پالے رہی اور چھپائے رکھنے کی کوشش کرتی رہی، یہاں تک کہ یہ زخم ناسور بن گیا اور اس کی تکلیف سے پورا ملک کراہنے لگا، خود غرض مفاد پرست سیاستدانوں نے اس مسئلہ کو اپنی سیاسی ترقی کا ذریعہ بنالیا، جس کی وجہ سے ملک لاقانونیت اور غنڈہ گردی کے عذاب میں مبتلا ہو گیا، آئین اور دستور کا تقاضا تھا کہ مرکزی حکومت آگے آتی اور اس مسئلہ کو دستور کی روشنی میں جلد سے جلد نمٹا دیتی، تب بھی غنیمت تھا اور کچھ ہی دنوں بعد جو حادثہ ہونے والا تھا، وہ ظہور پذیر نہ ہوتا، اس سے

بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ ارباب اختیار نے اپنی خاموشی سے دستور اور آئین کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دیں، جمعیۃ علماء ہند مسئلے کے اسی انجام سے خائف تھی اور ہمیشہ مسلمانوں کی خوشامدیں کرتی رہی کہ اس مسئلہ کو سڑک پر مت لاؤ اس میں تمھارا فائدہ نہیں، نقصان ہے، بابری مسجد خود خطرے میں پڑ جائے گی، اور تم پر بھی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔

زخموں کا شمار

یہ سال ملت اسلامیہ کے جسم پر کتنے زخم لگا گیا، ان زخموں کو کون شمار کرے گا، اور اس سے فائدہ بھی کیا، یہ زخم تو جیسے ہمارا مقدر بنا دیئے گئے ہیں، ۱۱/ مارچ ۱۹۹۰ء کو ہولی کے موقع پر ریاست بہار کے نوادہ، جمشید پور اور گجرات کے احمد آباد، پٹن اور اُتر پردیش کے علی گڈھ میں فسادات ہوئے، ان فسادات میں سب سے خوفناک فساد پٹن کا تھا، جہاں بی، جے، پی، کے شر پسند عناصر نے اقلیتی فرقہ کی دُکانوں اور مکانوں کو لوٹتے اور جلاتے رہے، معصوموں کا خون بہاتے رہے، پولیس اور انتظامیہ خاموش تماشائی بنی رہیں، اور فساد پر قابو پانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور یہ طول پکڑتا چلا گیا، اس فساد کے دوران جمعیۃ علماء ہند نے امن و امان کی بحالی کی کوشش کے لیے ایک وفد بھیجا، اسی قیام امن کی کوششوں کے سلسلے میں جمعیۃ علماء گجرات کے صدر مولانا عبدالرحمٰن صاحب پالن پوری پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور وہ شدید مجروح ہوگئے۔

۱۷/ مارچ ۱۹۹۰ء کو نئی دہلی میں فساد ہوا جس میں پولیس فائرنگ سے دو مسلمان شہید ہوئے، مارچ کے آخری ہفتہ میں گجرات کے شہر بھڑوچ میں زبردست فساد ہوا، اقلیتی فرقہ کی یک طرفہ جانی و مالی تباہی ہوئی، اسی دوران کھیڑا ضلع کے وشو ہندو پریشد کے صدر گریش پٹیل کے قتل کا بہانہ بنا کر شہر آنند اور کھیڑا ضلع کے ایک درجن سے زیادہ مقامات پر فساد کر دیا گیا، پھالچ میں اقلیتی فرقہ کا زبردست جانی و مالی نقصان ہوا، ۵/ اپریل کو بھی گجرات میں فسادات کا ماحول رہا اور احمد آباد شہر میں زبردست جانی و مالی نقصان ہوا، ۱۹/ اپریل ۱۹۹۰ء کو کانپور میں فرقہ وارانہ فساد ہوا جس میں پولیس نے نہتے نمازیوں پر فائرنگ کی، پانچ مسلمان شہید ہوئے اور ایک درجن سے زیادہ

دُکانیں جلائی گئیں۔

فسادزدہ علاقوں کے دورے

جمعیۃ علماء ہند کے وفود نے اکثر فساد زدہ علاقوں، شہروں اور دیہاتوں کے دَورے کیے، حالات کا جائزہ لیا، مرکزی اور ریاستی حکومتوں تک مظلوموں کی فریاد پہنچائی، صحیح صورت حال سے آگاہ کر کے ظلم وزیادتی، ناانصافی، انتظامیہ اور پولیس کی زیادتیوں نااہلیوں اور کوتاہیوں اوراس کی فرض ناشناسی کی طرف ارباب حکومت کو متوجہ کیا۔

۱۸/مارچ ۱۹۹۰ء کو مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند کے ایک وفد نے نئی دہلی کے فساد زدہ علاقہ کا دورہ کیا اور مجلس عاملہ کے اجلاس میں مفصل رپورٹ پیش کی، ۲۵/مارچ ۱۹۹۰ء کو جمعیۃ علماء ہند کے ایک وفد نے گجرات کے فسادزدہ شہر بھڑوچ اور کھیڑا ضلع کا دورہ کیا۔

صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے کانپور کے فساد کے موقع پر جاکر حالات کا جائزہ لیا، ہزاری باغ (بہار) کے فسادزدگان کی امداد کے لیے ریلیف کمیٹی کو دس ہزار روپے دیئے اور ریلیف کے کاموں میں سرگرمی لانے کے لیے کارکنوں کو چاق و چوبند کیا گیا، مغربی بنگال کے ندیا اور جمال پور کے مظلوموں کے لیے دس ہزار روپے، سہسرام (بہار) کے فسادزدگان کے لیے بیس ہزار روپے، کوٹہ (راجستھان) کے مظلوموں کی امداد کے لیے بیس ہزار روپے، مدھیہ پردیش کے فسادزدہ شہروں، اِندور، رتلام، دھار اور کھرگوں کے لیے پچاس ہزار روپے، گجرات کے ضلع بلساڑ کے مصیبت زدوں کے لیے دس ہزار روپے، گجرات کے گودھرا کے فسادزدگان کے لیے دس ہزار روپے، سیتامڑھی بہار کے فسادزدگان کی امداد میں دس ہزار روپے، جے پور (راجستھان) کے فسادزدگان کے لیے بیس ہزار روپے اور بھاگلپور کے تباہ و برباد مسلمانوں کے لیے پندرہ لاکھ روپے، پٹن و گجرات کے لیے مظلوموں کو دس ہزار روپے، بھڑوچ گجرات کے فسادزدگان کو تیس ہزار روپے، مدھیہ پردیش کے رائے

سین کے مظلوموں کو پانچ ہزار روپے امداد اور ریلیف کے لیے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے دیئے گئے، اس طرح گذشتہ ایک سال کی مدت میں فرقہ وارانہ فساد کے مظلومین اور متاثرہ خاندانوں پر جمعیۃ علماء ہند نے ۱۶ لاکھ ۵۷ ہزار روپے بطور امداد و ریلیف دیئے اور موقع پر جا کر ان کو تسلی و تشفی کی اور ہمدردی کی۔

پارلیمنٹ میں تقریر

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند ایم، پی نے ۹/اپریل ۱۹۹۰ء کو پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا!

"فسادات افسران کراتے ہیں مگر حکومت ان کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیتی ہے، اب وقت آ گیا ہے کہ حکومت سنجیدگی کے ساتھ معاملات کو نمٹائے، پورا گجرات اس وقت فسادات کی لپیٹ میں ہے، آپ نے بھاگلپور کے فساد کا بھی ذکر کیا اور اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ کئی مہینے گذر جانے کے بعد بھی وہاں اکا دُکّا واقعات کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔"

مظلوموں کی وکالت جاری رہے گی

فرقہ پرستوں کی زمین دوز سرگرمیاں بڑھتی جارہی تھیں، مختلف یاتراؤں کے لیے زمین ہموار کی جاتی رہی، طوفان آنے سے پہلے جس طرح فضا میں ایک مہیب اور خوفناک "سناٹا چھا جاتا ہے، تجربہ کار افراد سمجھ جاتے ہیں کہ طوفان آنے والا ہے، اسی طرح ملک میں فرقہ واریت کا آتش فشاں جب پھٹنے والا تھا اور اس کا لاوا دُور دُور تک بہنے کے لیے تیار ہو رہا تھا، اس وقت پارلیمنٹ میں وزارت داخلہ کی کارکردگی پر ہونے والی بحث میں حصہ لیتے ہوئے، مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند ایم، پی نے اپنی تقریر کے دوران کہا!

"ملک کو متحد رکھنا ہے تو فرقہ پرست عناصر کے خلاف ایکشن لینا ہوگا،

لبریشن فرنٹ جہاں کہیں بھی ہوں یہ تمام فورسیز ملک کو تقسیم کرنے اور تباہ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں، برملاان قوتوں کولاکھوں روپے کی ناجائز آمدنی ہورہی ہے، ان کے اس غیر قانونی ہتھیار اوران کی پشت پناہی کی جاتی ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر اس ملک کا اتحاد عزیز ہے تو چاہیے کہ آر، ایس، ایس، ہو یا بجرنگ دَل یا کسی بھی صوبے کا لبریشن فرنٹ ہو یا مہاراشٹر کی شیوسینا، تمام سیکولر قوتوں کو متحد ہوکر ان فسطائی طاقتوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

جمعیۃ علماء ہند اپنا فرض ادا کرتی رہی

۲رمئی ۱۹۹۰ءکو جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام عید ملن کی تقریب کانسٹی ٹیوشن کلب نئی دہلی میں منعقد کی گئی، صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی اس کے داعی تھے، اس تقریب میں ملک کے مقتدر سیاستدانوں، دانشوروں، اسکالروں، ممبرانِ پارلیمنٹ، ممتاز شہریوں کے علاوہ عرب ملکوں کے معزز سفراء نے شرکت کی۔ سابق وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی، وزیر داخلہ حکومت ہند مفتی محمد سعید، راجیہ سبھا کی ڈپٹی چیئر مین نجمہ ہبۃ اللہ، سابق وزیر قانون مسٹر پی شیوشنکر کے علاوہ سعودی عرب، عراق، افغانستان، فلسطین، تیونس کے معزز سفراء اور نمائندے قابل ذکر ہیں، اس تقریب میں مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا!

”ہمارے ملک کو بیرونی خطرات سے کہیں زیادہ اندرونی خطرات کا سامنا ہے، یہ خطرہ بیرونی خطروں سے کہیں زیادہ سنگین تر نوعیت کا ہے، جمہوریت، سیکولرزم جو آزاد ہندوستان کے دستور اور آئین کے بنیادی پتھر ہیں، آج اس بنیادی اور مضبوط پتھر پر تفرقہ انگیز رجحانات کے تباہ کن ہتھوڑے برسائے جارہے ہیں، گذشتہ کئی برسوں سے ملک میں فرقہ واریت، علاقہ پرستی، دہشت گردی کی جو طوفاں خیز ہوائیں چل رہی ہیں، اس نے ملکی اتحاد

اورقومی یک جہتی کی جڑوں کوکھوکھلا کردیاہے، اسی اندرونی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے ملک کا اندرونی محاذ تشویشناک حد تک کمزور ہوچکا ہے، راشٹر یہ مورچہ کی موجودہ حکومت میں پانچ پارٹیاں شریک ہیں، حکومت پارلیمنٹ میں اکثریت سے محروم ہے، اس کو بیک وقت بھارتیہ جنتا پارٹی اور بائیں بازو کے محاذوں کی حمایت درکار ہے، جن میں بنیادی نوعیت کے اختلافات ہیں، موجودہ حکومت تمام اہم معاملات میں دوسری شریک پارٹیوں کی مرضی کا خیال رکھنے پر مجبور ہے، حکومت کی اس کمزوری کا نقصان یہ ہے کہ ملک میں انتشار پرور جماعتیں خاص طور پر فرقہ پرست پارٹیاں فروغ پارہی ہیں، ہندوستانی جمہوریت کی اساس اور بنیاد جن باتوں پر ہے، انھیں کوچیلنج کیا جارہاہے، اس کے معنی بدلے جارہے ہیں اوران تصورات کو ایسے معنی پہنائے جارہے ہیں جن سے فرقہ واریت اور انتشار پردری میں اضافہ ہوتاہے اوراس سے بالواسطہ علیحدگی پسند طاقتوں کوتوانائی مل رہی ہے، ملک کے لیے خطرہ بڑھتا جارہاہے، ملک کی اس اندرونی خطرناک صورتِ حال نے ہرمحبّ وطن ہندوستانی کوسخت مضطرب اور بے چین کردیاہے، ہر جمہوریت پسند فرداور جماعت میں اس ضرورت کا شدیداحساس موجود ہے کہ ملک کے اندرونی اورداخلی محاذ کوکس طرح مضبوط اور مستحکم کیا جائے اور اس کے لیے تمام سیکولرطاقتوں کوکس طرح متحد ومتحرک کیا جائے۔''

آپ نے اپنا سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا کہ!

''جمعیۃ علماء ہند جوہندوستان میں ہمیشہ ملکی اتحادوسالمیت، فرقہ وارانہ یک جہتی اور یگانگت کی داعی اور اور نقیب رہی ہے، جمعیۃ نے آزادی سے پہلے اورآزادی کے بعد فرقہ وارانہ تاریخ کے ہرموڑ پرزبردست قربانیاں دے کرملک کے اندرونی اتحاد کوتوانائی اوراستحکام دیاہے، اس نے فرقہ وارانہ اتحاد کے موجودہ نازک موڑ پرعیدملن تقریب کا اہتمام کرکے اس سمت ایک عملی قدم اُٹھایاہے۔''

فرقہ واریت کا ننگا ناچ

عیدملن کی اس تقریب کے ایک مہینہ بعد ہی وہ تمام خطرات ہمارے سامنے آ گئے، جس کا ذکر صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے عیدملن کی تقریب میں کیا تھا، مئی کے مہینہ میں یہ تقریب ہوئی تھی اور جون، جولائی اگست، ستمبر اور اکتوبر میں پورے ملک کے اندر فسادات کا تانتا لگ گیا، اب کی بار بیک وقت پورا ملک فرقہ واریت کی لپیٹ میں آ گیا تھا، ملک کے ہر خطہ سے جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر میں روزانہ خبریں آنے لگیں، جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے تو دل دھڑک اُٹھتا کہ کہیں سے فساد کی خبر نہ ہو اور اکثر اوقات یہ خطرہ حقیقت بن کر سامنے آجاتا تھا۔

غازی آبادی کا فساد

۲۷؍جون ۱۹۹۰ء کو غازی آباد (اُتر پردیش) میں حالات یک بیک اس وقت کشیدہ ہوگئے جب سبزی منڈی کے قریب دو گروپوں میں تصادم ہو گیا اور دونوں پارٹیوں کی طرف سے جم کر پتھراؤ ہوا، اسی دوران آس محمد نامی ہوٹل سے کھانا کھا کر آ رہا تھا کہ اس کو اینٹ کا ایک ٹکڑا لگا اس کا سر پھٹ گیا، اور وہیں گر کر دم توڑ گیا، یک بیک پوری فضا گرم ہوگئی، حالات بگڑنے لگے اور سخت خطرہ پیدا ہو گیا کہ یہ آگ دُور تک پھیل جائے گی، اس آگ کو پھیلنے سے پہلے ہی انتظامیہ نے دیانتداری سے اس پر کنٹرول کیا، جب جمعیۃ دفتر میں اس کی اطلاع ملی فوراً ہی مرکزی اور ریاستی حکومتوں سے بذریعہ ٹیلی گرام امن وامان کی بحالی کی جدوجہد کی گئی۔

لوُہرا ضلع اعظم گڈھ میں فساد

عیدالاضحیٰ کی صبح کو اکثریتی فرقہ کے ایک بڑے مجمع نے جو مسلح تھا، لوُہرا ضلع اعظم گڈھ کی چھوٹی سی آبادی پر حملہ کردیا مسلمان عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد قربانی کی تیاری کر رہے تھے کہ جے، جے کا نعرہ لگاتے ہوئے ایک ہزار سے زیادہ کا مجمع اس آبادی پر

لوٹ پڑا، جم کر پوری آبادی کو لوٹا، باہر بندھے ہوئے جانوروں کو کھول کر لے گئے، وہاں پی، اے، سی، پہلے سے لگی ہوئی تھی، اس کی موجودگی میں یہ اجتماعی ڈکیتی ہوئی، وہ تماشائی بنی رہی، بلکہ پی، اے، سی، کے جوان بلوائیوں کوشہ دیتے رہے، یہاں کوئی جان نہیں گئی، بعد میں پولیس نے ۲۱/افراد کو گرفتار کیا ایک سب ڈویژنل مجسٹریٹ اور ایک انسپکٹر کو معطل کیا گیا، جمعیۃ علماء اعظم گڈھ کے ایک وفد نے وہاں کا دورہ کر کے اپنی رپورٹ مرکزی دفتر کو بھیجی، مرکزی دفتر کی طرف سے وزیر اعلیٰ اُتر پردیش اور مرکزی حکومت کو خطوط کے ذریعہ اس جانب توجہ دلائی گئی۔

ناگور کا فساد

راجستھان کے شہر ناگور میں اس وقت فساد پھوٹ پڑا جب ۱۸/جولائی ۱۹۹۰ء کو پلائی بابا کے جلسہ پر پابندی لگائے جانے کے خلاف ایک فرقہ کے لوگوں نے زبردست ہنگامہ کیا، اور نعرے لگائے، اس پر دوسرے فرقہ کے لوگوں نے اعتراض کیا اس طرح بازار کے علاقہ میں تصادم ہو گیا، زبردست پتھراؤ سے کئی آدمی زخمی ہوئے، تقریباً پچاس دُکانوں، شادی کے لیے لگائے شامیانوں، متعدد سائیکلوں، اسکوٹروں کو نذر آتش کیا گیا، وہاں کی مشہور درگاہ کی دومنزلہ عمارت کو جلا کر راکھ کر دیا گیا، جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ریاستی حکومت اور مرکزی حکومت کو تار دیئے گئے اور صورت حال کو کنٹرول کرنے کے لیے توجہ دلائی گئی۔

۲۵/جولائی ۱۹۹۰ء کو کلکتہ میں، ۳۰/جولائی کو عثمان آباد (آندھرا) میں، اگست کو سلطان پور (اُتر پردیش) میں حفیظ گنج ضلع بریلی میں اس ماہ فساد ہوا۔

پورا ملک آتش کدہ

راجستھان، مدھیہ پردیش اور گجرات امسال جہنم کدہ بنے رہے، کب کہاں آتش فشاں بھڑک اُٹھے اس کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا، ایڈوانی کی رتھ یاترا نے اس آگ پر پٹرول چھڑکنے کا کام کیا تھا جو بی جے پی کا اصل مقصد تھا، گجرات کے آنند

اور بڑودہ میں ستمبر کے مہینہ گنپتی وِسرجن کے موقع پر زبردست فساد ہوا، چار مسلمان شہید ہوئے، غنڈوں نے شہر کی جامع مسجد پر اس وقت حملہ کیا جب مغرب کی نماز ہورہی تھی، مسجد کے اطراف کی دُکانوں اور مکانوں کولوٹ کرآگ لگائی جاچکی تھی، چاروں طرف لگی ہوئی آگ کی لوَاتنی تیز تھی کہ جامع مسجد کی تین منزلہ عمارت جو پتھروں کی بنی ہوئی تھی، جل کراورٹوٹ پھوٹ کر زمیں بوس ہوگئی، جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے قدیم ممبر محمد حنیف دائما کمار ایڈوکیٹ جواسی مسجد کی دوسری منزل پر جمعیۃ علما گجرات کے دفتر میں موجود تھے، انھوں نے پولیس کوفون کیا کہ مسجد پرحملہ کردیا گیا اور آگ لگائی جاچکی ہے، بلوائی صدر گیٹ توڑنے کی کوشش کررہے ہیں، ہم سب کی جان خطرے میں ہے، مگر پولیس کی مدد نہیں پہنچی اور بلوائی من مانی کرتے رہے، اس فساد میں اقلیتی افراد کا زبردست جانی و مالی نقصان ہوا، اس کے علاوہ مدراس میں ۳؍ستمبر ۱۹۹۰ءکو، رام نگر (کرناٹک) میں، ۴؍ستمبر ۱۹۹۰ءکو، اُودے پور اور کرناٹک کے مختلف علاقوں میں فسادات ہوئے، اتر پردیش میں ضلع گونڈہ کا فساد اپنی تباہی و بربادی میں پچھلے تمام ریکارڈ توڑ گیا، ان تمام فسادات کی اطلاعات اور رپورٹیں جمعیۃ علماءہند کے مرکزی دفتر میں آتی رہیں، صدر محترم نے پارلیمنٹ میں ان بھیانک فسادات پر تقریر کی اور ملک کی اس ابتر حالت کی طرف ہاؤس کی توجہ دلائی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے فرائض سے چشم پوشی کررہی ہے، پھر صدر محترم نے وزیر اعظم سے ذاتی طور پر ملاقات کر کے ملک کی موجودہ صورتِ حال کی طرف توجہ دلائی، پھر آپ نے مختلف فساد زدہ علاقوں کے دورے کیے، ضلع انتظامیہ سے مل کر ریاستی حکومت کے ذمہ داروں سے ملاقات کر کے مرکزی حکومت کے وزیر داخلہ کوخطوط لکھ کر توجہ دلائی اوران کو میمورنڈم دیئے اور مظلومین کی امداد و بحالی پراصرار کرتے رہے، اپنے مطالبے کی یاد دہانی کراتے رہے اور جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی ریلیف کمیٹیاں قائم کر کے مظلومین کی امداد کا بندوبست کرتے رہے۔

یہ دیوہیکل رتھ

۲۵؍ستمبر ۱۹۹۰ءکو بی، جے، پی، کے صدر لال کرشن ایڈوانی نے سومناتھ مندر

سے اپنی رتھ یاترا کا آغاز کیا تھا، آٹھ ریاستوں میں اس دیوہیکل رتھ کے بھاری بھرکم پہیوں نے کتنے کمزور، بے گناہ اور بے بس لوگوں کو کچلا، روندا، لہولہان کیا یہ پورا ملک دیکھ رہا تھا، ان کا رتھ ہریانہ ہوتے ہوئے دہلی پہنچا، ساری پارٹیوں نے رتھ یاترا کو بند کرانے کے لیے وزیر اعظم وشوناتھ پرتاب سنگھ سے سفارش کی، لیکن ایک دیوقامت مہیب راکشش کی طرح یہ رتھ اپنے قہر وجلال کے ساتھ آنکھوں سے چنگاریاں برساتا ہوا راجدھانی کی سرزمین کو روندتا ہوا ریاست بہار کی طرف ایک بھاری بھرکم اژدہے کی طرح رینگتا ہوا چلا، مسٹر ایڈوانی ایک سے زائد بار یہ دھمکی دے چکے تھے کہ اگر رتھ کو روکنے کی کوشش کی گئی تو بی، جے، پی، اپنی حمایت واپس لے لے گی یعنی حکومت ٹوٹ جائے گی، شاید یہی بات تھی کہ وی پی، سنگھ وزیر اعظم ہند نے دہلی میں رتھ کو روکنے کے لیے کوئی قدم نہیں اُٹھایا حالانکہ ملک کے دانشوروں اور بہی خواہوں نے جب یہ دیکھ لیا کہ اس رتھ یاترا نے اپنے پیچھے نفرت وعداوت کے کیسے کیسے دہکتے ہوئے الاؤ چھوڑے ہیں تو انھوں نے دوٹوک لفظوں میں وزیر اعظم کو مشورہ دیا کہ اس خون کے بیوپاری کو گرفتار کر کے تہاڑ جیل بھیج دیا جائے۔

ریاستوں کے وزراء اعلیٰ وزیر اعظم سے ملے

جب شری ایڈوانی کی رتھ یاترا دہلی پہنچی تو بہار کے وزیر اعلیٰ لالو پرشاد دہلی آئے اور شری ایڈوانی سے مل کر درخواست کی اور کہا کہ بہار کی فرقہ وارانہ صورتحال دھماکہ خیز ہے اس لیے آپ بہار آنے کا ارادہ ملتوی کر دیں، مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ جیوتی باسو دہلی آئے، پورے دن ایڈوانی اور بی، جے، پی، کے لیڈروں سے گفتگو کرتے رہا کہ رتھ یاترا بند کی جائے، مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی اور وہ ناکام ہو کر چلے گئے، ایڈوانی اپنی ضد پر اڑے رہے، اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو نے اپنی ریاست کی فرقہ وارانہ صورتِ حال سے مسٹر ایڈوانی کو ایک تفصیلی خط کے ذریعہ آگاہ کیا مگر مسٹر ایڈوانی کا دماغ کچھ سوچنے کے بجائے اور خراب ہو گیا، جنون کا دورہ اور بڑھ گیا، انھوں نے اعلان کر دیا کہ اگر ان کو گرفتار کیا گیا یا رام مندر کی تعمیر میں رکاوٹ ڈالی گئی، تو وہ وی پی

سنگھ کی حکومت کا آخری دن ہوگا۔

وزیراعظم کو غیرت آئی

وی پی سنگھ نے اپنی حکومت بچانے کے خیال سے ریاستوں کے وزراء اعلیٰ سے مشورے کیے بغیر ایک آرڈیننس جاری کردیا، جس کے ذریعہ تمام متنازعہ جائداد اجودھیا میں حکومت کی تحویل میں لے لی گئی، جس کو اگرچہ بڑی سمت میں ایک چھوٹا قدم قرار دیا، مگر وشو ہندو پریشد اس سے بھی زیادہ بلکہ سب کچھ پہلے ہی مرحلہ میں حاصل کرلینا چاہتی تھی، اس لیے اس نے آرڈیننس کی مخالفت کی، مسلم رہنماؤں نے متفقہ طور پر بیک جنبش قلم اس کو مسترد کردیا، وی پی سنگھ کو مسلمانوں کی ناراضگی کی تو کوئی زیادہ پرواہ نہیں تھی، اگر وشو ہندو پریشد اس فارمولا کو قبل کرلیتی، مگر اس نے بھی اس کو رد کردیا، تو وی پی سنگھ کو اپنے آرڈیننس اور تین نکاتی فارمولہ کی واپسی کا اعلان کرنا پڑا اور ملک کے سامنے ان کو رُسوا ہونا پڑا، یہ بات ان کے دل کو لگ گئی ان کی غیرت ایک بار جھرجھری لے کر جاگ گئی۔

بعد از خرابی بسیار

۲۲/اکتوبر ۱۹۹۰ء کو وزیراعظم وی پی سنگھ نے اجودھیا کے مسئلہ پر وزراء اعلیٰ کی ایک میٹنگ بلائی، جس میں تمام ریاست کے وزراء اعلیٰ نے شرکت کی، میٹنگ میں بڑی گرما گرم بحث ہوئی، پورے ملک کے فرقہ وارانہ حالات شری ایڈوانی کی رتھ یاترا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی کشیدگی اور ۳۰/اکتوبر کی متوقع صورت حال پر گہرائی کے ساتھ غور کیا گیا، اس میٹنگ میں بی۔ جے۔ پی۔ کے اقتدار والی ریاستوں کے وزراء اعلی، کی انتہائی مخالفت کے باوجود اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو نے دوٹوک الفاظ میں مطالبہ کیا کہ ایڈوانی کی رتھ یاترا کو فوراً روکا جائے، اور اگر ایڈوانی قانون و انتظام کا کوئی مسئلہ کھڑا کریں تو انھیں فوراً گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جائے، خواہ اس کے کچھ بھی نتائج ہوں، شری ملائم سنگھ یادو نے ایک بار پھر اپنے اس عزم کو دہرایا کہ وہ

ایڈوانی کو اجودھیا نہیں جانے دیں گے، انھوں نے وزیر اعظم کے سامنے اپنی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے ۲۱؍اکتوبر کو بہار سرکار کو کیوں ایڈوانی کی گرفتاری سے روکا انھوں نے پھر اپنی بات کا اعادہ کیا کہ حکومت رہے یا جائے کسی قیمت پر بھی اصولوں کا سودا نہیں کیا جاسکتا۔

وزیر اعظم کا نشریہ

اسی رات وزیر اعظم وی پی سنگھ نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم کے نام خطاب کیا اور اعلان کیا کہ قانون اور آئین کا احترام ہر حال میں کیا جائے گا، انھوں نے کہا کہ اگر ہم نے قانون کی بالادستی قائم نہیں رکھی تو ہمیں سکھوں کو خالصتان اور کشمیر پاکستان کو، اور مشرقی ریاستوں میں عیسائی ہوم لینڈ دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے، انھوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ بھاؤناؤں کے پروپیگنڈے میں نہ آئیں، وزیر اعظم نے انتہائی جرأت کا اظہار کرتے ہوئے پہلی بار اعلان کیا کہ حکومت اور اصولوں میں اگر مقابلہ ہوا تو وہ اصولوں کو ترجیح دیں گے، وزیر اعظم نے اپنے نشریہ کے بعد پھر ایڈوانی سے رابطہ قائم کیا اور ان کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنی رتھ یاترا روک دیں اور دہلی واپس آجائیں، مگر شری ایڈوانی نے انتہائی تلخ لہجہ میں انکار کردیا اور دھمکی دی کہ اگر ان کو زبردستی روکنے کی کوشش کی گئی تو حکومت کی حمایت واپس لینے کا خط قطعی تیار ہے، اس کے بعد وزیر اعظم نے مسٹر لالو یادو وزیر اعلیٰ بہار سے رابطہ قائم کرکے ان کو کچھ بھی کرنے کی ہری جھنڈی دِکھادی جس کے بعد ایڈوانی کو سمستی پور میں گرفتار کرلیا گیا۔

ردعمل ہوا بھی اور نہیں بھی

ہندوستان کے سیکولر ذہن ومزاج کے لیڈروں اور سیاستدانوں نے ایڈوانی کی گرفتاری کو درست اور بروقت سمجھا، بی، جے، پی، یہ سوچ چکی تھی کہ اگر ایڈوانی کو گرفتار کیا گیا، تو رتھ یاترا نے جو ہوا بنائی ہے اس کی وجہ سے پورا ملک بھڑک اُٹھے گا اور ہر طرف فسادات کے انگارے برسنے لگیں گے، جس میں ملک کا امن وامان جل کر

خاکستر ہوجائے گا، تب حکومت کو اپنی اوقات معلوم ہوگی، مگر اس کی توقع کے خلاف ایڈوانی کی گرفتاری کے بعد عام طور پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا، البتہ جن ریاستوں میں بی، جے، پی، کی حکومت تھی وہاں ضرور فساد کرائے گئے، اور انتظامیہ کے تعاون سے کرائے گئے، مسلمانوں کو ان ریاستوں میں بہت بڑا جانی و مالی نقصان اُٹھانا پڑا، مگر یہ فسادات وہیں تک محدود رہے، یہ آگ بی جے پی کی توقع کے مطابق دوسری ریاستوں تک نہیں پہنچی، جہاں سیکولر پارٹیوں کی حکومت تھی گرفتاری کا کوئی ردعمل نہیں ہوا۔

۳۰/ اکتوبر آیا

وشو ہندو پریشد نے امر جیوتی یاترا نکال کر ۳۰/ اکتوبر کو اجودھیا میں کارسیوکوں کو جمع کرکے بابری مسجد مسمار کرنے اور رام مندر کی بنیاد ڈالنے کا اعلان کیا تھا، ایڈوانی کی رتھ یاترا ایک دن بعد ۳۱/ اکتوبر کو اجودھیا میں پہنچنے والی تھی مگر ان کا رتھ بہار کے سمستی پور میں چھین لیا گیا، اور پہلے سفر سے جو تکان ہوئی تھی، ان کے آرام کرنے کا وزیر اعلیٰ بہار لالو پرشاد یادو نے انتظام کردیا تھا، لیکن اشوک سنگھل ابھی آزاد تھے، ۳۰/ اکتوبر کو کارسیوا شروع کرنے کا پروگرام انھیں کا تھا، ایڈوانی تو صرف ان کا تعاون کرر ہے تھے، ۳۰/ اکتوبر ۱۹۹۰ء کا سورج طلوع ہوگیا، اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو نے اگرچہ بابری مسجد کے تحفظ کے انتظام میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، مگر بی جے پی اور وشو ہندو پریشد ایک ایسی بھیڑ اجودھیا میں جمع کرنے میں کامیاب ہوچکی تھی، جو جذبات سے بھری ہوئی تھی، یہ بھیڑ انجام سے بے پرواہ ہوکر صرف رام کے نام پر ایک مندر دیکھنا چاہتی تھی، اجودھیا میں انتہائی احتیاط اور انتظامات کے باوجود کارسیوکوں کی بھیڑ اکٹھا ہوگئی، ہندو پریشد کے واحد لیڈر اشوک سنگل جو کچھ دنوں سے بالکل روپوش تھے، وہ بھی کسی خفیہ راستہ سے اجودھیا پہنچ گئے، دوسرے لیڈر شری دیکشت بھی کچھ دنوں سے انڈر گراؤنڈ تھے، وہ بھی اجودھیا میں برآمد ہوگئے، ہر ایک کو خطرہ تھا کہ وقت سے پہلے گرفتار نہ کرلیے جائیں، دوسرے کئی بھاجپائی لیڈران بھی کچّے راستوں سے خفیہ طور پر اجودھیا پہنچ گئے، انھیں کو محاذِ جنگ پر اپنے رنگ روٹوں کی

کمان کرنی تھی، انھوں نے اجودھیا میں موجودہ پچاس ہزار کے قریب لوگوں کو بابری مسجد کے در و دیوار کو توڑنے اور اس کو منہدم کرنے کے لیے للکارا اور رام مندر کی تعمیر کے لیے آگے بڑھایا، پولیس نے لاٹھی چارج کیا، گولیاں چلائیں سرکاری اطلاع کے مطابق چھ افراد ہلاک ہوئے، مگر پُر جوش کارسیوکوں اور شرپسند عناصر کا ایک جتھ جو تقریباً چالیس افراد پر مشتمل تھا تمام رکاوٹیں توڑ کر مسجد میں گھس گیا اور کچھ کارسیوک بابری مسجد کے گنبدوں کو توڑنے میں لگ گئے، اس لیے کہ اب صرف یہ برجیاں اور گنبد ہی بابری مسجد کی شناخت کے طور پر رہ گئے تھے، شرپسندوں کا مقصد ان نشانیوں کو بھی ایک دم ختم کرنا تھا، کچھ کارسیوکوں نے مسجد کی دیواروں کو نقصان پہنچایا، مگر بابری مسجد مجموعی طور پر محفوظ رہی، مسلح فورس نے جونہی نال سیدھی کی پچاس ہزار کی بھیڑ آناً فاناً محاذ چھوڑ کر چلی گئی، اور صرف چھ کارسیوک ہلاک ہوئے، فرقہ پرستوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، اُتر پردیش کے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو نے جو کہا وہ کر کے دکھا دیا۔

ایک لمحہ فکریہ

ہمارے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اُتر پردیش کی حکومت نے مسجد کے تحفظ کے لیے زبردست انتظامات کرائے تھے، مسجد کو بڑے بڑے اور مضبوط جنگلوں سے گھیر دیا تھا، مسلح فورسیز کے جوان ہمہ وقت پہرہ دے رہے تھے، مگر ۳۰؍ اکتوبر کو کارسیوک مسجد کے احاطہ میں گھس گئے اور کئی کارسیوک گنبدوں پر بھی چڑھ گئے، اور گنبدوں میں سوراخ بھی کر دیئے، بہت سی مسجد کی برجیاں بھی توڑ ڈالیں اور مسجد کی ایک دیوار بھی ڈھا دی، اس کڑے پہرے کے باوجود کیسے ہو گیا؟ سوچنے کی بات یہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ حکومت کو معلوم تھا کہ اس کی پیش بندیوں کے باوجود اس سے بھی پہلے ہزاروں کارسیوک اجودھیا پہنچ چکے تھے، ان کو نکالنے کا حکومت نے کیا بندوبست کیا؟ پھر اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ سرجوندی کے راستہ سے بھی کارسیوک اجودھیا میں داخل ہو سکتے ہیں، اس کی روک تھام کے لیے حکومت نے کیا کیا تھا؟ صرف سرجوندی کے پل پر چوکسی کافی نہ تھی، مقامی انتظامیہ اور پی، اے، سی، کی کالی بھیڑیں کون ہیں؟

یہ سب کو معلوم ہے، انھوں نے اپنا فرض ادا کرنے کے بجائے کارسیوکوں کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ بابری مسجد تک پہنچ جائیں، جو کہ وہ لوہے کے مضبوط جنگلوں اور مسلح فورسیز کے حصار کو چیر کر ہی وہاں جا سکتے تھے، مسلح فورسیز ایسے نازک وقت میں جب بیس کروڑ مسلمانوں کی عبادت گاہ کے تحفظ کا سنگین چیلنج ان کے سامنے تھا، فرقہ پرستوں کی اشتعال انگیز حرکتوں کو کیسے برداشت کرتی رہی، یہ بھی سوچیے کہ وہ کون سے حکام تھے، جنھوں نے اس خطرناک موقع پر بھی مسلح فورسیز کو گولی چلانے سے روکا اور نال سیدھی نہیں کرنے دی، کوئی نہ کوئی رکاوٹ ضرور تھی، ضرور کچھ حکام کے دلوں میں چور تھا، ان کی ہمدردیاں فرقہ پرستوں کے ساتھ تھیں، معتبر ذرائع سے معلوم ہوا تھا کہ گولی تو صرف اس وقت چلی جب کارسیوکوں نے مسلح فورس کے ایک جوان کو اپنی طرف گھسیٹ لیا اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اب فوج کے اس جوان کو مار دیا جائے گا۔

اس طرح کے بہت سے سوالات ہیں جو اس وقت ملت اسلامیہ کے کلیجے کو چھلنی کیے جا رہے تھے، وزیر اعلیٰ اتر پردیش ملائم سنگھ یادو کو بھی شاید یہ علم ہو گیا تھا، کہ بعض ذمہ دار حکام اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہے ہیں، جس طرح کا نظم وہ کرنا چاہتے تھے وہ اس لیے نہیں کر سکے کہ حکام نے ان کو دھوکے میں رکھا، شاید یہی احساس تھا کہ بابری مسجد کی حفاظت پر مامور پی، اے، سی، کے جوانوں سے ہتھیار رکھوا لیے اور ایک اعلیٰ پولیس افسر کو گرفتار کر لیا گیا تھا، ان حالات میں بابری مسجد کے تحفظ پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے کہ مستقبل میں اس کا تحفظ ویسے ہی ہو گا جیسے ۳۰ر اکتوبر کو ہوا تو آج ہی دل تھام کر بیٹھ جائیے کہ سیکولر ذہن کے وزیر اعلیٰ ہونے کے باوجود ان کی نیک نیتی اور ایمانداری پر یقین کے باوجود بابری مسجد کا تحفظ نہیں ہو سکتا، اس کی پولیس، اس کی انتظامیہ، اس کی پی، اے، سی، سب حکومت کو دھوکا دیں گی وہ جعفر و صادق کا رول ادا کریں گی، اور ایک دن بابری مسجد دیکھتے دیکھتے زمیں بوس ہو جائیں گی۔

فرقہ واریت مخالف کنونشن

بابری مسجد اتفاق سے بچ گئی ایک انصاف پسند مرد آہن کی جرأت و ہمت کا ادنیٰ

سا مظاہرہ تھا اس لیے ہمیں یقین ہے کہ اگر حکومت نیک نیت دستور کی پابند اور انصاف پسند ہے تو کوئی طاقت بابری مسجد کو کبھی منہدم نہیں کر سکتی، جس دن حکومت کی نیت میں فتور آ جائے گا تو پھر کوئی شخص بابری مسجد کو نہیں بچا سکتا، بہر حال بہت سے زخم کھا کر بابری مسجد سلامت ہے۔

۳۰/ اکتوبر ۱۹۹۰ء کے پہلے اور اس کے بعد بھی مسلمانوں کا کتنا خون بہایا گیا، ان کی معیشت کو تباہ کیا گیا، اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا، فرقہ واریت کے راکشش کے خونیں پنجے نے پورے ملک کے امن و امان کو اپنی مٹھی میں لے لیا تھا، کوئی بھی سیکولر پارٹی اس آدم خور راکشش سے آمنے سامنے دوبدو مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھا، اس لیے دو مہینے انتظار کرنے کے بعد اس خون بار ماحول کو بدلنے، فرقہ وارانہ یگانگت پیدا کرنے، ہر فرقہ کو ایک دوسرے سے قریب کرنے اور سر اقتدار حکومت کو دستور اور آئین کی روشنی میں نظام چلانے کے لیے انتباہ دینے کے واسطے جمعیۃ علماء ہند سامنے آئی اور اس نے اس لرزہ خیز ماحول میں فرقہ واریت مخالف کنونشن کے انعقاد کا اعلان کر دیا۔

ایک تاریخ ساز کنونشن

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کی دعوت پر یہ کنونشن ۲۷/ جنوری ۱۹۹۱ء کو نئی دہلی کے تال کٹورہ اسٹیڈیم میں منعقد ہوا، جس میں ملک کی تمام سیکولر سیاسی پارٹیوں کے ممتاز لیڈروں، دانشوروں، قانون دانوں اور قومی و سماجی کارکنوں کے علاوہ ملک کے گوشہ گوشہ سے تقریباً پانچ ہزار مندوبین نے کنونشن میں شرکت کی، کنونشن کی صدارت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی اور کنونشن کا افتتاح بھی کیا، آپ نے اپنی افتتاحی تقریر میں کنونشن کی ضرورت، اہمیت اور ملک کی ناگفتہ بہ حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا!

”ہمارا ملک اپنی شاندار روایت اور عظیم قدروں کے حامل ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز مقام رکھتا ہے، یہ طویل و عریض ملک مختلف مذہبوں اور

تہذیبوں کا گہوارہ ہے، لیکن کچھ لوگوں نے اپنی سیاسی اغراض کے لیے
یہاں کے عوام کو گمراہ کر کے ملک کو شدید بحران میں مبتلا کر دیا ہے، یہ وہ
مفاد پرست لوگ ہیں جو اپنے سیاسی مفاد کے لیے اس عظیم ملک کو
فروخت بھی کر سکتے ہیں، اس لیے یہ وقت خاموش رہنے کا نہیں ہے، ایسا
نہ ہو کہ اپنی بے عملی اور پست ہمتی سے ملک تباہ و برباد ہو جائے۔''

صدر محترم نے اپنے سلسلہ بیان میں افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا! کہ ہمارے ملک کے معزز اور مقتدر محبانِ وطن اس نازک وقت میں خاموش رہے، جبکہ ان کا فرض تھا کہ وہ حالات کے اس دھارے کو سمجھیں اور ملک جس تباہی کے سیلاب میں بہا جا رہا ہے، اس کے سامنے بند باندھنے کے لیے آگے آئے، مگر دو مہینہ کے انتظار کے بعد بھی کوئی سامنے نہیں آیا، کسی پارٹی نے اس سلسلے میں آگے آنے کی جرأت نہیں، تو جمعیۃ علماء ہند کو آگے آنا پڑا کیونکہ وہ فرقہ واریت کو اس ملک کے لیے سم قاتل سمجھتی ہے، اس جماعت نے آزادی سے قبل بھی فرقہ واریت کے خلاف محاذ قائم کر رکھا تھا، اور آزادی کے بعد بھی وہ فرقہ واریت سے برابر جاری رکھے ہوئے ہے، جمعیۃ علماء ہند کی یہ تاریخ رہی ہے، اس لیے سکولر کہے جانے والے لیڈر، فرقہ پرستی کے خلاف میدان عمل میں نہیں اُترے، تو فرقہ واریت کے خلا جمعیۃ علماء ہند بہر حال اپنا مشن جاری رکھے گی اور اپنے اس ملک کو تباہ نہیں ہونے دے گی۔

کنونشن کے ممتاز شرکاء

اس پر جوش اور ولولہ انگیز افتتاحی تقریر کے بعد کنونشن کی کارروائی شروع ہوئی، اور تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا، صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے مسٹر راجیو گاندھی صدر کانگریس آئی سابق وزیر اعظم ہند کو بھی کنونشن میں شرکت کا دعوت نامہ دیا تھا، لیکن وہ خود شریک نہیں ہو سکے، البتہ اپنی پارٹی کانگریس آئی کی طرف سے ایک ڈیلی گیشن کنونشن میں شرکت کے لیے بھیجا، جن میں شری بوٹا سنگھ سابق وزیر داخلہ، پی شیوشنکر سابق مرکزی وزیر قانون، مسز شیلا کول اور محسنہ قدوائی اور دوسری باوقار

شخصیتیں تھیں، وزیر اعظم حکومت ہند چندر شیکھر کو بھی دعوت دی گئی تھی، وزیر اعظم کے نمائندے کی حیثیت سے سبودھ کانت سہائے وزیر مملکت امور داخلہ کنونشن میں شریک ہوئے۔

سابق وزیر قانون کی تقریر

سابق وزیر قانون شیو شنکر نے کنونشن کے بنیادی مقصد کو پیش نظر رکھ کر تقریر کی، چونکہ وہ صاف اُردو میں تقریر کر رہے تھے، اس لیے حاضریں کے دل و دماغ پر اچھا اثر ڈالا، انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ!

”ہمارا سماج ایک اُلجھا ہوا سماج ہے، جس میں مذہب اور زبان کے نام پر تفرقات ہیں، اس لیے جب ہمارا دستور مرتب کیا جارہا تھا تو ہمارے بزگوں نے اس امر کا لحاظ رکھا کہ مختلف طبقوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے، دستور میں سب کے حقوق مساوی ہیں، یہ غلط فہمی دور ہوجانا چاہیے کہ یہ ملک کسی خاص طبقہ کی میراث ہے، یہ ملک ان تمام لوگوں کا ہے جو اس ملک کے شہری ہیں۔“

آپ نے سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ!

”بعض پارٹیاں اونچ نیچ کی باتیں کرتی ہیں اور ہم پورے عزم کے ساتھ ان کے خلاف کچھ نہیں کررہے ہیں، صرف باتوں سے سیکولرزم کا تحفظ نہیں ہوگا، ہماری کارکردگی میں نقص ہے، اس لیے فرقہ پرست قوتیں بڑھ رہی ہیں، یہ بہت بڑی بے ایمانی ہے کہ ہم حقیقت کا اعتراف نہیں کرتے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم پس پردہ فرقہ واریت کو بڑھاوادے رہے ہیں۔“

سابق وزیر قانون محتاط لفظوں میں اب تک گفتگو کر رہے تھے، لیکن وہ زیادہ دیر تک اپنے جذبات کو دبا نہیں سکے، اس لیے انھوں نے دوٹوک لفظوں میں بات شروع کرتے ہوئے کہا!

”بھارتیہ جنتا پارٹی اکثریت میں فرقہ پرستی پھیلا رہی ہے، تاریخ شاہد ہے کہ جس ملک میں اکثریت فرقہ پرستی کی راہ پر چلی ہے، تو اس کی سالمیت برقرار نہیں رہ سکی، مجھے اعتراف ہے کہ کانگریس نے غلطیاں کی ہیں، کانگریس کے اصول بڑے اچھے ہیں مگر بہت سے کانگریسی ایسے بھی ہیں جو ان اصولوں پر یقین نہیں رکھتے، اسی وجہ سے کانگریس مصیبتوں سے دوچار ہے، دراصل ہم نے اپنے گریبان میں جھانکنا چھوڑ دیا ہے، ہم کو ہمارا عیب نظر نہیں آتا، جمہوریت میں سر گنے جاتے ہیں، اس لیے فطری طور پر اقلیت خوف زدہ رہتی ہے، ساری پارٹیاں صلاحیت ولیاقت کے اعتبار سے نہیں، بلکہ آبادیوں کے تناسب سے مذہب اور ذات پات کی بنیاد پر اپنے اُمیدوار کھڑے کرتی ہیں، تو فرقہ پرستی کا خاتمہ کیوں کر ہوگا، کیا یہ حقیقت نہیں ہے، کہ آزادی کے بعد ہم بہت فرقہ پرست ہوگئے ہیں، باہر کچھ کہتے ہیں اور اندر کچھ کرتے ہیں، اسی لیے اقلیت سہمی ہوئی ہے، بھارتیہ جنتا پارٹی اس بات کی کوشش کررہی ہے کہ اکثریت کے جذبات کو بھڑکایا جائے، اس لیے اکثریت سے تعلق رکھنے والے لیڈر سیکولرزم کے لیے بڑی سے بڑی قربانیاں دینے کے لیے تیار ہوجائیں، اکثریتی لیڈروں کو سیکولرزم کے تحفظ کی ذمہ داریاں لینی ہوں گی، اور اقلیت کا اعتماد حاصل کرنا ہوگا، اس سلسلے میں اگر نیت درست نہ ہوگی، تو ہم سیکولرزم کا تحفظ نہیں کر سکتے، اس لیے لیڈروں کو اپنی نیت درست کرلینی چاہیے۔“

سابق وزیر قانون نے فرقہ پرستی کے خاتمہ کے سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے جو باتیں کہیں، وہ لوگوں کو اپیل کرنے والی تھی آپ نے کہا!

”فسادات میں عوام مرتے ہیں، لیڈر نہیں مرتے، ہم غریبی اور بے روزگاری دور کرنے کے لیے کام کریں تو فرقہ پرستی خود بخود مر جائے گی۔ بی، جے، پی، اکثریت کے مذہبی جذبات کا استحصال کرکے مرکزی

حکومت پر قبضہ کرنا چاہتی ہے، جو ملک کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے اس لیے سیکولر طاقتوں کو متحد ہو جانا چاہیے۔''

شری شیوشنکر کی تقریر کچھ دراز ضرور تھی لیکن انھوں نے تمام پارٹی کے لیڈروں کے سامنے روشنی کا ایک مینار کھڑا کر دیا، دلوں کے اندر بیٹھے ہوئے چور کی نشاندہی کر کے بگلا بھگت قومی لیڈوں کے چہروں سے نقاب اُتار کر رکھ دی، انھوں نے مسلمانوں کی مظلومیت اور سیکولرزم کی دُہائی دیتے دیتے بتدریج احساس کمتری میں مبتلا ہونے کو غیر مبہم لفظوں میں بیان کرتے ہوئے، اس کی وجہ بھی بیان کر دی کہ سیکولرزم کے تحفظ کی ذمہ داری مسلمانوں کی نہیں یہ ذمہ داری تو اکثریت کے لیڈروں کی ہے، اور ظاہر ہے کہ ہمارے ملک کے بہت سے لیڈروں کی تاریخ یہی رہی ہے، کہ ان کی شخصیتیں دوہری تھیں، کانگریس جیسی سیکولر جماعت کے پہلے وزیر داخلہ سردار پٹیل ہوئے اور گووند ولبھ پنت اتر پردیش کے پہلے وزیر اعلیٰ کانگریس کے ہائی کمان میں شامل تھے، اور کانگریس کے ممتاز لیڈروں میں شامل تھے، مولانا ابوالکلام آزاد نے جب کیبنٹ سیشن سے گفتگو کے لیے گئے تو یہی گووند بلبھ پنت کو اپنا ترجمان بنا کر لے گئے تھے، انھیں دونوں کانگریس کے اہم ترین لیڈروں نے ہندوستان کے پہلے سیکولر لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو کی بات ٹھکرا دی، جب انھوں نے دسمبر ۱۹۴۹ء میں بابری مسجد میں زبردستی گھس کر بیراگیوں نے مورتیاں رکھ کر مسجد پر قبضہ کر لیا تھا، سردار پٹیل سے کہا کہ شر پسندوں سے خالی کراؤ، ان دونوں نے ٹال مٹول سے کام لیا اور جواہر لال نہرو کی بات نہیں مانی، بلکہ مسجد میں تالا لگوا دیا، بیراگیوں کے قبضہ کو برقرار رکھا جس کا نتیجہ بعد میں کیا ہوا؟ ساری دنیا نے دیکھا، وزیر قانون شیوشنکر نے یہ انکشاف کر کے حیرت میں ڈال دیا کہ سیکولرزم کا نعرہ لگانے والے بہت سے لیڈران سردار پٹیل کی پالیسی اپنائے ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ملک میں فرقہ پرستی برابر بڑھ رہی ہے، حکومتوں پر وہی قابض ہیں، ان میں سے کسی کی نیت صاف نہیں ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس ملک میں امن چین کا ملنا دُشوار کر دیا گیا ہے۔

دوسرے لیڈروں کی تقریریں

جنتا دَل ایس کے صدر اور نائب وزیراعظم چودھری دیوی لال، مسٹر اے، بی، بردھن، سی، پی، آئی، کے جنرل سکریٹری سابق، جسٹس مشہور دانشور مارکنڈے، سابق وزیر خارجہ جنتا دل کے مرکزی لیڈر اندر کمار گجرال، بہار کے سابق وزیراعلیٰ جگن ناتھ مشرا، سی، پی، ایم، کے پولٹ بیورو کے ممبر ہرکشن سنگھ سرجیت نے تقریریں کیں، جن میں سے اکثر لیڈروں نے جمعیۃ علماء ہند کے آزادی سے قبل تحریک آزادی میں اس کی قربانیوں کا کھلے لفظوں میں اعتراف کرتے ہوئے فرقہ پرستی کے اس طوفان کی مذمت کی، جو ادھر چند سالوں سے شباب پر آئی ہوئی ہے، ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ!

> ”فرقہ وارانہ فسادات کا مقصد حصولِ اقتدار ہے، ہم فرقہ پرستی کے خلاف آواز تو بلند کرتے ہیں، مگر اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، ہم سیکولر لوگوں نے مسلمانوں کو دیا ہی کیا ہے، کہ ہم پر اقلیت نوازی کا الزام لگایا جارہا ہے، فرقہ پرستی اس ملک کے لیے سب سے سنگین خطرہ ہے، فرقہ پرستوں سے اتحاد کرنے ہی کا نتیجہ ہے، کہ لوک سبھا میں ان کی تعداد ۲ سے بڑھ کر یک بیک ۸۸ ہوگئی، رتھ یاترا پر شروع ہی میں پابندی لگادی گئی ہوتی، تو یہ انجام نہ ہوتا، آپ نے زور دے کر کہا، کہ بی، جے، پی، اور وشو ہندو پریشد وغیرہ کو سماج سے الگ تھلگ کردینا ہوگا، فرقہ پرست منظّم ہیں اور سیکولر عناصر غیر منظّم ہیں، مسلمانوں میں اعتماد پیدا کرنے اور ان کے احساس کمتری کو دُور کرنے کے لیے ذہنی تحفظات اور جماعتی اختلافات سے بالاتر ہوکر متحدہ جدوجہد کرنی ہوگی۔

مشہور کمیونسٹ لیڈر ہرکشن سنگھ سرجیت نے جگن ناتھ مشرا کی تجویز کی تائید کرتے ہوئے کہا! کہ اجودھیا کے تنازعہ نے ملک میں بہت خوفناک صورتِ حال پیدا کردی ہے، مسلمان تو عدالت کا فیصلہ ماننے کے لیے تیار ہیں، مگر ہندو تیار نہیں، جو

بے حد تشویشناک اور افسوسناک بات ہے، اڈوانی کی رتھ یاترا اگر خالص مذہبی ہوتی، تو اس پر بی، جے، پی، کا انتخابی نشان نہ ہوتا، شری سرجیت سنگھ نے ذرا گرم لہجہ میں کہا!
''اگر ہندو راشٹر بنے گا تو مسلم راشٹر اور سکھ راشٹر بھی بنے گا۔''

ناگ کو دُودھ پلایا جاتا رہا

فرقہ واریت مخالف کنونشن کو خطاب کرنے والوں میں سابق مرکزی وزیر چندر جیت یادو بھی تھے، اور موجودہ وزیر مملکت برائے امور داخلہ سبودھ کانت سہائے بھی، بہوجن سماج کی ممبر پارلیمنٹ مایاوتی بھی اور مشہور سماجی لیڈر مسز سبھد را جوشی بھی، بلا امتیاز ہر ایک نے اس کا اعتراف کیا کہ ہر موقع پر مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا رہا ہے، فرقہ پرستی کو بڑھاوا دینے میں حکومت کے ذمہ داروں کا بڑا ہاتھ ہے، اگر حکومت دیانتداری سے دستور کے احترام کے ساتھ نظام چلاتی، تو آج فرقہ پرستی کے اس ناگ کا پھن کچل کر رکھ دیا گیا ہوتا، لیکن اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے ہر ایک نے اپنے اپنے موقع پر اس ناگ کو دودھ پلایا، اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج وہ ناگ پورے ملک کو ڈسنے کے لائق ہو گیا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کی تجویز

فرقہ واریت مخالف کنونشن کا مقصد یہ تھا کہ مختلف سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں اور حکومت کے نمائندوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے فرقہ واریت کے خلاف ایک ذہنی و فکری فضا بنائی جائے، اس کنونشن اور اس میں کی جانے والی تقریروں ہندوستان کی موثر سیکولر پارٹیوں ان کے لیڈروں کے بیانات نے اس مقصد کو پورا کر دیا، اور کنونشن کا حاصل وہ تجویز تھی، جو اس کنونشن کے اُمید افزا ماحول میں پیش کی گئی، اور تمام حاضرین اور سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں نے اس کی تائید کی، تجویز کا متن اگرچہ لمبا ہے، لیکن کنونشن کا انعقاد سیکڑوں پریشانیوں کے بعد ہو سکا تھا، اس کا حاصل یہی تجویز تھی اس لیے اس کا پورا متن یہاں دیا جا رہا ہے!

”جمعیۃ علماء ہند کے زیرِ اہتمام منعقدہ فرقہ واریت مخالف کنونشن ملک میں بڑھتے ہوئے فرقہ وارانہ فسادات پر گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے، حالیہ فسادات میں جس وحشیانہ بربریت کا مظاہرہ ہوا ہے، وہ انسانی تہذیب کی تمام حدود سے تجاوز کرگئی ہے، ملک طوائف الملوکی اور انتشار کے دہانے پر کھڑا ہے۔

نہایت شرم کی بات ہے کہ ملک میں اجتماعی عصمت دری، اجتماعی طور پر انسانوں کو آگ میں جلایا جائے، یہ اور بھی قابلِ افسوس ہے کہ لوٹ مار اور آتش زنی کے واقعات، کرفیو کے اوقات میں ہوں، کیونکہ اس سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے، کہ ان واقعات میں ایڈمنسٹریشن امن و امان اور قانون کے محافظ بالواسطہ یا بلا واسطہ شریک ہیں۔ ان فسادات میں مسجدوں کی تباہی، مہلک ہتھیاروں کا استعمال، عورتوں اور دودھ پیتے بچوں کا سفاکانہ قتل عام باتیں ہوگئی ہیں، فرقہ واریت اور دہشت گردی کے جنون کی اگر بروقت روک تھام نہیں ہوئی تو عمل اور رد عمل کا وہ سلسلہ شروع ہوگا جو ملک کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونک دے گا، ہندوستانی صحافت جو اپنی حریت پسندی اور انسان دوستی کی روایات پر فخر کرتی ہے، آج نفرت اور اشتعال کا ہتھیار بنتی جارہی ہے، کچھ اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا ایسی خبریں اور مضامین شائع کررہے ہیں، جن سے مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان رواداری اور دوستی پر چوٹ پڑتی ہے، ایسے اسکولوں اور اداروں کا تانتا سا بندھ گیا ہے، جو بچوں کے ناپختہ ذہن کو نفرت اور شک وشبہ کے زہر سے پراگندہ کررہے ہیں۔

ان حالات سے اقلیتوں اور کمزور طبقوں خصوصاً مسلمانوں میں عدم تحفظ کا احساس بڑھ رہا ہے، اور خطرہ ہے کہ وہ علیحدگی پسند اور جوابی تشدد کے رجحانات کا شکار ہوجائیں، اس لیے ضروری ہے کہ انسانی قدروں

اور مہذب طریقۂ زندگی کے حامی سبھی لوگ اپنے سیاسی اور مذہبی اختلافات سے اُوپر اُٹھ کر فرقہ واریت اور تشدد کی ان طاقتوں کے خلاف صف آرا ہوں، ہندوستان کے عوام میں انسان دوستی اور ہمدردی کے جذبات اب بھی زندہ ہیں، اور فرقہ وارانہ تشدد اور بربریت کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بیشمار ایسی درخشاں مثالیں سامنے آئی ہیں، جب ایک فرقہ کے لوگوں نے اپنی حفاظت کی پرواہ کیے بغیر دوسرے فرقہ کے لوگوں کو تحفظ دیا ہے، اور امداد بہم پہنچائی ہے، ان شاندار کارناموں سے اُمید بندھتی ہے کہ نفرت اور تشدد کے فرقہ وارانہ حملے کی مزاحمت کر کے اس کو شکست دی جاسکتی ہے۔

یہ کنونشن مرکزی اور ریاستی حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ نفرت، علیحدگی پسندی، دہشت گردی اور فرقہ واریت کو روکنے کے لیے موثر قدم اُٹھائیں۔ مثلاً:

(۱) کمیونل پرائیوٹ پیراملٹری آرگنائزیشن پر پابندی لگائی جائے، کسی فرقہ پرست پارٹی کو ایسی تنظیم بنانے، اور ان کی پریڈ اور ان کا جلوس نکالنے پر پابندی عائد ہو۔

(۲) فرقہ پرست پارٹیوں کی امن مخالفت سرگرمیوں پر ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۵۳ (الف) کے تحت کارروائی کر کے پابندی لگائی جائے۔

(۳) ریاستی مسلح فورسیز، پی اے سی، بی ایم پی، ایس آر پی، آر اے سی وغیرہ کی تنظیم نو کی جائے، اور سیکولر نظریات کی ٹریننگ کا انتظام کیا جائے۔

(۴) کمپوزٹ فورس بنائی جائے جس میں مسلمان، بیک ورڈ شیڈول کاسٹ اور شیڈول ٹرائب کو مناسب نمائندگی دی جائے۔

(۵) افسران فساد کو روکنے میں ناکام ہوں تو ان کو فوری طور پر معطل کیا

جائے، اور انتظامیہ کے لیے ان کو نا اہل قرار دیا جائے۔

(۶) فرقہ وارانہ فسادات میں مرنے والوں کے ورثاء کو ایک لاکھ روپیہ، شدید زخمیوں کو کم از کم ۲۵ ہزار روپیہ معاوضہ، مرنے والے کی بیوہ کو تا زندگی پنشن، خاندان کے ایک فرد کو سرکاری نوکری، مالی نقصان کی مکمل تلافی، جب تک معاوضہ اور نقصان کی تلافی کی رقم نہ ملے اس وقت تک ایک ہزار روپیہ ماہانہ گذارہ دیا جائے۔

(۷) اخبارات کی پوری توجہ سے جانچ کی جائے، اخبارات میں غلط خبریں بھیجنے والے نمائندوں کو بھی قصوروار قرار دیا جائے۔

(۸) اسکول اور نصابی کتابوں کا مکمل ریویو کر کے ان میں فرقہ وارانہ اتحاد اور قومی یک جہتی کو فروغ دینے کی غرض سے مناسب تبدیلیاں کی جائیں۔

(۹) فسادات میں دوسرے فرقہ کو بچانے والوں کو ایوارڈ اور انعام دیا جائے۔"

خطبہ صدارت

ہاؤس میں تجویز پڑھ کر سنائی گئی اور تائید حاصل کی گئی، اس کے بعد چودھری برہم پرکاش اور سابق مرکزی وزیر، کے، سی پنت نے اپنے خیالات وجذبات کا اظہار کیا، اور فرقہ پرستی سے مقابلہ کے لیے ہر ایک نے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق رائیں دیں، بلا استثناء ہر ایک نے دوٹوک لفظوں میں اظہار کیا کہ اب پورے ملک میں زہر پھیل چکا ہے، اور مسلمانوں کی شکایت بے جا نہیں، جو بھی تدابیر مختلف اوقات میں اختیار کی گئیں برسر اقتدار طبقہ کے کسی فرد نے اس کی راہ میں رُکاوٹ ڈالی۔

کنونشن کی صدارت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی، اور نظامت کے فرائض مسٹر ڈی آر گوئل نے انجام دیئے، صدر محترم نے خطبہ صدارت میں دل کے ٹکڑے نکال کر رکھ دیئے، اس کے لفظ سے ان کا درد فریاد کرتا ہوا محسوس ہوتا

ہے، آپ نے ابتدائی تمہیدی کلمات کے بعد فرمایا!

"آج ملک فرقہ واریت کی آگ میں جل رہا ہے، جس طرف دیکھئے فرقہ واریت کے لپکتے ہوئے شعلے اور نفرت کے اُٹھتے ہوئے دُھویں وطن کی فضا کو مسموم اور تیرہ و تار بنا رہے ہیں، نفرت و تعصّب کی اس آگ کا ایندھن بطور خاص مسلمانوں کو بنایا جارہا ہے، دور جانے کی ضرورت نہیں، صرف حالیہ تین مہینوں اکتوبر نومبر دسمبر ۱۹۹۰ء کا سرسری اور اجمالی خاکہ ملاحظہ فرمائیں، جس سے اندازہ ہوجائے گا کہ جمہوریہ ہند اور اس سیکولر اسٹیٹ میں یہاں کی سب سے بڑی اقلیت کو تباہ اور ہلاک کرنے کی کیسی ہمہ گیر اور منظّم تحریک چلائی جارہی ہے۔"

حالیہ فسادات کا اجمالی خاکہ

صدر محترم نے تین ماہ میں ہونے والے فسادات کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرتے ہوئے، فرمایا کہ اتر پردیش میں پچھلے تین مہینوں میں چالیس مقامات پر فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا گیا، جن میں بجنور، علی گڈھ، آگرہ، شاملی، جہانگیر پوری، کانپور وغیرہ میں جارحیت و بربریت کی انتہا کردی گئی، ان فسادات میں محتاط اندازے کے مطابق ڈھائی تین سو کے قریب مسلمان شہید کیے گئے، اور تقریباً ۲۱۳ کروڑ روپے کی املاک تباہ برباد کی گئیں، گجرات میں ۱۴ مقامات پر لوٹ مار اور آتش زنی کے انسانیت سوز مظالم کیے گئے، جن میں تقریباً دو درجن سے زائد مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتارا گیا، اور ایک کروڑ سے زائد کی جائدادوں کو تہس نہس کردیا گیا، صوبہ راجستھان میں جے پور، بیاور، بوندی کے مقامات کو فسادات کا نشانہ بنایا گیا، اور ستر سے زائد مسلمانوں کو قتل کیا گیا، اور ایک کروڑ سے زائد کی املاک ضائع کی گئیں، مدھیہ پردیش میں آٹھ شہروں میں آگ اور خون کا طوفان برپا کیا گیا، جس میں متعدد جانوں کا ضیاع اور لاکھوں کی مالیت تباہ ہوئی، آندھرا پردیش کے تین شہروں حیدرآباد، سکندرآباد، مرشدآباد میں بربریت اور

جارحیت کا یہی کھیل کھیلا گیا، جس میں دوسو مسلمان کام آئے اور دو کروڑ کی املاک غارت ہوئیں، مہاراشٹر میں بھی مسلمانوں کو شہید کیا گیا، اور اسّی لاکھ کی جائداد تباہ کی گئی، مغربی بنگال میں بردوان، ہوڑہ، ہابڑہ اور پرولیا وغیرہ مقامات میں ۲۵ مسلمان فساد کی نذر ہوئے اور تقریباً ایک کروڑ کی املاک تباہ ہوئیں، بہار کے سات قصبات میں اسی طرح کے تشدد اور لوٹ مار کا مظاہرہ کیا گیا، جس میں متعدد مسلمان مارے گئے اور ان کی املاک لوٹی اور جلائی گئیں، ملک کی راجدھانی دہلی میں فسادیوں نے ۱۳ مسلمانوں کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا اور تقریباً ایک کروڑ کی جائداد کا نقصان کیا گیا۔

انتظامیہ کی فرقہ پرستی

ذمہ دار افسران اور انتظامیہ میں فرقہ واریت کے رنگ میں پوری طرح رنگی جاچکی ہے، یہ فسادات اچانک کسی اشتعال یا کسی غلط فہمی کی بنیاد پر نہیں ہوجاتے، بلکہ ان کے پس منظر میں ایک منصوبہ بند سازش اور منظّم تدبیریں کارفرما ہوتی ہیں، افسوسناک بات تو یہ ہے کہ قانون کے نفاذ میں امتیاز برتا جاتا ہے، انتظامیہ کے افسران اور پولیس کے اعلیٰ حکام فرقہ پرست عناصر کی تباہ کن سرگرمیوں کی طرف سے اچھی طرح باخبر ہونے کے باوجود چشم پوشی کرتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی تو براہِ راست ان کی سرپرستی کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان فتنہ انگیز سازشوں اور خون ریز تدبیروں سے اچھی طرح باخبر ہونے اور ان کے مہلک اثرات ونتائج سے پوری واقفیت کے باوجود ان کے خلاف قانونی کارروائی کرنے سے گریز کرتے ہیں اور ان کی تدبیروں کو بے اثر کرنے کے اقدام سے پہلو تہی کرتے ہیں، اربابِ اختیار کی اس مجرمانہ خاموشی سے فسطائی طاقتوں کے حوصلے بڑھتے ہیں، اور وہ بڑی سے بڑی تباہی مچانے کے لیے بڑی بڑی سازشیں کرتے ہیں، یہ فسادات اس لیے ہوئے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی، بجرنگ دَل، وشو ہندو پریشد جیسی فسطائی اور جارحیت پسند تنظیمیں شیلا پوجن، رتھ یاترا، رام جیوتی یاتر، کارسیوا، استھی کلش کے جذباتی اور ہیجان انگیز ناموں سے ملک گیر پیمانے پر تحریکیں چلا رہی ہیں، جس میں وہ پوری طرح کامیاب ہیں، کہ پورے ملک کا امن و

امان نفرت وتعصب کی آگ میں جل کر خاکستر ہو گیا۔

قانون کے ٹھیکیدار غنڈے

صدر محترم نے گرم لب ولہجہ اور شدت جذبات میں اس تلخ حقیقت کو بھی کھول کر رکھ دیا، کہ بے قصور اور بے خبر مسلمان اپنے گھروں میں چپ چاپ بیٹھا ہے، غنڈے اس کے گھر پر دھاوا بول کر زندگی بھر کی اس کی کمائی لوٹ لیتے ہیں، گھر کے افراد کو قتل کرتے ہیں اور اکڑتے ہوئے چلے جاتے ہیں، اس کے بعد پولیس آتی ہے جو بچے اور محفوظ لوگ ہیں، انھیں گرفتار کرتی ہے اور جم کر پٹائی کرتی ہے، غنڈوں سے زیادہ یہ قانون کے ٹھیکیدار غنڈے ان مظلوم مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں، ہاتھ پیر توڑ کر گرفتار کر کے انھیں لے جا کر جیلوں میں جانوروں کی طرح ٹھوس دیتے ہیں، اللہ رے یہ ظلم، یہ جور وستم زمین پھٹ کیوں نہیں جاتی، آسمان کیوں گر نہیں جاتا، جیل میں انھیں لٹے پٹے مسلمانوں کو وہاں کے جلاّد صفت حکام طرح طرح کی اذیتیں دیتے ہیں، انھیں معصوم ومظلوم مسلمانوں پر اُلٹے قتل و غارت گری، لوٹ مار اور بلوہ کے مقدمات قائم کیے جاتے ہیں، یہ پولیس یہ انتظامیہ بذات خود مسلمانوں کی دشمن ہے، اگر وہ ایف، آئی، آر، لکھانے جاتا ہے، تو اُلٹے اس کی ہی پٹائی کر دی جاتی ہے اور کوتوالی سے بھگا دیا جاتا ہے، ابھی بجنور کے حالیہ فساد کے موقع پر کئی دن تک ذمہ دار افسران علانیہ طور پر یہ کہتے رہے، کہ ہم کسی مجرم فسادی کے خلاف نامزد ایف، آئی، آر، درج نہیں کریں گے۔

صدر محترم نے اپنے خطبہ صدارت میں بہت سے ثبوت و دلائل، اخبارات اور ذمہ دار لیڈروں کے حوالے سے ثابت کیا کہ بلوائیوں سے کہیں زیادہ مسلم اقلیت پی، اے، سی، کی درندہ صفت پولیس کے ظلم وستم کا شکار ہوتی ہے، پر پولیس شاید مسلمانوں پر ظلم وستم ہی کے لیے بنائی گئی ہے، تمام مقتدر سیکولر لیڈروں کے بیانات شاہد ہیں، اس حقیقت کو واشگاف لفظوں میں وہ بیان کر چکے ہیں، اس کے علاوہ وزیر اعظم کے گھر پر مشہور لیڈروں نے اس سلسلے میں مظاہرہ بھی کیا ہے، خطبہ صدارت میں کہا گیا!

”سی، پی، ایم، سی، پی، آئی، فارورڈ بلاک، آر، ایس، پی، کانگریس ایس، جنتا دَل اور جمعیۃ علماء ہند کے نمائندوں نے پی،اے،سی، کے مسلم مخالف رویّہ کے خلاف وزیراعظم کے بنگلہ پر دھرنا دیا، علاوہ ازیں ہیم وتی نندن بہوگنا سابق وزیراعلیٰ اتر پردیش، مسٹر ستیہ پال ملک، مسٹر چندر جیت یادو، مسٹر رام بلاس پاسوان، مسٹر راجندری کماری باجپئی، مسٹر چندر جیت سنہا، مسٹر سمر مکرجی وغیرہ نے اپنے بیانات کے ذریعہ پی،اے،سی، کے ظالمانہ کردار کی ہمیشہ مذمت کرتے رہے ہیں، پی،اے،سی، کے اس بہیمانہ رویّہ کی بنا پر ملک کے بہت سے قومی اخبارات نے مختلف موقعوں پر فسادزدہ علاقوں سے پی،اے،سی، کے ہٹانے کا مطالبہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ پی،اے،سی، کے مسلم دُشمن رویّہ کے باوجود فسادزدہ مقامات پر اس کو متعین کرنے کی بس یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو تباہ کیا جائے۔“

صدر محترم نے اپنے خطبہ صدارت میں مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں میں نہ لیے جانے اور ان کی صلاحیت ولیاقت کے باوجود محض مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کو ملازمتیں نہیں دی جاتی ہیں، اس کی شکایت کرتے ہوئے یہ بھی کہا، جیسے معلوم ہوتا ہے کہ ہر حکومت اندرونی اور خفیہ طور پر مسلمانوں کا بائیکاٹ کرنے اور سرکاری ملازمتوں میں نہ لیے جانے کی اپنے افسران کو خفیہ ہدایتیں دیتی رہتی ہے، مولانا موصوف نے ایک ریٹائرڈ کلکٹر کے مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا!

”ایم این ایچ ریٹائرڈ کلکٹر ضلع مجسٹریٹ اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں، آزادی کے بعد سے آج تک کوئی مسلمان وزیراعظم نہیں ہوا، اور نہ ہونے کی اُمید ہے، کچھ مسلمانوں کو غیر اہم عہدے اور معمولی محکمے مثلاً وقف، جیل، ٹرانسپورٹ دے کر وزیر بنا دیا جاتا ہے، جو برائے نام ہی ہوتے ہیں، یہی حال سروسیز کا ہے کہ معمولی پولیس، دفاع اور بڑی نوکریوں میں مسلمان ٹاٹا، برلا، مفت لال کی طرح صنعت کار نہیں ہے،

آج سے پچیس برس پہلے کی بات مجھے یاد ہے، جبکہ میں ضلع مجسٹریٹ تھا کہ جب کبھی لا اینڈ آرڈر کی بات آئی تھی، مجھے گورنمنٹ کی خفیہ ہدایت ملتی تھی کہ مسلمانوں کے لائسنسی ہتھیاروں کو ضبط کرلیا جائے، لیکن ہندوؤں کے متعلق کبھی بھی اس قسم کی ہدایت نہیں آئی، حالانکہ پاکستان کے بعد تین جنگوں نے ثابت کردیا ہے کہ مسلمان دھوکے باز نہیں ملک کا وفادار ہے، ان پر بھرپور اعتماد اور بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔'' (مسلم انڈیا ۱۲؍دسمبر ۱۹۹۰ء)

صدر محترم نے مزید فرمایا کہ حالات وواقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ووٹ بینک کی سیاست اور اقتدار سے چپکے رہنے کی ہوس کی وجہ سے ہماری قومی حکومتیں جمہوری تقاضوں کو پورا کرنے اور سیکولرزم کو تقویت دینے کے بجائے فرقہ واریت کو بڑھاوا دیتی ہیں، کانگریسی دور حکومت میں جبکہ مرکز اور ریاست دونوں جگہ کانگریس کی سیکولر حکومت تھی یکم فروری ۱۹۹۰ء کہ فرقہ پرستوں کے مطالبہ پر بابری مسجد کا تالا اس مقصد کے تحت کھولا گیا، اور پوجا پاٹ کی عام اجازت دی گئی۔

کنونشن ختم ہو گیا

اپنی نوعیت کا یہ مثالی کنونشن ملک کے مشہور اور بڑے لیڈروں اور مختلف سیاسی پارٹیوں کے ممتاز رہنماؤں کی شرکت اور دوٹوک بیانات کی وجہ سے ایک مثالی کنونشن ثابت ہوا، کنونشن کے بعد صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی کی قیادت میں جمعیۃ علماء ہند کا ایک وفد کنونشن میں پاس شدہ تجویز لے کر وزیر اعظم حکومت ہند مسٹر چندر شیکھر کی خدمت میں حاضر ہوا اور کنونشن کے فیصلوں سے ان کو آگاہ کیا، تو وہ بہت متاثر ہوئے، ویسے سرکاری ذرائع سے ان کو پہلے ہی خبر مل چکی تھی کہ کنونشن کتنا کامیاب اور اعلیٰ سطح کا ہو، اجس میں تمام سیکولر پارٹیوں کے ممتاز لیڈروں نے شرکت کی اس لیے ظاہر ہے کہ وزیر اعظم کنونشن کے فیصلوں کو نظر انداز نہیں کرسکتے تھے، مگر ان کی حکومت ہی چند دنوں تک رہی اور وہ اس سلسلے میں کوئی اہم قدم نہ اُٹھا سکے۔

الیکشن کا فیصلہ

مئی میں الیکشن ہوا، ایک عرصہ سے کانگریس کے ہاتھ سے اقتدار نکل چکا تھا، وی پی سنگھ اور پھر چندر شیکھر وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے، مگر جلد ہی ان لوگوں کو کرسی چھوڑ دینی پڑی، الیکشن نے کایا پلٹ دی اور پھر کانگریس برسر اقتدار ہوگئی، اتر پردیش میں بی، جے، پی، حکومت بنانے کی پوزیشن میں آ گئی اور کلیان سنگھ اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ بن گئے، اس سیاسی انقلاب نے مسلمانوں کو ذہنی وفکری اضطراب میں مبتلا کر دیا، بابری مسجد کی جگہ رام مندر تعمیر کی تحریک چلانے والے ''رتھ یاترا'' اور ''رام جیوتی یاترا'' نکالنے والوں کے ہاتھوں میں زمام اقتدار آ گئی، ایڈوانی تو بہار میں گرفتار کر لیے گئے تھے، اور ''رتھ یاترا'' اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکی، لیکن وشوہندو پریشد نے اپنے اعلان کے مطابق ۳۰؍اکتوبر ۱۹۹۰ء کو کارسیوا کا آغاز کیا، جس میں دو درجن کارسیوک مارے گئے، اور بہت کچھ مسجد کو نقصان پہنچا، مگر مسجد اپنی جگہ کھڑی رہی، اب زمام اختیار انھیں کے ہاتھوں میں آ گئی، اب ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ ڈالنے والا نہیں رہ گیا، ۳۰؍اکتوبر کو ملائم سنگھ یادو کی حکومت تھی، انھوں نے کارسیوکوں پر گولی چلوا کر مسجد کی حفاظت کا فرض ادا کیا اب فرقہ پرستوں کا راستہ ایک دم صاف تھا، وہ اپنی من مانی کرنے کے لیے بالکل آزاد تھے، یہی وجہ تھی کہ بی، جے، پی، کے وزراء نے کسی طرح کی مصلحت اندیشی سے کام نہیں لیا، بلکہ اپنے رویّہ سے صاف ظاہر کر دیا کہ ہم نے رام مندر کی تعمیر کے لیے جو کچھ کیا اور کہا ہے اس کی تکمیل کر کے رہیں گے، وزراء کی حلف برداری کے بعد پہلا کام کلیان سنگھ نے یہ کیا کہ سارے وزیروں کو لے کر اجودھیا گئے، وہاں بابری مسجد میں رکھی مورتیوں کے درشن کیے اور پوجا کی اور اپنے عہد کو دُہرایا کہ ہم یہاں رام مندر بنا کر رہیں گے۔

اجودھیا میں مشورے

۲۰؍اور ۲۱؍جولائی ۱۹۹۱ء کو اجودھیا میں رام مندر کارسیوا سمیتی، رام مندر مکتی

سمیتی، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دَل اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے مشترکہ اجلاس ہوا، جس میں ملک بھر میں منتخب ہونے والے ان کے تمام ارکان اسمبلی وممبران پارلیمنٹ کے علاوہ اترپردیش حکومت کے تمام وزراء اوراعلیٰ افسران نے شرکت کی، اس مشترکہ اور متحدہ جلسہ نے فیصلہ کیا کہ اترپردیش کی بی، جے، پی، حکومت ۱۸؍نومبر ۱۹۹۱ء سے پہلے رام مندر کی تعمیر میں جو بھی قانونی اور غیر قانونی رُکاوٹیں ہیں، انھیں دور کردے، اور اگر اترپردیش کی حکومت رکاوٹوں کو دور نہیں کرتی تو اس کے خلاف بھی تحریک شروع کی جاسکتی ہے، یہ آگاہی اجلاس میں اس وقت دی گئی، جب وزیراعلیٰ اترپریش کلیان سنگھ خود اجلاس میں موجود تھے۔

اس سلسلے میں صدر جمہوریہ ہند کے خطبہ کے اُس حصہ پر بھی شدید نکتہ چینی کی گئی، جس میں انھوں نے عبادت گاہوں کے تحفظ کے سلسلے میں بات کہی تھی، اور بعد میں پارلیمنٹ نے اس کو ایک بل کے شکل میں منظور کرلیا کہ ہر مذہب کی عبادت گاہیں اسی شکل میں باقی رکھی جائیں جوان کی شکل ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے تھی، یہ بل رام مندر تعمیر کرنے والوں کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ تھی، اس لیے اس بل پر سخت غصہ کا اظہار کیا گیا، اجلاس کا یہ فیصلہ بتا رہا تھا کہ مستقبل میں بابری مسجد کے سلسلے میں کیا ہونے والا ہے اور اس کی شکل وصورت چند دنوں بعد کیا ہونے والی ہے، وزیراعلیٰ اترپردیش کلیان سنگھ اُسی اجودھیا میں حکومت کا حلف لینے کے فوراً بعد حاضر ہوکر اعلان کرچکے تھے کہ اُترپردیش میں بی، جے، پی، کو اقتدار رام مندر کی تعمیر کے نام پر ملا ہے، اور وہ اس کو پورا کرے گی، ان ساری باتوں سے ہوا کا رُخ معلوم ہوگیا۔

راجیو کے بعد نرسمہا راؤ

مرکز میں کانگریس کی حکومت قائم ہونے کے بعد مسٹر راجیو گاندھی دوبارہ وزیر اعظم بنائے گئے تھے، مگر چند ہی مہینوں بعد جب وہ سرکاری دورے پر تاملناڈو گئے ہوئے تھے، ان کو تامل دہشت گردوں نے انسانی بم کے ذریعہ قتل کردیا، کانگریس کی پارلیمانی پارٹی نے اپنا لیڈر نرسمہا راؤ کو منتخب کرکے ان کو وزیراعظم بنا دیا، اب ملک کی

باگ ڈوران کے ہاتھوں میں تھی، نرسمہاراؤ کس ذہن و مزاج کے آدمی تھے، ان کے حالات سے جو لوگ واقف تھے وہ جانتے تھے کہ کانگریس میں آنے سے پہلے وہ کیا تھے، ان کی سوچ سردار پٹیل کی سوچ تھی، مگر دونوں میں فرق یہ تھا کہ سردار پٹیل برملا اپنے جذبات وخیالات کا اظہار کردیتے تھے اوراس پر مضبوطی سے علی الاعلان عمل کرتے تھے، نرسمہاراؤ اس کے برعکس خاموش پسند اور آہستہ روی کے ساتھ اپنے منصوبے پر عمل کرتے تھے، اور کبھی اشتعال انگیز اندازنہیں اختیار کرتے تھے، اب انھیں نرسمہاراؤ کے ہاتھوں میں ہندوستان کی عنانِ اقتدار تھی اور اتر پردیش میں بی، جے، پی، کی حکومت تھی، جوصاف صاف بابری مسجد کا وجود مٹادینے کی تحریک چلارہی تھی، یہ آزادہندوستان کی تاریخ کا انتہائی نازک اور خطرناک موڑ تھا۔

جمعیۃ علماء ہند کا مطالبہ

حالات کا شکنجہ کستا جارہا تھا، خطرات ہر طرف منڈلارہے تھے، اندیشوں کی سیاہ گھٹائیں چھاتی چلی جارہی تھیں، رعد و برق کی چمک اور گرج صاف بتارہی تھی کہ جلد ہی اُولے پڑنے والے ہیں، یہ اُولے اتنے بڑے بڑے ہوں گے کہ آبادی کی آبادی کھنڈر ہوجائیں گی، ایسے خطرناک اور نازک موقع پر ایک موہوم سی اُمید یہ تھی کہ مرکز میں کانگریس کی سیکولر حکومت ہے، جو اپنی پوری تاریخ میں سیکولر ہونے کا دعویٰ کرتی آئی ہے، اور بڑی حدتک وہ اپنے دعویٰ پر قائم بھی رہی، اس لیے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ میں جب موجودہ حالات پر گہرائی سے غور کیا گیا تو فیصلہ کیا گیا، کہ مرکزی حکومت تک اپنے اندیشوں کو پہنچایا جائے اور بابری مسجد کی حفاظت کی ذمہ داری کا اس کو احساس کرایا جائے، جمعیۃ کے ایک وفد نے مرکزی حکومت کے ذمہ داروں سے کہا کہ حکومت ہند بابری مسجد کے تحفظ کی ذمہ دار ہے چاہے، اس سلسلے میں اس کو فوج ہی کیوں نہ استعمال کرنا پڑے، وفد نے مطالبہ کیا کہ سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہاں سے مقامی فورس کو خواہ وہ پولیس ہو یا پی، اے، سی، ہٹا کر بابری مسجد کی حفاظت کے لیے اس کی چاروں طرف فوج لگائی جائے، کیونکہ ہم کو اُتر پردیش کی حکومت پر کوئی بھروسہ

نہیں ہے، نہ اس کی پولیس اور نہ اس کی پی، اے، سی، قابلِ اعتماد ہے، اس لیے مرکزی حکومت اس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے کر مسلمانوں کو مطمئن کرے۔

صدر محترم کا پارلیمنٹ میں بیان

اس نازک موقع پر صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے اپنا فرض ادا کیا اور ۱۹/جولائی ۱۹۹۱ء کو پارلیمنٹ میں ملک کی موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے مطالبہ کیا کہ بابری مسجد کے مسئلہ کو اصولی طور پر حل کیا جائے، طاقت کے بل بوتے پر نہیں، آپ نے اپنی تقریر میں کہا!

”جمعیۃ علماء ہند ۱۹۴۹ء ہی سے اس مقدمہ میں مدعی ہے ۱۹۹۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی نے کہا تھا کہ قانون، انصاف اور عدالت کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کیا جائے، اُسے سڑکوں پر بالکل نہ لایا جائے، اور یہ حقیقت ہے کہ مدعی ہونے کے باوجود ہم نے کبھی بھی اس مسئلہ کو پبلک پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش نہیں کی، مگر افسوس! کہ کچھ ناعاقت اندیش لوگوں نے اپنے سیاسی اغراض اور ذلیل مقصد کی خاطر یہ جھگڑے کھڑے کر رکھے ہیں، ان کا مقصد سیاست میں چند کرسیاں حاصل کرنا ہے، ملک کا کچھ بھی حشر کیوں نہ ہو جائے، کچھ لوگوں نے ملک کے مفاد سے لاپرواہ ہو کر ملک میں آگ لگائی، سیکڑوں فسادات ہوئے، ہزاروں بے مقصد لوگوں کی جانیں گئیں۔

آپ نے اپنے سلسلۂ بیان میں کہا کہ مندر بنانے کا کوئی مخالف نہیں ہے، مندر بنایئے مگر اپنی زمین پر، کسی دوسرے کی زمین پر نہیں، کسی دوسرے کی زمین پر بنانا غلط ہوگا، اجودھیا میں رام جنم استھان موجود ہے، سب ہندو اُسے مانتے ہیں، تمام مذہبی رسوم وہاں ادا کی جاتی ہیں، یہ رام جنم استھان آج نہیں اس وقت بنا تھا، جب تُلسی داس موجود تھے، بابری مسجد جہاں ہے، وہاں اگر مندر رہتا اور بابر اس کو توڑتا تو تلسی داس اپنی

رامائن میں اس کا ذکر ضرور کرتے، یہ سب باتیں فرضی ہیں، اس طرح کی باتوں کا مقصد ملک کو تباہ و برباد کرنا ہے، جو بہت بُری بات ہے۔‘‘

میرٹھ میں پھر فساد

مئی میں الیکشن ہوا، چند مہینوں قبل مختلف یاتراؤں نے پورے ملک میں جو زہر بویا تھا، وہ اب تناور درخت ہو گیا تھا، لاکھوں دل و دماغ میں نفرت و عداوت کا زہر بھر چکا تھا، الیکشن کے موقع پر کھل کر اس کا ظہور ہوا، اور زور زبردستی اور طاقت کے بل پر الیکشن جیتنے کا تہیہ کیا جا چکا تھا، میرٹھ جیسے حساس شہر میں یہ لاوا اُبل پڑا اور عین الیکشن کے دن فرقہ پرستوں نے اقلیت کو آگ اور خون کے دریا میں غرق کر دیا اور دل کے حوصلے نکالے، ۲۰ ؍مئی کو محلّہ کرم علی میں ایک معمولی جھگڑا ہوا وہ دیکھتے دیکھتے پورے شہر میں پھیل گیا جو مسلمان مرد، عورت اور بچے راہ میں مل گئے ان کو قتل کر دیا گیا، جیسے یہ ایک منصوبہ بند فساد تھا، اتفاقیہ حادثہ نہیں، فساد کے پہلے دن ۲۰ ؍مئی کو مرنے والوں کی تعداد ۴۲ تھی، ۱۳۰ ؍دکانیں لوٹی اور جلائی گئیں اور ڈیڑھ لاکھ روپے کی املاک تباہ کر دی گئیں، اُلٹے مظلوم اور زخم خوردہ مسلمانوں میں سے ۶۲ ؍آدمیوں کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا، ایک غیر مسلم کو آگ میں جلانے کی افواہ پھیلائی گئی، جس کی وجہ سے ریلوے روڈ تھانہ کے کوتوال اور پولیس نے بڑی وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا، دو بے قصور مسلم نوجوانوں کو گولیوں سے بھون ڈالا اور ایک ہفتہ تک اس مسلم محلّہ کو گھیرے میں لے کر گھر گھر کی تلاشی لی اور اس دوران کتنوں کے ہاتھ پیر توڑ کر ان کی زندگی پولیس نے برباد کر دی، اس فساد میں مسلمانوں کا زبردست جانی و مالی نقصان ہوا، مرنے والوں کی تعداد غیر سرکاری اندازے کے مطابق ایک سو سے بھی متجاوز تھی اور پچاس لاکھ کی جائداد تباہ ہوئی۔

میرٹھ کا ذکر پارلیمنٹ میں

پارلیمنٹ کے ایوان تک مظلوموں اور دُکھ درد کے بارے میں مسلمانوں کی فریاد

پہنچانے کے لیے مولانا سیدا سعد مدنی کے سوا اور کون تھا، انھوں نے ۱۹؍جولائی ۱۹۹۱ء کو بابری مسجد کی تازہ ترین صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے، میرٹھ کا بھی ذکر کیا اور آپ نے فرمایا:

”ابھی اسی الیکشن میں آر، ایس، ایس، اور بی، جے، پی، کے لوگوں نے میرٹھ، لکھنؤ اور ملک کے دوسرے حصوں میں فسادات بھڑکائے، جھگڑے کرائے، جس کی شہادت موجود ہے، بڑے بڑے کمیشنوں نے اُسے اپنی رپورٹوں میں تسلیم کیا ہے، میرٹھ میں الیکشن کے دن نگار سینما پر مردوں اور عورتوں کو قتل کیا گیا، اور اس طرح تقریباً ۳۵؍مسلمان میرٹھ میں شہید کیے گئے، دوسو سے زائد کو پولیس نے گرفتار کرکے ہاتھ پیر توڑے اور انھیں مفلوج بنادیا ملک میں مسلمانوں کو اس طرح تباہ کیا جارہا ہے، حکومت کو سب کچھ دیکھنا چاہیے۔“

عبادت گاہوں کے تحفظ سے متعلق بل

اُتر پردیش میں زور، شور سے رام مندر کی تعمیر کے لیے سرگرمیاں جاری تھیں، سنت سمّیلن میں ۱۸؍نومبر ۱۹۹۱ء سے پہلے ان تمام قانونی اور انتظامی رکاوٹوں کو دور کرنے کا بی، جے، پی، حکومت کو الٹی میٹم دے دیا گیا تھا، اور کلیان سنگھ وزیر اعلیٰ اُتر پردیش نے ان رُکاوٹوں کو دُور کرنے کا وعدہ بھی کرلیا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بابری مسجد کے وجود کے بس اب تھوڑے ہی دن رہ گئے ہیں، مسلمان جلتے ہوئے توے پر قدم رکھے ہوئے تلملا رہا تھا، اس کی داد وفریاد کوئی سننے والا نہیں تھا، صرف عدالت پر بھروسہ تھا وہ علاج بہت دیر طلب نظر آ رہا تھا ”تا تریاق از عراق آوردہ شو مارگزیدہ مردہ شو“ کا معاملہ تھا۔ مرکزی حکومت ضرور کانگریس کے ہاتھ میں تھی، لیکن اب راجیو گاندھی کی جگہ شری نرسمہاراؤ وزیر اعظم تھے اس لیے مسلمان کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھے، پھر بھی نرسمہاراؤ نے پیش قدمی کی، انھوں نے پارلیمنٹ میں عبادت گاہوں کے تحفظ سے متعلق ایک بل پیش کرکے اُسے منظور کرالیا، وہ بل یہ تھا۔

عبادت گاہوں کے تحفظ سے متعلق بل

جو۲۳/اگست ۱۹۹۱ء کو پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا۔

نام: عبادت گاہوں سے متعلق خصوصی ضوابط بل ۱۹۹۱ء

مقصد: تمام عبادت گاہوں کی ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کی مذہبی حیثیت پر برقرار رکھنا باستثناء بابری مسجد، رام جنم بھومی متنازعہ عبادت گاہ۔

اغراض و مقاصد: عبادت گاہوں میں سے کسی عبادت گاہ کے متعلق ۱۱/جولائی ۱۹۹۱ء تک کے تمام مقدمات یا دیگر عدالتی کارروائی روک دی جائے گی اور ان عبادت گاہوں کے خلاف آئندہ کوئی مقدمہ یا عدالتی کارروائی نہیں کی جاسکے گی، عبادت گاہوں کی ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں تبدیلی ممنوع قرار دی جائے گی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی خاطر اور امن کے پیش نظر وہ تمام معاملے جو ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء اور ۱۱/جولائی ۱۹۹۱ء کے درمیان عدالتوں، ٹریبونلوں یا اور کسی اہل اختیار کے ذریعہ، یا فریقوں کے مابین اتفاق رائے کے ذریعہ، یا ایک فریق کے دوسرے فریق کے حق میں دست بردار ہونے کے ذریعہ مل چکے ہیں، انھیں بھی اس قانون سے مستثنیٰ رکھا جائے گا، مزید براں وہ عبادت گاہوں جو عام طور پر بابری مسجد رام جنم بھومی کے نام سے جانی جاتی ہے، چونکہ اس کے متعلق مقدمہ ایک مختلف نوعیت کا حامل ہے، اس لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ اُسے بھی اس قانون کے دائرے سے باہر رکھا جائے۔

نفاذ: اس قانون کا نفاذ ۱۱/جولائی ۱۹۹۱ء سے ہوگا چونکہ اسی تاریخ کو عزت مآب صدر جمہوریہ ہند نے پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے اس قسم کے قانون بنانے کا اعلان کیا تھا۔"

کیا یہ ایفاء وعدہ تھا؟

کانگریس اور راجیو گاندھی نے انتخابی منشور جو شائع کیا تھا اس میں بابری مسجد کی حفاظت اور اس کا بہترین حل نکالنے کا پختہ وعدہ کیا گیا تھا، لیکن راجیو گاندھی رہے نہیں، ان

کی جگہ شری نرسمہا راؤ آئے، اورانھوں نے یہ بل پیش کر کے انتخابی منشور میں کیے گئے وعدے کو ایک دم نظر انداز کر دیا، جبکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں نے کانگریس کے اس وعدے کی بنیاد پر الیکشن میں ووٹ دے کر اس کی چھینی ہوئی کرسی اس کو پھر واپس دلا دیا، اب اس کانگریس سے اپنے وعدہ کا ایفاء اس طرح کیا کہ بل بھی لائے تو بابری مسجد کو اس سے مستثنیٰ رکھ کر فرقہ پرستوں کو ہوشیار کر دیا کہ جلد سے جلد بابری مسجد کا نام ونشان مٹا دو کیونکہ وہ قانون کے دائرے سے باہر ہے، یہ بل لا کر فرقہ پرستوں کو ہری جھنڈی دکھائی گئی تھی اس کے سوا کچھ نہیں، مسلمانوں کے دھڑکتے ہوئے دل سے آواز آئی ''بابری مسجد! تیرا خدا ہی حافظ ہے''

حکومت اُتر پردیش کا نوٹیفکیشن

ادھر مرکزی حکومت عبادت گاہوں کے تحفظ کا بل منظور کرتی ہے اور اُتر پردیش میں حکومت بابری مسجد سے ملحقہ تمام آراضی کو سرکاری تحویل میں لینے کا نوٹیفکیشن جاری کرتی ہے، اوراس کے بعد بابری مسجد کی تمام موقوفہ آراضی کو سرکاری تحویل میں لینے کا اعلان بھی کر دیتی ہے، کہ اجودھیا میں رام مندر کی تعمیر کا کام ۲رنومبر ۱۹۹۱ء سے شروع کر دیا جائے گا، ۲رنومبر کی تاریخ اس لیے مقرر کی گئی کہ گذشتہ سال اسی دن بابری مسجد پر حملہ کرتے ہوئے کچھ کارسیوک اور شرپسند عناصر پولیس سے تصادم میں مارے گئے تھے، حیرت اس پر ہے کہ نوٹیفکیشن پر گورنر کے بھی دستخط ہو جاتے ہیں، جبکہ گورنر صدر جمہوریہ کا نمائندہ ہوتا ہے، ریاستی حکومتوں کے ماتحت نہیں ہوتا ہے، گورنر یا تو صدر جمہوریہ سے رجوع کرے یا مرکزی حکومت سے مشورہ کرے اس کے بغیر وہ کوئی اہم کام نہیں کر سکتا ہے، لیکن یہ حیرتناک بات ہے کہ کلیان سنگھ کے جاری کردہ اس نوٹیفکیشن پر گورنر نے بلا تردّد دستخط کر دیئے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مرکزی حکومت بھی اس نوٹیفکیشن کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرے گی، اس سے یہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بابری مسجد کی موقوفہ اراضی کو ایکوائر کرنے پر نرسمہا راؤ کو کوئی اعتراض نہیں ہے اور یہی قانونی رکاوٹ تھی رام مندر کی تعمیر میں، ریاستی حکومت کے اقدام اور

مرکزی حکومت کی خاموش تائید سے یہ رکاوٹ دور ہوگئی، اب اگر مسلمان اس کے خلاف کسی جدوجہد کا آغاز کرتا ہے،تو پولیس کی گولیاں اس کا جواب دیں گی اور اس کو کہیں پناہ نہیں ملے گی کیونکہ داد وفریاد کے سارے دروازے اب مسلمانوں کے لیے بند کیے جاچکے ہیں۔

جمعیۃ علماء کی عدالتی کارروائی

جب مرکزی حکومت کی طرف سے اس کارروائی پر کوئی ایکشن نہیں لیا گیا تو مجبور ہوکر جمعیۃ علماء ہند نے اُتر پردیش حکومت کے اس نوٹیفکیشن کے خلاف ایک رٹ پٹیشن الٰہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ میں داخل کی، جس کی رو سے حکومت اتر پردیش نے اجودھیا میں بابری مسجد کے اِردگرد کی موقوفہ اراضی کوا یکوائر کرکے رام مندر کی تعمیر کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کی تھی، اس سلسلے میں جمعیۃ علماء ہند نے سپریم کورٹ کے بہتریں وکلاء کی خدمات حاصل کیں، عدالت نے اس رِٹ پٹیشن کو بحث کے لیے منظور کرلیا۔

ایک آواز اُٹھی چاہے کمزور ہی سہی

جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے ۱۳،۱۴/ستمبر ۱۹۹۱ء کو کلیان سنگھ کے اس ناپاک منصوبے پر سخت تشویش کا اظہار کرتے ہوئے، مرکزی حکومت اور سیکولر سیاسی پارٹیوں سے اپیل کی کہ وہ اس ظالمانہ خیال اور ارادے کے سامنے سینہ سپر ہوجائیں اور بی جے پی کی اس سازش کو ناکام بنادیں۔ پھر ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۱ء کو ہونے والی مجلس عاملہ میں بھی اس نوٹیفکیشن کی زبردست مذمت کی گئی بلکہ اس کو ملک اور وطن کے لیے ایک زبردست خطرہ قرار دیتے ہوئے اس نوٹیفکیشن کو ملک دشمن قرار دیا اور مرکزی حکومت سے مطالبہ کیا کہ اپنے اختیارات خصوصی سے اس نوٹیفکیشن کو رد کرے مگر بات وہی تھی۔

ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

حکومت کی خفیہ ساز باز

اتر پردیش حکومت اجودھیا میں مقیم اور ڈیرہ ڈالے ہوئے رام مندر تحریک چلانے والوں کی طرح جذبات کے بجائے ہوشمندی اور تدبیر اور آہستہ روی سے کام لینے کی قائل تھی، ان پرجوش تحریک کاروں سے حکومت کا خفیہ رابطہ تھا، اس لیے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے کوئی ہنگامہ خیز حرکت کردیتی تھی اور خود ہی اس کی پردہ پوشی بھی کرتی رہتی تھی، گذشتہ ۳۰/اکتوبر اور ۲/نومبر ۱۹۹۰ء کو کارسیوکوں نے پولیس کا گھیرا توڑ کر مسجد میں توڑ پھوکی، تو وہ ملائم سنگھ یادو کا دورِ حکومت تھا، پولیس کو گولی چلانی پڑی تھی اب کی بابری مسجد تو خود بی، جے، پی، کی حکومت ہے، یہ کارسیوک اسی کے آدمی ہیں اس لیے ایک دن پچاس ساٹھ آدمی جو اپنے کو کارسیوک کہتے تھے، پولیس کا گھیرا توڑ کر مسجد میں گھس گئے اور اس کے گنبدوں پر چڑھ کر بھگوا جھنڈا بھی لہرا دیا، کلیان سنگھ کی حفاظتی پولیس کھڑی جھنڈا لہرانے کا منظر دیکھتی رہی، کچھ کارسیوکوں نے پولیس کے سامنے ہی احاطہ کی دیواروں کو بھی بڑی حد تک ڈھا دیا، جب کہ کلیان سنگھ نے مرکزی حکومت کو یقین دلایا تھا کہ بابری مسجد کی حفاظت کا مکمل بندوبست کردیا گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ جب نرسمہا راؤ نے فون پر کلیان سنگھ کو اس توڑ پھوڑ پر تنبیہ کی تو کلیان سنگھ نے کہہ دیا کہ کچھ پرجوش کارسیوکوں نے ایسی حرکت کردی تھی جن کو گرفتار کرلیا گیا ہے، حالانکہ ان چند دنوں میں بابری مسجد کو اچھا خاصا نقصان پہنچایا جا چکا تھا، جس کا پورا علم حکومت اتر پردیش کو حاصل تھا بلکہ حکومت کی شہ پر یہ سب کچھ ہو رہا تھا، بابری مسجد ایک دم خطرے کے گھیر میں آچکی تھی، یہی وجہ تھی کہ اُتر پردیش حکومت ایسے لوگوں کو اجودھیا جانے سے روک دیتی تھی، جو صحیح صورت حال بیان کرکے قبل از وقت راز فاش کردینے والے تھے اور اگر ایسے لوگ اجودھیا جانے والے ہوتے جن کو وزیر اعلیٰ نہیں روک سکتے تھے، تو اس کے لیے وہ دوسری تدبیر اختیار کرتے تھے، اور وہ اجودھیا کی صحیح صورت حال جاننے سے قاصر رہ جاتے تھے۔

جائزہ ٹیم پر حملہ

اب کارسیوکوں کا حملہ بڑا خطرناک ہو چکا تھا، جن لوگوں کی وہاں کے حالات پر نظر تھی، ان کو یقین تھا کہ یہ سب کچھ حکومت کی سازش سے ہو رہا ہے، اس لیے نومبر ۱۹۹۱ء کے پہلے ہفتہ میں تمام سیکولر پارٹیوں کانگریس، راشٹریہ مورچہ، اور کمیونسٹ پارٹیوں کے لیڈروں پر مشتمل ایک ٹیم تشکیل دی گئی تھی، جس کا پروگرام اجودھیا پہنچ کر حالات کا صحیح جائزہ لینا تھا ۳۱/اکتوبر ۱۹۹۱ء کو یہ ٹیم اجودھیا پہنچی مگر وہاں پہلے سے موجود بجرنگ دل کے والنٹیئر وں نے اس ٹیم پر حملہ کر دیا، اینٹوں اور پتھروں کی بارش شروع کر دی، مجبوراً ٹیم کو اُلٹے پاؤں واپس آنا پڑا، حالانکہ ریاستی حکومت نے اس ٹیم کے تحفظ کا پختہ وعدہ کیا تھا، جب ٹیم ناکام واپس ہوئی تو کلیان سنگھ نے اُلٹے اسی ٹیم پر الزام عائد کر دیا کہ ٹیم نے ہوائی فائرنگ کر کے کارسیوکوں کو مشتعل کر دیا، اس کے بعد ہی کارسیوکوں نے ان پر حملہ کیا سوال یہ ہے کہ یہ جائزہ ٹیم مسلح ہو کر حملہ کرنے جا رہی تھی کہ اس نے جاتے ہی بلا وجہ فائرنگ شروع کر دی، وہ تو عوام سے ملنے جا رہی تھی، جب کہ لوگ مشتعل ہوں گے تو ان سے سنجیدہ باتیں کیسے ہوں گی، اس غلط بیانی اور الزام تراشی کا مقصد صرف یہ تھا کہ کلیان سنگھ نہیں چاہتے تھے کہ یہ جائزہ ٹیم وہاں کے اندرونی حالات سے واقف ہو، اس لیے انھوں نے یہ تدبیر اختیار کی،

انھیں واقعات وحالات سے یہ یقین ہوتا جا رہا تھا کہ بابری مسجد کو شہید کرنے کی ساری تیاریاں اندر اندر ہو رہی ہیں، وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی دوسرے کے کان میں اس کی بھنک بھی پڑے، بہر حال حالات اب ایسے ہو چکے تھے کہ اب مسلم قیادت کو یقین ہوتا جا رہا تھا کہ ہم بازی ہار گئے کیونکہ جدوجہد کی ساری راہیں حکومت اتر پردیش بند کر چکی تھی۔

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھر کے مر جاؤں، یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

ظلم وجبر کا شکنجہ کستا جا رہا تھا، حد یہ تھی کہ نہ کہیں فریاد کی جا سکتی تھی، نہ کسی کو انصاف و انسانیت کا واسطہ دے کر بات کی جا سکتی تھی، وقت کچھ ایسا ہی بے درد ہو چکا تھا۔

فسادات

بابری مسجد کے اس مسئلہ کی وجہ سے پورے ملک کی فضا کچھ اس طرح کی بن چکی تھی کہ کہیں بھی فساد ہو جائے تو کوئی تعجب یا حیرت نہیں ہوتی تھی، کیونکہ ہر جگہ ایک ہی ذہن کام کر رہا تھا، ہندو مسلم منافرت ایک عام بات تھی، ۱۹۹۲ء کے آغاز میں مختلف مقامات پر چھوٹے بڑے فسادات ہوئے۔

جمعیۃ علماء ہند کو ان تمام مقامات پر مظلومین کی امداد و بحالی میں مصروف ہونا پڑا، بیلگام (کرناٹک)، کشن پور برال ضلع میرٹھ، ہاپوڑ ضلع غازی آباد، جلال پور ضلع فیض آباد اور بنارس میں فسادات ہو چکے تھے، ۴۵ برسوں سے جمعیۃ علماء ہند ریڈ کراس یا ہلال احمر کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہے، وہ انسانی واخلاقی فرائض ادا کرتی چلی آ رہی ہے، اس کے وفود ہر جگہ پہنچتے ہیں، تسلی وتشفی دیتے ہیں اور ہر وہ امکانی مدد کرتے ہیں جو ان کے اختیار میں ہوتی ہے، ہر جگہ قانونی مدد پہنچانے کی کوشش کی گئی جہاں مالی مدد کی ضرورت ہوئی، تو حالات کے مطابق ریلیف کمیٹیاں قائم کر کے جس طرح کی مدد کی ضرورت ہوئی پوری کرنے کی کوشش ہوئی، اکثر مقامات پر صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی خود تشریف لے گئے کچھ مقامات پر مرکزی دفتر سے وفود بھیجے گئے، فساد زدہ علاقوں کے دورے ہوئے ضرورتوں کا جائزہ لیا اور امداد پہنچائی۔

پارلیمنٹ میں خطاب

۴/ مارچ ۱۹۹۲ء کو صدر جمہوریہ ہند نے پارلیمنٹ میں اپنا روایتی خطبہ پڑھا اس موقع پر مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا، اور ہمیشہ کی طرح مسلمانوں کی حالت زار کی جانب حکومت اور ارکان پارلیمنٹ کو توجہ دلائی، آپ نے اپنے سلسلہ تقریر میں فرمایا!

''ہمارے ملک کا دستور سیکولر ہے اس میں سیاسی اغراض کے لیے یاترائیں نکال کر اور دوسرے طریقے سے آپس میں بھید بھاؤ اور نفرت

بڑھائی جارہی ہے، سیاسی اغراض کے لیے، جس سے ملک کی سالمیت کو خطرہ ہے کھلے میدان میں سیکولرزم کا مذاق اُڑایا جارہا ہے، مغلوں کوحملہ آور ثابت کیا جارہا ہے، آریوں کو دراوڑوں کی طرح اصلی باشندہ بتایا جارہا ہے، مسلمانوں اور اقلیتوں کوطرح طرح سے نفرت اور بدنامی کی بارش کا شکار بنایا جارہاہے، ان چیزوں کوکنٹرول کرنے کی ضرورت ہے، ہسٹری آف کانگریس کے لوگوں نے بابری مسجد اور دوسرے معاملات میں جوحقائق واضح کیے ہیں میں ان کے لیے ان کاشکر گذار ہوں، انھوں نے ان حقائق کا اظہار کر کے ملک کےاوپر بڑا احسان کیا ہے، یہ گورنمنٹ کا فرض ہے کہ ریڈیو، ٹی وی اور پریس کے ذریعہ سے بھی اس قسم کی آگ لگانے والی کمیونل صورتحال کوصحیح کیا جائے ، اور لوگوں کے دماغوں کو درست رکھنے کی کوشش کی جائے تاکہ اس ملک میں مختلف قسم کے جھوٹے پروپیگنڈے کرکے لوگوں کے ذہنوں کوخراب نہ کیا جاسکے اور انسانیت و شرافت، باہمی اعتماد اور آپسی تعلقات درست رہیں ملک ترقی کرے، اور ملک کی ترقی میں بادھا پڑ کر کوئی خرابی نہ پیدا ہو، لا اینڈ آرڈر کی حالت بھی اچھی نہیں ہے، فسادات ہوتے ہیں، کئی صوبوں میں ابھی حال ہی میں ہوئے ہیں، اُترپردیش اور دوسری ریاستوں میں کئی جگہ فسادات ہوئے ہیں، جن میں لوگ قتل کیے جاتے ہیں، آگ لگائی جاتی ہے، ابھی ممبئی میں الیکشن ہوا جس کے بعدکئی فسادات ہوئے کُرلا میں تیسوں چھوٹے بڑے کارخانے جلائے گئے اور پچاسوں کروڑ کا نقصان ہوا، اسی طرح عمر کھاڑی میں ہوا، وہاں پہلوی بیکری پر شیوسینا کے لوگوں نے پتھراؤ کیا اور ہنگامہ کی کوشش کی، اس طرح سے لوٹ مار ہوتی ہے ڈاکے ڈالے جاتے ہیں۔

پولیس اور پروفیشنل فورسیز کمیونل مائنڈیڈ ہیں، ان کے افسران ان پر کنٹرول نہیں کرتے، جس کے نتیجہ میں قتل ہوتے ہیں، دن دھاڑے لوٹ ہوتی ہے، جان، مال، عزّت، آبرو کی حفاظت کی گارنٹی بالکل ختم

ہوتی جارہی ہے ،شہروں اور دیہاتوں میں کہیں امن نہیں ہے،مزید ستم یہ کہ جن لوگوں کو فساد میں لوٹا جاتا ہے، مارا جاتا ہے، انھیں کو بڑی تعداد میں گرفتار کر کے جیلوں میں بھیجا جاتا ہے، ہاتھ پاؤں توڑ کر ان کی زندگیاں بیکار کردی جاتی ہیں، یہاں تک کہ اگر وہ پانی بھی مانگتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اس کے منہ میں پیشاب کردو، اس طرح کی باتیں ان مظلوموں کے ساتھ کی جاتی ہیں اور جو حملہ آور ہیں، مارنے والے قاتل ہیں، ہندو مسلم کسی فرقہ کا سوال نہیں ان کے خلاف کسی قسم کی نامزد ایف، آئی ،آر، پولیس کے لوگ نہیں لکھتے ،اور اگر کوئی لے کر جائے تو اس کو مار کر جیل میں ڈال دیتے ہیں، اس طرح ان افسران کو جو فسادات میں ٹھیک کام کریں، فساد کو روکیں تو ان کو دھمکی دی جاتی ہے، ان کو ذلیل کیا جاتا ہے، فوراً ان کا تبادلہ کردیا جاتا ہے، کبھی کبھی تو ان کو بڑے سخت حالات سے گذرنا پڑتا ہے، اس کے برخلاف جو افسران فسادات کراتے ہیں، لٹواتے ہیں، قتل کراتے ہیں، مجرموں اور قاتلوں کو بچاتے ہیں ان کا سی، آئی، ڈی، پتہ نہیں لگاتی ،وہ دن دھاڑے گھومتے ہیں ان کے خلاف کسی قسم کا ایکشن نہیں لیا جاتا، گویا کہ فسادات میں قانون، انصاف، عزت وآبرو کی کوئی ذمہ داروں پولیس افسروں اور سی، آئی، ڈی، کی نہیں ہے جس طرح وہ چاہیں کریں۔

ابھی بنارس میں فساد ہوا، کرفیو کے دوران گھروں میں گھس کر ایسے لوگوں کو جو بالکل فسادی قسم کے لوگ نہیں بلکہ کاروباری لوگ ہیں، ہاتھ پیر توڑ ڈالے گئے، مارا گیا، یہاں تک ساٹھ ساٹھ اسّی اسّی برس کے بوڑھوں کے ہاتھ پیر توڑے گئے، اسی طرح کشن پور برال میں ایک لڑکے کے اغوا کو لے کر ہوا جو لوگ اغوا کرنے والے تھے، وہ گرفتار ہوگئے، اس کی لاش ملی اس کے بعد ایک ہجوم اکٹھا ہوا کہ پولیس کا گھراؤ کریں گے اس لیے کہ وہ ٹھیک کام نہیں کر رہی ہے، یہاں تک تو کوئی

حرج نہیں تھا، ہجوم میں سے کسی آدمی نے خواہ مخواہ کہا کہ اس مدرسہ میں اس بچے کو رکھا گیا تھا، پھر کیا تھا مسجد اور مدرسہ کو لوٹ کر جلا دیا گیا، ایک آدمی جو شاید نماز کے لیے وہاں تھا اس کو قتل کر ڈالا ابھی تک اس قتل کے سلسلے میں کوئی گرفتاری تک نہیں ہوئی، کسی قسم کا کوئی ایکشن نہیں ہوا۔

جلال پور ضلع فیض آباد میں صرف ایک دیوار کا معمولی جھگڑا تھا، جس کو کچھ لوگوں کو بیٹھ کر طے کر دینا چاہیے تھا، لیکن اسکولوں اور کالجوں کے لڑکے آئے اس میں دخل دے دیا، دکانوں اور مکانوں کو لوٹ کر جلانا شروع کر دیا، ایک گھر سے ایک نوجوان کو پولیس پکڑ کر لے گئی، اور ڈنڈوں سے مار مار کر اس کو ختم کر دیا اس کی ایف، آئی، آر، فیض آباد میں اس کے والدین نے درج کرائی ہے۔

اسی طرح جگہ جگہ فسادات ہو رہے ہیں، دو سال پہلے ۱۹۸۹ء میں جے پور میں فساد ہوا تھا، جس میں ۱۱۹ر مسلمان، ۹۶ر سکھ گرفتار ہوئے تھے، وہاں کی حکومت نے ان پر ٹاڈا لگا دیا، حالانکہ وزیر داخلہ نے جو بیان دیا تھا، اس میں صاف تھا کہ ٹاڈا صرف دہشت گردوں پر استعمال ہوگا، راجستھان کی حکومت نے اُسی فسادات میں گرفتار ہونے والے مسلمانوں اور سکھوں پر لگا دیا، خود راجستھان کے وزیر داخلہ دِگ وجے سنگھ نے اسمبلی میں اعتراض کیا تھا کہ گرفتار ہونے والوں میں ۱۷۸ر آدمی ایسے ہیں، جن کے پاس آتشیں اسلحہ یا کوئی آتش گیر مادہ نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود آج تک ان کی رہائی نہیں ہوئی اور اجمیر کی جیل میں ان پر مظالم ہو رہے ہیں۔

اسی طرح مراد آباد کے جو لوگ گرفتار ہوئے تھے، وہی لوٹے اور جلائے گئے، انھیں پر مقدمات چلائے گئے، تاریخوں پر حاضری ہو رہی ہے، سب کو معلوم ہے کہ یہی لٹے تھے جیسے جے پور کے لوگوں میں، ان میں سے بہت سے چودہ چودہ سال کے نابالغ لڑکے اور اسّی اسّی سال

کے بوڑھے ہیں، وہ ٹاڈا میں گرفتار ہیں اور مقدمات میں پھنسے ہوئے
ہیں، عدالتوں میں دوڑایا جارہا ہے، کیس ختم ہی نہیں ہوئے۔

ایک دیرینہ خواب کی تعبیر

جمعیۃ علماء ہند جب سیاسی جماعت سیاسی جماعت کہی جاتی تھی، اور عملاً اس آزادی کی راہ میں اس کے اکابر نے بے مثال قربانیاں دیں، اس سلسلے میں برسہا برس برطانوی جیلوں میں چکیاں پیسیں یہاں تک کہ ملک آزاد ہوگیا، اُن تیز تر سیاسی سرگرمیوں کے باوجود اکابر جمعیۃ علماء ہند نے اپنی حیثیت عرفی کو ہمیشہ مدنظر رکھا، وہ اپنی ہر جدوجہد کو دین کے سانچے میں ڈھال کر انجام دیتے تھے، آزادی کی جدوجہد میں جہاں برطانوی تسلسل سے آزادی حاصل کرکے برادرانِ وطن میں نگاہ نیچی کرکے شامل ہونے کے قائل نہیں تھی، بلکہ ان سے بڑھ چڑھ کر جانی و مالی قربانیاں دیں، اس کے ساتھ ان کے دلوں میں یہ جذبہ بھی تھا کہ آزاد ہندوستان میں ہم اپنا نظام شرعی بھی اپنی مرضی کے مطابق قائم کرسکیں گے، کیونکہ ہم اس وقت آزاد ہوں گے، انگریز اور انگریزی حکومت کو وہ ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے، لیکن اس کے باوجود برطانوی حکومت میں بھی وہ برابر کوشش کرتے رہے کہ کسی بھی حد تک مسلمانوں کا شرعی نظام قائم ہوجائے، قاضی بل، شریعت بل کے لیے جدوجہد اسی جذبے کی غماز تھی، لیکن اس راہ میں ان کو کامیابی نہ مل سکی، ان کا خیال تھا کہ ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد ہماری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں رہے گی، ہم اپنے عائلی قوانین کا نفاذ شرعی طریقہ پر کرسکیں گے اور اس کو باقاعدہ قانونی حیثیت حاصل ہوگی، نکاح، طلاق، وراثت، ہبہ وغیرہ کے مقدمات شرعی اصولوں پر فیصل کرسکیں گے، پورے ملک میں قضاۃ کا نظام جاری کریں گے، لیکن! ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ'' ہندوستان کی آزادی ایسے ماحول میں ملی کہ خود مسلمانوں کی جان کے لالے پڑ گئے۔ مسلمانوں کو اپنا وجود بچانا مشکل ہی کیا، نہ اس کی جان محفوظ تھی نہ جائداد، نہ عزت، نہ آبرو کی کوئی گارنٹی، ہمارا قومی وجود خود خطرے میں پڑ گیا، ہم غلامی سے بدتر زندگی گذارنے پر

مجبور کردیئے گئے اس راہ میں غیروں سے زیادہ اپنے ہی نادان دوستوں کی غلطیوں کا دخل تھا، مگر ان شکایتوں سے اب کوئی حاصل نہیں۔

شعر سفینہ اپنا کنارے جب آ لگا غالبؔ
خدا سے کیا ستم وجور ناخدا کہتے

حکومتی سطح پر نظام قضاء با نظام شریعت قائم کرنا ناممکن ہو گیا، حالات کا شکنجہ کسا جاچکا تھا کہ ہم اپنے دل کے تقاضوں کے مطابق حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے، ان حالات میں جمعیۃ علماء ہند نے خالص اسلامی سوسائٹی میں اخلاقی اصولوں پر ایک نظام قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ خاکہ مرتب کیا کہ ہم اپنے عائلی قوائین کا نفاذ مسلم سوسائٹی میں اخلاقی بنیاد پر کریں، اگر چہ اس کو کوئی قانونی حیثیت حاصل نہیں ہوگی مگر اخلاقی بنیاد پر اس کا نفاذ ہوجائے تو یہ فیصلہ منشا شریعت کے مطابق ہوگا، یہی سوچ کر امارت شرعیت کے نام سے ایک شعبہ قائم کرنے کا جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا اور اس نظام میں با قاعدگی لانے کے لیے ایک امیر الہند کا انتخاب ضروری تھا۔

امیر الہند کا انتخاب

۲ر نومبر ۱۹۸۶ء کو مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی میں ایک نمائندہ اجتماع بلایا گیا اور چودہ صوبوں کے اربابِ علم و دانش علماء کرام، مفتیانِ عظام، فقہاء و محدثین، دینی مدارس کے اساتذہ مشائخ طریقت اور دوسرے اہلِ مسلم اور دانشوروں کے ایک عظیم نمائندہ اجتماع میں امیر الہند کے انتخاب کی تجویز پیش کی گئی، اس سے پہلے اس کی ضرورت و اہمیت پر علماء نے تقریریں کیں اور مسئلہ کو واضح کیا گیا، اور حاضرین سے استدعا کی گئی کہ وہ اس اہم ترین منصب کے لیے کسی عظیم دینی شخصیت کا انتخاب فرمائیں، تا کہ اس کے ہاتھ پر سمع وطاعت کی بیعت کی جائے، اس سلسلے میں صرف ایک نام آیا اور وہ نام ہندوستان کے مشہور محقق، عالم دین، عظیم محدث وفقیہ محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نوراللہ مرقدہ کا تھا، یہ نام ایسا تھا اور شخصیت وہ تھی کہ جس سے اجتماع کا ہر فرد واقف ہی نہیں اس کے دل میں ان کی

عظمت بیٹھی ہوئی تھی اور اہل علم کے دلوں میں ادب و احترام کا جذبہ موجزن تھا، پورے اجتماع نے پورے جوش وخروش کی فضا میں اس نام کی تائید کی اور اس انتخاب پر دلی مسرت کا اظہار کیا جب کہ منتخب کی جانے والی وہ عظیم ترین شخصیت اجتماع میں موجود نہیں تھی اس انتخاب کی تکمیل اس وقت ہوسکتی تھی جب نائب امیر الہند کا انتخاب بھی ساتھ ساتھ ہو جائے،اس منصب کے لیے جو نام پیش کیا گیا وہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کا تھا اس میں بھی اختلاف رائے کی گنجائش نہیں تھی، کیونکہ وہ پورے ہندوستان کی جانی پہچانی شخصیت تھی اس نام کی بھرپور تائید کی گئی۔

انتخاب کے بعد

انتخاب کے بعد عملی سرگرمیوں کا آغاز ہوا، سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ پورے ملک میں اس نظام کی اہمیت وضرورت سے اہل علم کو روشناس کرایا جائے اور ایک مکمل نظام کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ ہر ریاست میں امیر شریعت کا انتخاب کر کے ان کو ان کی ذمہ داریاں اور ہدایات دے دی جائیں،اس سلسلے میں مولانا سید اسعد مدنی نائب امیر الہند نے پورے ملک کا دورہ کیا۔

اس پروگرام کا آغاز ریاست بہار سے ہوا، اور پٹنہ میں اجتماع کر کے سمع و طاعت کا اقرار کیا گیا، ۱۲ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو بمبئی میں تقریباً ۳۵ر ہزار لوگوں نے امیر الہند کے ہاتھ پر بیعت و طاعت کی، اور مہاراشٹر ریاست کے لیے امیر الہند نے مولانا عبدالستار صاحب اعظمی شیخ الحدیث کو امیر شریعت اور مولانا اسرار احمد صاحب کو نائب امیر شریعت مقرر کیا،۳ر جون ۱۹۸۷ کو کلکتہ میں ایک بڑا اجتماع ہوا جہاں سمع و طاعت کا عہد لیا گیا اور مغربی بنگال ریاست کے لیے مولانا محمد طاہر صاحب کو امیر شریعت نامزد کیا گیا، یہ سلسلہ چلتا رہا، ہر ریاست میں امیر شریعت منتخب کر کے ان کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا جاتا رہا، اڑیسہ کے لیے مولانا معین الدین صاحب گونڈوی کو امیر شریعت اور مولانا عبدالعلیم فاروقی لکھنوی کو نائب امیر شریعت، احمد آباد کے اجتماع میں ریاست گجرات کے لیے مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب کو امیر

شریعت، بھوپال کے اجتماع میں مدھیہ پردیش کے لیے مفتی عبدالرزاق صاحب کو امیر شریعت، نوح گوڑ گاؤں کے اجتماع میں مولانا نیاز محمد صاحب کو امیر شریعت، ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش کے لیے مولانا محمد صدیق صاحب کو امیر شریعت اور تامل ناڈو کے لیے مفتی عبدالوہاب صاحب دیلوری کو امیر شریعت، میرا باڑی آسام کے اجتماع میں مولانا احمد علی صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم بانسکنڈی کو آسام کا امیر شریعت بنایا اور نائب امیر شریعت کے عہدے کے لیے مفتی خیرالاسلام کو نامزد کیا گیا۔

محکمہ شرعیہ کا قیام

انگریزی دورِ حکومت سے ہمارے ملک میں کہیں کہیں شرعی پنچایتیں قائم تھیں جو نکاح وطلاق وغیرہ کے مقدمات کو دیکھتی تھیں اور فیصلے کرتی تھیں، امارت شرعیہ کے موجودہ نظام قائم ہونے کے بعد امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے دفتر کو حکم دیا کہ ایک سرکلر جاری کر دیا جائے کہ اب شرعی پنچایتوں کو اور محکمہ شرعیہ سے موسوم کیا جائے گا، اور یہ بھی فرمایا، کہ اس کا ضابطہ عمل مرتب کر کے طبع کرالیا جائے، اور ہر علاقہ کے محکمہ شرعیہ کو بھیج دیا جائے، تاکہ مقدمات کے فیصلہ میں شرعی اصول وضوابط کا پورا پورا لحاظ وخیال رکھا جا سکے، مولانا شاہ عون احمد صاحب پھلواری شریف محکمہ شرعیہ کے صدر تھے، اس کے عملی تربیت کے لیے بہت سے مقامات پر محکمہ شرعیہ میں کام کرنے والوں کے واسطے تربیتی کیمپ قائم کیے، جہاں ان کو محکمہ قضا کے لیے طریقہ کار بتایا گیا، اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ ملک کے قابل اعتبار اور مستند صاحب علم وصاحب فنون علماء اور مفتی حضرات کو ان تربیتی کیمپوں میں بلا کر ان سے لیکچر دلوائے جاتے اور طریقہ کار کے ایک ایک جزو کی وضاحت کرائی جاتی تھی، یہ کیمپ کم از کم ایک ہفتہ چلتا تھا تربیت مکمل ہونے کے بعد ان کو سند دی جاتی تھی۔

امیر الہند کا سانحہ وفات

امارت شرعیہ کے پہلے امیر الہند محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ

تقریباً چھ سال اس کے بعد حیات رہے اور اس بارِ گراں کو اٹھایا، ان کی زندگی میں یہ نظام ہندوستان گیر ہوا اور ملک کے مختلف خطوں میں اس نہج پر کام ہونے لگا، اور نظام مستحکم ہوگیا تھا، کہ حضرت امیر الہند کا سانحہ وفات پیش آ گیا، آپ اپنے وطن مالوف مئو ضلع اعظم گڈھ میں ۱۶؍ مارچ ۱۹۹۲ء کو واصل بحق ہو گئے۔

یہ حادثہ عظیم تھا، صف ماتم بچھ گئی مگر اصولی طور پر اس خالی منصب کو پُر کرنا ضروری تھا اس لیے ۹؍ مئی ۱۹۹۲ء کو مدنی ہال، ۱- بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی میں ایک نمائندہ اجتماع بلایا گیا، اس اجتماع نے سب سے پہلے امیر الہند کے سانحہ وفات پر اظہارِ غم کرتے ہوئے تجویز تعزیت منظور کی تجویز تعزیت کے الفاظ یہ تھے۔

تجویز تعزیت

''مسلمانان ہند کا یہ نمائندہ اجتماع رئیس المحدثین سید الفقہاء تاج العلماء امیر الہند حضرت مولانا ابوالماثر حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور اس حادثہ فاجعہ کو ایک عظیم علمی و دینی خسارہ تصور کرتا ہے۔

حضرت محدث اعظمی علوم دینیہ تفسیر حدیث فقہ وغیرہ ہی نہیں بلکہ ادب، بلاغت، سیر و تاریخ اور علوم عقلیہ میں بھی نابغہ روزگار تھے، ذہانت و ذکاوت، اخاذ طبیعت، نکتہ شناسی، دقیقہ رسی، کثرتِ مطالعہ اور غیر معمولی قوتِ حافظہ کی بنا پر ان کا وجود ایک مجسم علم تھا، کتابیں ان کی رفیق و جلیس اور زندگی کی ساتھی تھیں، اور کتب بینی ہی، ان کا شب و روز کا مشغلہ تھا علم کا ایسا شیدائی اس زمانہ میں تلاش کرنے سے بھی نہیں ملے گا۔

علم حدیث و رجال میں مولانا مرحوم ہندوستانی ہی نہیں پورے بلاد اسلامیہ میں امتیازی مقام کے مالک تھے، ممالک عرب کے بڑے بڑے علماء حضرات مولانا مرحوم سے انتساب میں فخر محسوس کرتے تھے، جامعہ ازہر مصر کے شیخ عبدالحلیم محمود شیخ عبدالعزیز ابن باز شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، علامہ ناصر الدین البانی، شیخ بہجۃ البیطار وغیرہ معمار عرب نے آپ سے حدیث میں اجازت حاصل کی تھی۔

علم حدیث کی نادر کتابیں مثلاً کتاب الزہد والرقائق، مسند حمیدی مصنف

عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ جو مخطوطات کی شکل میں ہونے کی وجہ سے علماء و محققین کی دسترس سے باہر تھیں، ان کو ایڈٹ کر کے مختلف داروں سے شائع کرایا۔ حضرت محدث اعظمیؒ کا یہ ایسا تجدیدی کارنامہ ہے، جس نے علمی دنیا میں ہندوستان بالخصوص جماعت دیوبند کا سر بلند کر دیا ہے۔

اس دور قحط الرجال میں جبکہ جانے والا اپنا کوئی بدل اور جانشین نہیں چھوڑتا، حضرت امیر الہند کی وفات ایسا عظیم حادثہ ہے، جس پر اظہار تاسف کے لیے الفاظ نہیں ملتے، بلا شبہ یہ حادثہ صرف مولانا مرحوم کے اعزہ، جمعیۃ علماء ہند اور امارتِ شرعیہ ہند ہی کا نہیں بلکہ پوری علمی دنیا کا ہے۔

مسلمانانِ ہند کا یہ نمائندہ اجتماعِ دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محدث جلیل کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس عطا فرمائے اور ان کے صاحبزادگان و دیگر اعزہ واقارب کو صبر جلیل ارزانی فرمائے۔''

امیر الہند ثانی کا انتخاب

۹/۸رمئی ۱۹۹۲ء کو مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا۔ ۸رمئی کو امیر الہند کے انتخاب کے لیے سات اہل علم اور اہل امرائے اور مقتدر علمی شخصیتوں کی ایک سب کمیٹی بنائی گئی کہ یہ حضرات کامل غور خوض کے بعد نام منتخب کریں گے، وہ کام نمائندہ اجتماع میں پیش ہو کر منظور کر لیا جائے گا، مندرجہ ذیل حضرات اس کمیٹی میں شامل تھے۔

(۱) مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

(۲) مولانا احمد علی صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم بانسکنڈی آسام۔

(۳) نیاز محمد صاحب امیر شریعت ہریانہ۔

(۴) مولانا منظور احمد صاحب قاضی شہر کانپور۔

(۵) مفتی عبدالرزاق صاحب بھوپال۔

(۶) مولانا مفتی احمد بیات صدر محکمہ شرعیہ گجرات۔

(۷) مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری پھلواری شریف صدر کل ہند محکمہ شرعیہ۔

مذکورہ بالا حضرات نے کامل غور وفکر کے بعد حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر

صدر جمعیۃ علماء ہند و نائب امیر الہند کا نام نامی اپنے طور پر منتخب کیا، اور ۹؍مئی ۱۹۹۲ء کے نمائندہ اجتماع میں پیش کیا، اجتماع نے پورے انبساط کے ساتھ اس نام کی بھرپور تائید کی، اور اس عظیم منصب پر مولانا موصوف کا انتخاب کرلیا گیا۔

پارلیمنٹ میں مولانا مدنی کا خطاب

امیر الہند کے انتخاب کے بعد پانچویں دن پارلیمنٹ کے اجلاس میں صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی شریک ہوئے کیونکہ اس دن اقلیتی کمیشن بل پر بحث ہونے والی تھی، اس بل کی اہمیت کی وجہ سے اجلاس میں شرکت ضروری تھی، اس لیے ۱۴؍مئی ۱۹۹۲ء کو بحث میں حصہ لیتے ہوئے خطاب فرمایا، حکومت نے ایک اقلیتی کمیشن بنایا تھا، مگر اس کو کوئی قانونی اختیار حاصل نہیں تھا، وہ صرف سفارش کرسکتا تھا، کسی قطعی رائے اور فیصلہ کا اس کو اختیار حاصل نہیں تھا، اب حکومت نے ایک ایسا بل پیش کرنے کا ارادہ کیا، جس کو باقاعدہ قانونی حیثیت حاصل ہو، یہ بل فرقہ پرستوں کو سخت ناپسند تھا، کیونکہ وہ تو اقلیتوں کو غلام دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان کے اوپر مظالم توڑے جائیں، اور وہ آہ بھی نہ کرسکیں، ان کو برملا ظالمانہ طور پر قتل کردیا جائے، مگر قاتل کو پھانسی نہ دی جائے، مسلمانوں کے گھروں میں آگ لگا دی جائے، جلا کر خاکستر کردیا جائے، اجتماعی طور پر ڈاکہ ڈال کر اس کی زندگی بھر کی کمائی لوٹ لی جائے، مگر تعزیراتِ ہند کی کوئی دفعہ ان پر نافذ نہ ہو جیسا کہ ۴۵؍سال سے فسادات میں ہوتا چلا آرہا ہے، اقلیتی کمیشن اس صورت حال میں کچھ تبدیلی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھ سکتا ہے، چاہے عملاً وہ کچھ نہ کرسکے لیکن اس کے دائرۂ اختیار میں اس بے انصافی کو روکنے کی قانونی قوت دیئے جانے کی اس میں گنجائش رکھی گئی تھی، اس لیے جمعیۃ علماء ہند اس بل کا خیر مقدم کررہی تھی، کیونکہ ۴۵؍سال سے وہ فریاد کررہی ہے لیکن حکام اور افسران اس کی باتوں پر کان نہیں دھرتے، ارباب اقتدار کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی، ممکن ہے یہ اقلیتی کمیشن اگر مسلمانوں کے زخموں کا پورا علاج نہ کرسکے تو فرسٹ ایڈ کے فرائض تو انجام دے سکتا ہے، زخموں پر مرہم کا پھایا تو رکھ سکتا ہے، اس لیے صدر محترم نے اس

بل کی تائید کے لیے پارلیمنٹ میں اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھا، آپ نے بل پر بحث کے دوران فرمایا!

”ہمارے ملک میں پچھلے چالیس برسوں میں کئی ہزار فسادات ہو چکے ہیں، ان کے اسباب پر گہری نظر نہیں ڈالی جاتی اور پریس نہایت تعصب کے ساتھ غیر ذمہ دارانہ اور غلط قسم کا رول ادا کرتا ہے، فسادات کو بڑھاتا اور پھیلاتا ہے، عوام کو مشتعل کرتا ہے، سرکاری مشینری ایمانداری سے کام نہیں کرتی، بلکہ فسادات میں کھل کر حصہ لیتی ہے اور اقلیتوں کو تباہ کرتی، لٹواتی اور پٹواتی ہے، قتل ہوتے ہیں، لوگ لوٹے جاتے ہیں، جلائے جاتے ہیں، کوئی قانون، انصاف اور کسی قسم کی انسانیت نہیں برتی جاتی اور مجرم دن دھاڑے ہزاروں کے بیچ میں سب کچھ کرتے ہیں، سب دیکھتے ہیں، کوئی مجرم آج تک ہمارے ملک میں ایسا نہیں ہے جس کو قتل کے جرم میں پھانسی دی گئی ہو۔

خان عبدالغفار خاں مرحوم ہندوستان آئے تھے، سینٹرل ہال میں ہم سب نے ان کا استقبال کیا تھا، انھوں نے گورنمنٹ آف انڈیا سے پوچھا تھا کہ گاندھی جی کے اس ملک میں اتنے فساد ہوئے تو کتنے مجرموں کو پھانسی دی گئی؟ گورنمنٹ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا، اس سے معلوم ہوا کہ سرکاری مشینری کمیونل ہے، حکومت مجرموں کی جانبداری اور طرفداری کرتی ہے، تمام جرائم کرواتی ہے، بے گناہ مظلوموں کو زخمی حالت میں گرفتار کیا جاتا ہے، اور جیلوں میں بند کر دیا جاتا ہے، حد یہ ہے کہ کسی کو ایف آئی آر درج کرانے کا حق بھی نہیں دیا جاتا ہے، اگر کوئی ایف، آئی، آر، لے کر جاتا ہے تو خود اسی کو گرفتار کر کے کٹہرے میں بند کر دیا جاتا ہے، اس کا جرم یہ ہے کہ وہ مجرموں کو نشاندہی کرنے، نام لینے اور حکومت کی فائل میں لکھوانے کے لیے کیوں آیا؟ سرکاری مشینری میں کوئی شخص ایمانداری سے کام کرے تو یہ نہیں ہوسکتا، کوئی افسر فساد روکنے کا کام کرتا ہے اور کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کو فوراً دھمکی دی جاتی ہے، کہ تم اب اس کرسی پر نہیں بیٹھ سکتے، اس لیے تم کو ہٹنا پڑے گا، اور اس کو سزا دینے میں کوئی تاخیر نہیں کی جاتی جو ایمانداری سے کام کرے، فساد کو روکے اس کو سزا بھگتنی پڑتی ہے، اس کو ذلیل کیا جاتا ہے، یہ حکومت کے بڑے افسران کرتے ہیں، ان کو شاباشی نہیں

دیتے، انعام نہیں دیتے فساد روکنے پر، اور جو کھل کر فساد کراتے ہیں ان کو انعامات ملتے ہیں، ترقیاں ملتی ہیں، اندر اندر سب کچھ ہوتا ہے، ان کو سسپنڈ کوئی نہیں کرتا اور یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ تحقیق ہوگی، اس کے بعد سزا دی جائے گی نہ تحقیق ہوتی ہے، نہ سزا ملتی ہے اور نہ کچھ ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ ہر معاملہ میں سوتیلا پن اور امتیاز برتا جاتا ہے، مولانا محترم نے متعدد نظیروں کو پیش کرتے ہوئے فرمایا! اس ملک میں مسلمانوں کے ساتھ ہر معاملہ میں امتیاز برتا جاتا ہے، تعلیم، نوکری، ملازمت، ترقی، تعمیرات، بجلی اور پلوں کے بننے تک میں امتیاز برتا جاتا ہے، ان کی جان، مال، عزّت، آبرو میں، جائداد کی حفاظت میں انصاف اور قانون میں، ہر جگہ سوتیلا پن ہوتا ہے، ابھی ابھی آسام میں اے.جی پی کی حکومت کے زمانے میں تیس مسلم نوجوان کمپٹیشن میں فرسٹ آ گئے لیکن پھر بھی ان میں سے کسی کو نہیں لیا گیا، اس لسٹ کو چھوڑ کر دوسری لسٹ لے لی گئی۔

وقت کی گھنٹی، بس کیجئے، بہت سے بولنے والے ہیں''

مولانا مدنی نے فرمایا!

''مجھے معاف کیجئے گا یہ معاملہ ہی ہمارے بارے میں ہے، اگر ہمیں کو موقع نہیں دیں گے اور صرف ان لوگوں کو موقع دیں گے جو ملک کے اندر کچھ نہیں چاہتے، ہمیں موقع دیجئے کہ کچھ تلخ باتیں یہاں ہوں، اور ملک والوں کو محسوس ہو کہ یہ ملک جانوروں کا ملک بنے گا یا انسانوں کا، اس ملک میں قانون اور انصاف کو بالائے طاق رکھ کر کمیونل قسم کی قتل کرنے والی، قتل کی ٹریننگ دینے والی، ناجائز ہتھیار رکھنے والی آر، ایس، ایس، جیسی تنظیمیں ہیں جس نے گاندھی جی کو قتل کیا، اس ملک میں بجرنگ دَل جیسی تنظیم موجود ہے جو تشدّد کا، ہتھیاروں کا، ظلم کا، کمیونلزم کا، فرقہ پرستی کا بول بالا کرنا چاہتی ہے، شیوسینا جیسی تنظیم موجود ہے، جو ہر وقت دھمکیاں دیتی رہتی ہے، جو کسی کو بھی زندہ دیکھنا نہیں چاہتی اور اس کے لیے کوئی قانون نہیں ہے، باقاعدہ لاکھوں والنٹیئروں کی شاکھائیں بنا کر ٹریننگ دی جاتی ہے، خفیہ ہتھیاروں سے قتل کرنے کے اس کے لیے پلان بنتے ہیں، یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور حکومت کا قانون بے بس ہے،

فوج ہے، پولیس ہے ملک کی حفاظت کے لیےتو پھر کیا ضرورت ہے،کمیونل قسم کی تنظیموں کی، یہاں ملک میں جو پہلے شودر تھے وہ ختم ہوگئے ،اس لیے اب دوسروں کو شودر بناؤ، حکومت کی مشینری ظلم کا ساتھ دیتی ہے، اگر کوئی انصاف دلانے کے لیے ایسی صورت میں کمیشن بنائے جو اقلیتوں کے انصاف کے لیے لکھے پڑھے، دیکھے، اپنا فرض ادا کرنے کے لیے اس کو کسی قسم کا اختیار حاصل ہوتو پریشانی ہوتی ہے، ہیومن رائیٹس کمیشن ہونا چاہیے،ضرور ہو، وہ بھی کیجئے آپ، لیکن اقلیتوں کے مسائل میں ایک واقعہ نہیں ،سوواقعہ نہیں ہزاروں فسادات ہو چکے ہیں، لاکھوں قتل کیے جا چکے ہیں، کیا ایسا کمیشن اس ملک میں نہیں ہونا چاہیے؟ وہ قتل کرتے ہیں اور وہی کہتے ہیں کہ اس کا تحقیقاتی کمیشن نہ بناؤ، یہ دلیری کا عالم ہے، یہاں آ کر ہاؤس میں اس کے خلاف تقریریں کریں، ظلم اور جرائم کریں گےہم ٹریننگ دیں گے لاکھوں والنٹیئر وں کو۔فوج موجود ہےحفاظت کے لیے پھر بھی نا کام ہے،سب کچھ کریں گےلیکن کسی کو حق نہیں ہے کہ کسی مظلوم کوحق دلائیں اس لیے میں اپنی بات کومختصر کرتے ہوئے ، تفصیل میں نہیں جاؤں گا لیکن یہ کہنا نہایت ضروری ہے کہ اگر حکومت نے تاخیر کی ہے،جس حکومت نے بھی کی ہے، وہ مجرم ہے، اب بل آرہا ہے، اس کام کوفوراً کرنا چاہیے، اس کے لیے صحیح طور سے اچھے لوگ لانے چاہئیں تاکہ اس ملک کی عزت رہے، یہ ملک بچے، ترقی کرے، انسانیت رہے، امن ہو، قانون ہولیکن یہ ملک تبھی رہے گا جب انسان کے لیے قانون کی حفاظت ہو، لوگوں کوظلم کے خلاف انصاف ملے ، ہندو مسلم میں فرق نہ دیکھا جائے ، نہ ظالم میں نہ مظلوم میں، قانون کی نہ عالم میں عزت ہے نہ غلام میں ، اگر کوئی مظلوم مسلمان ہےاوراس کی نہ کوئی عزت ہے نہ ہتھیار ہے، نہ سہولت ہے نہ انصاف ہے نہ عدالت ہے نہ مقدمہ ہے، نہ قانون ہے نہ ایف، آئی، آر، درج کرانے کا حق ہے، ان الفاظ کے ساتھ میں بل کی حمایت وتائید کرتا ہوں ۔

قیامت دبے پاؤں چلی آرہی ہے

۱۹۹۲ء یہ پورا سال بابری مسجد کے سلسلے میں نت نئے خطرات، خدشات اور

مسلمانوں کے لیے کرب واضطراب بن کر گذرتا رہا، پورے ملک میں، ہرمجلس میں، ہر اخبار میں، ہراجتماع میں، مسلمانوں میں اورغیر مسلموں میں، ریڈیو پر، ٹیلی ویژن پر سب سے اہم اور پہلی خبر بابری مسجد سے متعلق ہوتی تھی، مسلمان سانس روکے ان خبروں کوسنتا اور تلملا کر رہ جاتا، یہ اضطراب اور درد وکرب کی کیفیت ایسی تھی جیسے کسی زندہ انسان کے جوڑ جوڑ کو باری باری کر کے کاٹا جائے اور مرنے نہ دیا جائے۔

ملائم سنگھ کی حکومت کے بعد اُترپردیش میں بی، جے، پی، کی حکومت بنی تھی جو رام مندر کی تحریک کو پورے ملک میں چلانے والی تھی اور اس مسئلہ کو پورے ملک کے غیر مسلموں کا مسئلہ بنا دیا تھا، جیسے اب ہندوستان میں بابری مسجد کے سوا کوئی دوسرا مسئلہ ہی نہیں ہے، اب زمام اختیار خود اسی کے ہاتھ میں تھا، اب نہ کوئی جرم جرم تھا، نہ اجودھیا کی بابری مسجد کے بارے میں سپریم کورٹ کے حکم کی کوئی قدر و قیمت، چنگیز وہلا کو کسی دستور کے پابند نہیں ہوتے ان کی زبان قانون ہوتی ہے، ان کے دل کی خواہش، ان کے جذبات، ان کا تشدد، ان کا جور وستم ہی دستور اور آئین ہوتا ہے، حتیٰ کہ انسانیت کے فطری اصولوں کی بھی ان کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی، اتر پردیش میں بی، جے، پی، کی حکومت اسی لاقانونیت کی علمبردار تھی، اُترپردیش میں جنگل کا قانون، ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا قانون جاری تھا اور وہ من مانی کرنے کے لیے آزاد ہے اب کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں تھا۔

اقدامات شروع ہوگئے

بی، جے، پی، کی حکومت نے سب سے پہلا کام کرلیا تھا کہ بابری مسجد سے ملحقہ ساری اراضی کوا یکوائر کر کے اپنے قبضہ میں لے لیا تھا، اب اس زمین پر کوئی بھی کام وہ کرنے کی مجاز ہوگئی تھی، زمین کا یہ رقبہ بابری مسجد کے حدود تک تھا اس لیے وہ مسجد سے قریب ترین جگہ پر بھی کوئی کام کرسکتی تھی، حکومت کی منشا کو سمجھ کر عملی اقدام کے لیے وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دَل کے کارندے اجودھیا میں ہمہ وقت موجود رہتے تھے، حکومت کی نگرانی میں مسجد سے بالکل قریب بہت گہری بنیاد کھودی جانے لگی، تا کہ

یہاں رام دیوار بنائی جائے، اور یہ بنیا داتنی گہری تھی کہ ہر دم یہ اندیشہ رہتا تھا کہ اس کی وجہ سے کسی دن پوری بابری مسجد از خود گر کر زمین بوس ہو جائیں گی، حفاظتی فورس جو وہاں ہمیشہ سے رہی وہ حکومت کے حکم سے ہٹائی جا چکی تھی، لوہے کے خاردار جنگلے جو چاروں طرف سے مسجد کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے وہ توڑ کر راستہ صاف کیا جا چکا تھا، تا کہ کارسیوک ہمہ وقت بابری مسجد تک آتے جاتے رہیں، ارکان پارلیمنٹ اور یوپی کونسل کے وفود نے موقع پر جا کر دیکھا، اور اپنی رپورٹ میں اندیشہ ظاہر کیا! کہ بابری مسجد سخت خطرے میں ہے، حکومت کے موجودہ طرزِ عمل سے وہ کبھی بھی گر سکتی ہے، یہ رپورٹ وزیر اعظم نرسمہا راؤ کو دی گئی، مگر انھوں نے کوئی ایکشن نہیں لیا، اور نہ اتر پردیش حکومت سے کوئی باز پرس کی، شاید یہ اقدام ان کی نیت کے مطابق ہی تھا، وزیر اعظم سے بار بار مداخلت کے لیے مطالبہ ہوتا رہا، لیکن انھوں نے زبان نہیں کھولی، وزیر داخلہ نے اُتر پردیش حکومت کو خط لکھ کر متنبہ کیا کہ بابری مسجد کا تحفظ یقینی بنایا جائے، ورنہ عدالتی حکم کی خلاف ورزی سنگین نتائج پیدا کرے گی، وزیر اعلیٰ اتر پردیش کلیان سنگھ نے مسکرا کر یہ فرمان سنا اور کہہ دیا کہ مسجد محفوظ ہے، جبکہ حقیقت کچھ اور تھی۔

دوسرا قدم

رام دیوار بنتی رہی، حکومت کی ایکوائر کردہ زمین پر وشو ہندو پریشد نے فرش بچھانے اور ستون بنانے کا کام شوع کر دیا، یہ رام مندر کی تعمیر کے ابتدائی مرحلے تھے، اور عدالت عالیہ کا یہ حکم کہ تا فیصلہ عدالت کوئی فریق اجودھیا میں کوئی نیا کام نہیں کرے گا، اب اس حکم نامہ کے پرخچے ہواؤں میں اُڑنے لگے تھے، اپنے حکم کی خلاف ورزی کا نہ عدالت نے نوٹس لیا، اور نہ مرکزی حکومت نے توہینِ عدالت پر کوئی ایکشن لیا، اور پورے جوش وخروش کی فضا میں بابری مسجد کے اِرد گِرد رام مندر کا کام ہوتا رہا، اس پورے عرصہ میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہندوستان میں نہ کوئی قانون ہے، نہ پولیس اور نہ عدالت، یہاں صرف ایک قانون کی حکمرانی ہے، اور وہ قانون ہے ”جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔“

آخری وار

اُتر پردیش کی بی، جے، پی، حکومت نے رام مندر کی تعمیر کی راہ میں پڑنے والی ساری رکاوٹوں کو دور کر دیا تھا، بابری مسجد کے چاروں طرف وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے والنٹیئر خلافِ قانون سرگرمیوں میں مصروف ہیں، صرف بابری مسجد کا ڈھانچہ اپنی جگہ کھڑا کانپ رہا ہے، جیسے کوئی بے کس و مظلوم شخص چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ڈاکوؤں کے نرغے میں ہو، درجنوں ریوالور اور رائفلیں نشانہ لگائے ہوئے لبلبی پر انگلیاں رکھے حکم کا انتظار کر رہے ہیں، اشارہ پاتے ہی درجنوں گولیاں بیک وقت نکلیں گی، اور اس کی بوٹی بوٹی فضا میں کاغذ کے ٹکڑوں کی طرح اُڑنے لگے گی، بابری مسجد کی صورت حال بالکل ایسی ہی ہو چکی تھی، اتر پردیش کی بی، جے، پی، حکومت کام کا خاکہ بنا چکی ہے، اجودھیا میں مورچہ بندی مکمل ہو چکی ہے، نہ پولیس کا خوف ہے نہ فوج کا ڈر، پی، اے، سی، تو زر خرید غلام تھی۔

مرکزی حکومت نے بابری مسجد کی حفاظت کے لیے فوج بھیجی تو اس کو موقع سے پچاس میل دُور رکھا گیا، عدالت عالیہ خاموش تماشائی بنی رہی، نرسمہاراؤ وزیر اعظم حکومت ہند اس مہم میں کلیدی رول ادا کرنے کے لیے وقت کا انتظار کر رہے ہیں، اور سوچ رہے ہیں کہ ۴۵ سال سے بابری مسجد دردِ سر بنی ہوئی ہے، اس کا وجود ہی کیوں ختم نہیں ہو جاتا، ایک بڑا آپریشن کر دیا جائے، کچھ دیر مریض چیخے گا، چلاّئے گا پھر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائے گا، شاید یہی سوچ کر نرسمہاراؤ وزیر اعظم حکومت ہند اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ کلیان سنگھ کو اس نگاہ سے دیکھ رہے تھے، جیسے کوئی باپ اپنے شوخ و شنگ اور شریر بچے کی شرارتوں پر مسکرا کر شاباشی دے رہا ہو، اُتر پردیش اور اجودھیا میں وہی سب کچھ ہو رہا ہے، جو وہ دل سے چاہ رہے ہیں۔

کارسیوک فوج کو مورچہ بندی کا حکم

یہ حکومت ہند کی با تنخواہ فوج نہیں بلکہ وشو ہندو پریشد، بھارتیہ جنتا پارٹی اور

بجرنگ دل کے کارسیوکوں کی فوج ہے، جس کولام بندی کاحکم ان کے کمانڈرانچیف نے بھیج دیاہے، پورے ملک میں ان جماعتوں نے اعلان عام کردیا، کہ وہ محاذ پر آجائیں، ۶رر دسمبر۱۹۹۲ء کواجودھیا میں کارسیوا شروع کردی جائے گی اس لیےایک ہفتہ قبل ۳۰رنومبر۱۹۹۲ء سے ہندوستان بھر کے کارسیوک اجودھیا کے لیے نکل پڑیں اوران کو ہدایت دی گئی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ولولہ انگیزنعرے لگائیں، ٹرکوں اور بسوں سے اجتماعی طور پر سفر کریں اور جتھ بناکر چلیں، اپنی اپنی پیشانیوں پر ''شری رام'' کی زرد پٹّی باندھ لیں، ٹرکوں اور بسوں میں جو بھی ان کی طرف آنکھ اُٹھائے اُسے موقع ہی پر سبق سکھادیں، تاکہ دوسروں کوان کے خلاف بولنے کی ہمت نہ ہو، وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل اور بی، جے، پی، نے اس جم غفیر کے لیے اجودھیا کے اِرد گرد پچیس کیلومیٹر مربع رقبہ میں ٹھہرنے کا انتظام کیا، فرقہ پرستوں کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ جذبات سے بھرے ہوئے کارسیوک اشتعال انگیز نعرے لگائیں گے تو جگہ جگہ ٹکراؤ ہوگا، مسلمانوں میں خوف وہراس پیدا ہوگا، وہ سہم کر گھروں میں بیٹھ جانے کو عافیت سمجھیں گے، اسی اشتعال کی فضا میں آگ کی لواَور تیز کرنے کے لیے اتر پردیش کی حکومت کے وزراء پورے صوبے میں اعلان کرتے پھر رہے تھے کہ ہم رام مندر ضرور بنائیں گے، اس راہ میں جو رکاوٹ کھڑی کرے گا اسے نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے، وشو ہندو پریشد کے جنرل سکریٹری اشوک سنگل نے بیان دیا کہ!

> '' ۲۵رنومبر سے ۶رر دسمبر۱۹۹۲ء تک کا ہفتہ بطور للکار منایا جائے گا جس کا نام ''چیلنج وویک'' ہوگا، اس ہفتہ کے درمیان انھوں نے تمام ہندوؤں کو ہدایت دی ہے کہ وہ رات کو ۹ بجے اپنے مکانوں کی چھت پر جمع ہوکر سنکھ بجائیں، نگاڑے پیٹیں، اوراپنی جگھوں میں نعرے بازی کریں، اشوک سنگل نے سرکلر جاری کیا کہ اس ہفتہ میں گاؤں پنچائت کی سطح پر رام مندر ریلیاں نکالی جائیں، اوران میں نعروں کے ذریعہ حکومت اور مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا جائے کہ رام مندر کی تعمیر میں کسی رکاوٹ کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔''

اشوک سنگل کی ان ہدایات پر پورے ہندوستان میں عمل ہوا، اور ہر شخص نے دیکھا

کہ ۲۸/نومبر سے ۶/دسمبر تک کسی مسلمان کا ٹرینوں میں سفر کرنا ناممکن ہوگیا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنگل کے بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں ہانک دیئے گئے ہیں، وہ جس کو چاہیں چیر پھاڑ کر اپنی بھوک مٹائیں، اسی جوش و جذبے کے ساتھ لاکھوں کی تعداد میں کارسیوک ''جے شری رام'' کا نعرہ لگاتے ہوئے اجودھیا پہنچے، اجودھیا کے چاروں اطراف میں ۲۵ کیلومیٹر مربع میں سوائے کارسیوکوں کے کسی دوسرے کی صورت نظر نہیں آتی تھی، اور سوائے ''جے شری رام'' کے نعرے کے کوئی اور آواز نہیں سنائی دیتی تھی اسی ماحول اور فضا میں ۶/دسمبر ۱۹۹۲ء کا سورج طلوع ہوا۔

یلغار شروع ہوگئی

لاکھوں کی تعداد میں جوش و جذبہ سے سلگتے ہوئے بلکہ دہکتے ہوئے یہ کارسیوک دیہاتوں اور گاؤں کے اَن پڑھ، اُجڈ گنواروں کا رُخ جدھر چاہیے موڑ دیجیے، اجودھیا پہنچنے والوں کا آخری جتھ آ گیا تو ۶/دسمبر ۱۹۹۲ء کو دس بجے دن میں کارسیوکوں کی فوج نے مارچ کیا، اس کی کمان کر رہے تھے اشوک سنگل، ونے کٹیار اور اوما بھارتی، کارسیوک بابری مسجد پہنچ گئے اور چشم زدن میں ان گنت اور بیشمار کارسیوک ''جے شری رام'' کا فلک شگاف نعرہ لگاتے ہوئے مسجد کے گنبدوں پر چڑھ گئے، ترشول، گینتی، ہتھوڑوں، لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں سے گنبدوں پر وار کرنے لگے، مسجد کے چاروں طرف انسانوں کا ٹڈّی دَل اس طرح چھا گیا کہ باہر سے مسجد کے بجائے صرف انسانوں کی بھیڑ نظر آرہی تھی، مسجد پر ہتھوڑے اور گھن برسانے والے کرایہ کے مزدور نہیں تھے، اس لیے وہ پورے جوش اور پوری طاقت سے گنبدوں پر ہتھوڑے برسا رہے تھے، اور اتنی تیز رفتاری سے کام کر رہے تھے کہ دن کے ایک بجے تک ایک گنبد ڈھا کر زمیں بوس کردیا، ایک بجے بی، بی، سی، لندن نے خبر دی کہ بابری مسجد پر حملہ شروع ہوگیا، اور اس کا ایک گنبد ٹوٹ کر زمین پر گر چکا ہے، امید ہے کہ تین بجے تک بقیہ دونوں گنبد بھی ٹوٹ جائیں گے۔

ہم نے بنارس میں دل تھام کر ریڈیو سے خبر سنی، اور تین بجے شہر میں کرفیو کا اعلان کردیا گیا، اس کا مطلب یہ تھا کہ مرکزی حکومت اور اترپردیش حکومت دونوں

کارسیوکوں اس ظالمانہ کارروائی کی منٹ منٹ کی خبروں سے واقف تھیں، اور دونوں حکومتوں کی طرف سے کارسیوکوں کو موقع دیا گیا تھا کہ وہ اپنا کام جلد سے جلد پایہ تکمیل تک پہنچادیں، چنانچہ شام ہوتے ہوتے مسجد کے تینوں گنبد توڑ کر زمین کے برابر کردیئے گئے، بابری مسجد کی حفاظت کے لیے لگائی گئی، ہزاروں پولیس اور مسلح پی، اے، سی، کھڑی تماشا دیکھتی رہی، اور فوج اپنی جگہ بے خبر اور بے نیاز کیمپوں میں پڑی رہی، کیونکہ وہ حکم کی منتظر تھی، حکم دینے والے بابری مسجد کے توڑ پھوڑ کے منظر دیکھنے میں مصروف تھے۔

وزیر اعظم حکومت ہند مسٹر نرسمہا راؤ ابھی کچھ اور انتظار کرنا چاہتے تھے، مسجد زمین بوس کرنے کے بعد اس کی احاطہ بندی ہونے لگی، یہ مکمل ہوگئی تو ایک جبوترے کی تعمیر شروع ہوئی تا کہ مورتیوں کو اس پر نصب کیا جا سکے، جب یہ سارے کام مکمل ہوگئے مورتیاں چبوترے پر بٹھا دی گئیں، ان پر شامیانہ لگا دیا گیا مسجد کا نام ونشان مٹ چکا، تو اتر پردیش کی حکومت معطل کر دی گئی، اور گورنر راج قائم ہوگیا اور فوج کو اجودھیا جانے کا حکم ملا تا کہ کارسیوکوں نے جو کارنامہ انجام دیا ہے، فوج اس کی حفاظت کرے تا کہ جو قبضہ ہوا ہے وہ مستقل اور دیر پا ہو جائے۔

سب مجرم

بابری مسجد کی شہادت کیا صرف بی، جے، پی، کا کام ہے؟ وشوہندو پریشد، اور بجرنگ دل کی بدترین ذہنیتوں کا مظاہرہ ہے؟ ایسا سوچنا اور لکھنا حقائق کو منہ چڑھانا ہے، مرکزی حکومت اگر چاہتی اور وہ اپنا فرض اور ذمہ داری کو ادا کرتی تو بی، جے، پی، حکومت میں یہ جرأت و ہمت نہیں کہ وہ بابری مسجد کو ڈھا دیتی، وشوہندو پریشد اور بجرنگ دل کی کیا اوقات تھی، فوج ہر ایک کے دماغ کا نشہ چند منٹوں میں اتار سکتی تھی، مگر فوج نرسمہا راؤ کے ہاتھ میں تھی، انھوں نے تمام تفصیلی اطلاعات کے باوجود بابری مسجد کی حفاظت صرف اس لیے نہیں کی کہ وہ خود بابری مسجد کے وجود کو اب زیادہ دیر تک برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، سپریم کورٹ کے حکم کی توہین ہوتی ہے

ہونے دو، دستور اور آئین کی مٹی پلید ہوتی ہے ہو جائے، قانون اور انصاف بازیچۂ اطفال بنتا ہے تو بن جانے دو، دل کی بھاؤناؤں کے سامنے ان تمام چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں، ہندوستان کی حکومت نے یہ کرکے دکھادیا، ساری دنیا نے اس کو دیکھا، پندرہ بیس کروڑ مسلمانوں کے دل ٹوٹتے ہیں ٹوٹنے دو، خون کے گھونٹ پیتے ہیں پینے دو، دستور اور آئین کے دیئے ہوئے حقوق کو ردّی کی ٹوکری میں پھینک دو، اگر ہماری بھاؤناؤں میں رکاوٹ ہیں تو ان رکاوٹوں کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جائے گا، نرسمہا راؤ وزیر اعظم حکومت ہند نے یہ کرکے دکھادیا، نراج اور لاقانونیت کی حوصلہ افزائی کرکے اس ملک کو ایسی راہ پر ڈال دیا ہے کہ اربابِ حکومت کبھی سکھ اور چین کی نیند نہ سو سکیں گے ایک وقت آئے گا کہ ہر بڑا لیڈر اپنے ہی سدھائے ہوئے بھیڑیوں کا شکار بن کر رہیں گے۔

مرکزی حکومت کا ڈرامہ

۶ ؍دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت کے بعد رام مندر کی تحریک چلانے والے لیڈروں میں لال کرشن ایڈوانی صدر بھارتیہ جنتا پارٹی، اشوک سنگل صدر وشو ہندو پریشد، مرلی منوہر جوشی، بھاجپا لیڈر رونے کٹیار، بجرنگ دل کی اُوما بھارتی ایم پی کو گرفتار کرلیا گیا، اور چند دنوں نظر بند رکھنے کے بعد غیر مشروط اور باعزّت طور پر رہا کردیا گیا، ان لیڈروں کی گرفتاری ایک ڈرامہ سے زیادہ نہیں تھی، اس کی حقیقت یہ تھی کہ بابری مسجد کی شہادت کے بعد ان لیڈروں کو از خود جان کا خطرہ تھا، اس لیے یہ گرفتاری ان کی جانوں کی حفاظت کے لیے تھی، اس لیے نہیں کہ انھوں نے بابری مسجد ڈھاکر کوئی جرم کیا تھا۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہ تمام بے قصور تھے تو انھیں کیوں گرفتار کیا گیا، اور اگر کسی جرم میں گرفتار کیے گئے تھے، اور حکومت کی نگاہ میں مجرم تھے، تو پھر اسپیشل کورٹ کا ڈرامہ کیوں کیا گیا، انھیں عام عدالتوں میں کیوں پیش نہیں کیا گیا، یہ تمام سوالات مرکزی حکومت کی ان فرقہ پرستوں سے سازباز کی غمازی کرتے ہیں، اشوک سنگل،

ونے کٹیار اور اُوما بھارتی جیسے شعلہ بیان انتہا پسند لوگ ایک عرصہ سے پورے ملک میں آگ لگاتے رہے اور ان کا ریکارڈ یقینی طور پر حکومت کے پاس تھا ایسے لوگوں کے بارے میں یہ کہہ کر چھوڑ دینا کہ ''ان کے خلاف کوئی واضح ثبوت مہّیا نہ ہوسکا'' قانون، دستور، آئین اور عدلیہ کے ساتھ مذاق نہیں تو اور کیا ہے، یہ سب کچھ ایک ڈرامہ تھا، ایکٹر آتے رہے اور اپنا اپنا رول ادا کر کے چلے گئے، مرکزی حکومت اس ڈرامہ کو اسٹیج پر پیش کرنے والی تھی، ہم سانس روکے ڈرامے کے سارے سین دیکھتے رہ گئے۔

ہم سیکولرزم کی دُہائی دیتے رہ گئے

جب سے اتر پردیش میں بی، جے، پی، حکومت بنی اور حلف لیتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اجودھیا جاکر رام درشن کر کے ماتھا ٹیکا اور اپنا عہدہ دُہرایا کہ ہم آئے ہیں اور یہیں رام مندر بنائیں گے، بس اسی دن سے پورے سات مہینوں تک مسلسل جمعیۃ علماء ہند کا اخبار ''الجمعیۃ'' حکومت اور فرقہ پرست پارٹیوں کے ہر نئے اور خطرناک کام کا نوٹس لیتا رہا، اور مرکزی حکومت کو اس جانب متوجہ کرتی رہی کہ بابری مسجد خطرے میں ہے، خطرہ روز بروز قریب آتا جارہا ہے، اب وہ دن بہت دُور نظر نہیں آتا کہ ایک دن سنائی دے گا کہ اتر پردیش کی حکومت نے بابری مسجد کو شہید کرا دیا۔ دستور، قانون، انصاف اور انسانیت کی دہائی دیتے دیتے قلم کی سیاہی ختم ہوگئی۔ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے درجنوں بار اپنی میٹنگوں میں خطرناک صورت حال پر تجویزیں پاس کر کے حکومت کے پاس بھیجیں، صدر محترم نے بار بار ایوانِ پارلیمنٹ میں اخباری بیانات میں اجودھیا کی خطرناک صورت حال کی طرف مرکزی حکومت کو توجہ دلائی مگر ''کون سنتا ہے فغانِ درویش'' نیند سے سونے والوں کو جگا کر اٹھایا جاسکتا ہے، لیکن جو سونے کا ڈھونگ رچائے اس کو بیدار کرنے کی کوئی صورت نہیں، وزیر اعظم حکومت ہند سارے حالات کا مفصل علم رکھتے ہوئے جان بوجھ کر انجان بنے رہے اور وہ سب کچھ ہوگیا جس کا ۴۵ سال سے دھڑکا لگا ہوا تھا، قانون اور دستور تو الگ رہا یہ ثابت کر دیا کہ اقتدار کے نشہ میں حق و انصاف کی بھی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی ہے۔

فسادات کا سیلاب

۷؍دسمبر۱۹۹۲ء کو صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے ملت اسلام کے نام ایک پیغام شائع کیا، جس میں عوام سے اپیل کی گئی کہ وہ حالات کا صبر واستقامت سے مقابلہ کریں، جذبات سے بے قابو ہوکر ایسا کام نہ کریں کہ ہمارے غموں میں اور اضافہ ہوجائے، یہ زخم تواب ناسور بن چکا جس کا علاج بظاہر ممکن نہیں لیکن نئے زخموں کے لیے دشمنوں کو موقع نہ دیا جائے، یہ پیغام پورے ملک میں بھیجا گیا کیونکہ بابری مسجد کی شہادت کا حادثہ ایسا تھا کہ تاب ضبط جواب دے سکتی ہے، اس لیے یقین تھا کہ اس حادثہ فاجعہ کا ردِّعمل ہوگا اور شدید ہوگا لیکن اس کا انجام بھی ۴۵ سال کے تجربوں کی روشنی میں جمعیۃ علماء ہند کے سامنے تھا، اکثریت اپنی ناراضگی کے اظہار کے لیے جو چاہے کرے، قومی پرچم کو پیروں سے روندے دستور کو چوراہے پر رکھ کر آگ لگادے، سرکاری جائدادوں کو تباہ وبرباد کردے، مگر حکومت کی پولیس اپنی جگہ فالج زدہ کھڑی تماشہ دیکھتی رہ جاتی ہے، جیسے پتھر کی مورتی جو حس وحرکت سے عاری ہے، اس کے برخلاف مسلمان اگر خاموش جلوس بھی نکال دے تو اسی پولیس کی بندوقیں فوراً آگ اُگلنے لگتی ہیں اور سڑک پر ان گنت لاشیں بچھا کر رکھ دیتی ہے۔

ایسی صورت حال میں اگر مسلمان جذبات سے بے قابو ہوگیا تو ہزاروں کو خاک وخون میں تڑپ تڑپ کر جان دینی ہوگی، لاکھوں نہیں کروڑوں اور اربوں کی جائدادوں کو راکھ کرنا ہوگا، اس لیے جمعیۃ علماء ہند چاہتی تھی کہ مسلمان جذبات کے دھارے میں نہ بہہ جائیں مگر یہ حادثہ اتنا صبر شکن تھا کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی طرف سے احتجاج ہوئے، جلوس نکالے گئے اور اپنے غم وغصہ کا اظہار کیا گیا اور ہر جگہ اس کا انجام ایک ہی رہا کیونکہ جن لوگوں نے بابری مسجد کو شہید کیا تھا، وہ پہلے سے اس ردعمل کے لیے تیار تھے، وہ پوری طرح سے تیار تھے وہ مسلح اور ہتھیار بند تھے، اور مسلمان نہتا اور خالی ہاتھ، اس لیے وہ سب کچھ ہوا جس کو جمعیۃ علماء ہند کی نگاہیں پہلے ہی دیکھ چکی تھیں، بھوپال، ممبئی، دیوبند، سہارن پور، سورت، کانپور، لکھنؤ،

بنارس کلکتہ گوہاٹی، نوگاؤں، ہوجائی، احمد آباد، گوڑ گاؤں، ارریہ، کشن گنج، ڈھوبڑی وغیرہ وغیرہ کے مسلمانوں کوخون میں نہلا دیا گیا، پوری فضا درد وکرب کی چیخوں اور دردناک آہوں اورفریاد و فغاں سے گونج اُٹھی ہزاروں مسلمان مختلف علاقوں میں شہید کیے گئے، اور ہزاروں ہزار زخموں سے چور ہوئے، کروڑوں اور اربوں کی اپنی جائدادوں کومسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے جلتے ہوئے دیکھا اور اس آگ کو بجھانے کی ان میں ہمت وطاقت نہیں رہ گئی تھی۔

بمبئ کی قیامتِ صغریٰ

بمبئ میں قتل وغارت گری کا جوطوفان اٹھا وہ بالکل ایسا ہی تھا، جیسے کوئی ظالم فاتح کسی ملک پرحملہ کرکے اس سرزمین کونہایت بیدردی کے ساتھ ویران کرتا ہے، اور انسانی خون سے لالہ زار بنا دیتا ہے، بمبئ کا فساد بھی اپنے وسیع وعریض دائرۂ عمل، پھیلاؤ، قتل وغارت گری آتش زنی اورڈکیتی ہرلحاظ سے وہ اس دور میں ہونے والے سارے فسادوں میں سب سے بڑا فساد تھا، بمبئ کے علاقے مہالکشمی، سات راستہ، دھوبی گھاٹ، بھیم نگر، شاں بروج، آدرش، ورلی، ڈی ڈی چال، پریم نگر وارڈ اس، گاندھی نگر، جوگیشوری ایسٹ، چاچا کالونی، گورے گاؤں، ڈونگری، پولیس لائن، گورے گاؤں ویسٹ، گھاٹ کوپر، اندرانگر نمبر ا، اندرانگر نمبر ۲، دیوی چال، گول بازار گنگاواڑی، الطاف نگر، گنیش میدان، ناتھ نگر روڈ، مرکرولی، پارک سائڈ، جم خانہ، رام نگر، پٹھان نگر، سنجے نگر، راہل نگر، وکرولی خاص، دھاراوی، چمڑی بازار، باغیچہ رجب علی کمپاؤنڈ، ۹۰ فٹ روڈ، مدینہ نگر، کٹی واڑی، ماہم، باندرہ، تلسی واڑی، پچھیرہ کالونی وغیرہ وغیرہ۔ ماہم میں بلامبالغہ ہزاروں مکانات لوٹ کران میں جھاڑ وپھیر دی گئی، اور آدھے مکانوں میں آگ لگا دی گئی، توڑ پھوڑ سے بہت سے مکانات ناقابل رہائش ہوگئے، مجموعی طور پرمسلمانوں کی اربوں روپے کی جائدادیا تولوٹ لی گئی یا تباہ و برباد کردی گئی، چھ سو سے زائد مسلمان قتل کیے گئے، کچھ بلوائیوں کے ہاتھوں اور کچھ پولیس کی گولیوں سے شہید ہوئے، کئی لاکھ آدمی اپنا گھر اور جائداد چھوڑ کرممبئ سے نکل

کر اپنے اپنے وطن چلے گئے اور زندگی بھر کی کمائی لٹیروں کے لیے چھوڑ گئے۔

جمعیۃ علماء ہند کے ایک تین نفری وفد نے سروے کرنے کے بعد بڑی دردناک رپورٹ دی، ان علاقوں میں ہر طرف موت کا سناٹا چھا گیا، یہ ساری تباہی و بربادی شیوسینا کے درندہ صفت والنٹیئروں کے ہاتھوں ہوئی، ممبئی پولیس تو ان بلوائیوں کے غلام کی طرح ساتھ تھی اور وقت ضرورت بلوائیوں کی مدد کرتی تھی، جہاں بلوائیوں کا مقابلہ مسلمانوں نے کیا، وہاں پولیس نے مقابلہ کرنے والے نوجوانوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا، تاکہ بلوائی اپنے مقصد میں کامیاب ہوں اور ان کی لوٹ کا راستہ بے خطر ہو جائے، ممبئی کی تاریخ میں ایسا کہرام کبھی نہیں مچا ہوگا، ممبئی کا یہ فساد دو قسطوں میں ہوا، پہلا فساد تو بابری مسجد کی شہادت کے دن ۶ ردسمبر ۱۹۹۲ء کو، دوسرا فساد اگلے مہینہ جنوری ۱۹۹۳ء میں شیوسینا نے منصوبہ بند طریقہ سے کرایا، ہفتوں کی تیاری کے بعد کرایا، مسلم آبادیوں میں تمام مسلمانوں کے مکانوں پر علامت بنا دی گئی۔ اگر درمیان میں کسی غیر مسلم کا مکان ہے تو اس پر کوئی علامت نہیں بنائی گئی اس لیے سیکڑوں مکانوں کے درمیان دو چار غیر مسلموں کے مکان یا دُکانیں ہیں تو قرب و جوار کے تمام مکانات اور دُکانیں لوٹی اور جلائی گئیں مگر غیر مسلموں کے دو چار مکانات اور دکانیں تھیں وہ نہ لوٹی گئیں نہ جلائی گئیں، اس وقت مسلمانوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔

احمد آباد کا فساد

بابری مسجد کو شہادت کے ایک مہینہ بعد ۸ رجنوری ۱۹۹۳ء کو پھر ایک بار احمد آباد میں ہولناک فساد ہو گیا اور وہاں کے مسلمانوں کو آگ اور خون میں نہلا دیا گیا، ایک اخبار نے لکھا کہ تا دم تحریر ۹۵ رافراد شہید ہو چکے ہیں مگر شیطانی رقص ابھی تھمنے کا نام نہیں لے رہا ہے، یہ فساد کئی دنوں تک جاری رہا، اس وقت یہ کہا جا رہا تھا کہ یہ فساد وزیر اعلیٰ گجرات چمن بھائی پٹیل کے اشارے پر ہوا۔

بھوپال کا فساد

امن و آشتی کے شہر بھوپال کو بھی آگ اور خون کے سیلاب سے گذرنا پڑا،

۶؍دسمبر کو بابری مسجد کی شہادت کے بعد جو کچھ پورے ملک میں ہوا، بھوپال بھی اس سے نہیں بچ سکا، مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے وزیر اعظم حکومت ہند کو فیکس کے ذریعہ جو اطلاع دی ہے، اس میں صدر محترم نے تحریر فرمایا! کہ شہر کے مختلف حصوں میں آتش زنی، قتل وغارت گری اور لوٹ مار کے دردناک واقعات جاری ہیں، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ریاستی پولیس خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے، یا شرپسندوں اور حملہ آورں جیسے بجرنگ دَل، وشو ہندو پریشد، آر، ایس، ایس، اور دوسرے مسلم دُشمن عناصر سے مل گئی ہے اور بلوائیوں کی رہنمائی کررہی ہے، پٹیل نگر، جیل روڈ، ٹی ٹی نگر، جواہر کیمپ، جہانگیر آباد اور بھارت نگر کے چھانسی روڈ علاقوں میں انتہائی افراتفری ہے اور صورت حال قابو سے باہر ہے، پٹیل نگر کالونی میں ریاستی پولیس بدنام زمانہ بدمعاش مہندر کے ساتھ مل کر لوٹ مار کررہی ہے اور دہشت پھیلا رکھی ہے۔

بنارس کا فساد

صدر محترم نے بذریعہ فیکس وزیر داخلہ حکومت ہند مسٹر چوہان کو بنارس کے ایک علاقہ کے محلّہ محمود پور کے فساد کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ یہاں پی، اے، سی، کی رہنمائی میں فسادیوں نے محمود پور پر حملہ کردیا اور پوری آبادی کو لوٹ کر ویران کردیا ہے، یہ سب کچھ ضلع مجسٹریٹ سریش چند آئی، اے، ایس، کی ناک تلے ہوا جس کے ساتھ پی، اے، سی، کے جوان بھی تھے، واقعہ یہ ہے کہ پی، اے، سی، مسلمانوں کو ہلاک کرنے اور لوٹنے میں بلوائیوں کی مدد اور رہنمائی کررہی ہے، آبادی کے مسلمانوں کو پولیس نے گرفتار کرکے مارا پیٹا اب تک اکیس آدمی مارے جاچکے ہیں اور ۶۵؍افراد کو گرفتار کیا جاچکا ہے، جن میں سے دو آدمیوں کو اذیت دے کر مارڈالا گیا ہے، آبادی میں پانی کا نل کاٹ دیا گیا ہے، اور جب مسلمان پانی لینے گئے تو ۲۵ مسلمانوں کو اور بھی گرفتار کرلیا گیا۔ صدر محترم نے اسی فیکس کی کاپی گورنر اتر پردیش کو بھی بھیجی۔

کلکتہ کا فساد

کلکتہ کے فساد کے سلسلے میں صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے وزیر داخلہ مسٹر

چوہان کو بتایا کہ نیرزا اسٹریٹ، پارک سرکس، نیک اتال تلّہ، راجہ بازار، کیلا بگان، مٹیا برج، بنیا پوکھر، تل چلا شدید فساد کی لپیٹ میں ہیں جن میں جان و مال کی تباہی کا بھاری نقصان ہوا ہے اور لاتعداد آدمیوں کے ہلاک اور زخمی ہونے کی اطلاع ہے۔

اجمالی خاکہ

۶ ر دسمبر ۱۹۹۲ء بابری مسجد کی شہادت کے بعد سے فسادات کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ کئی مہینوں تک مسلسل چلتا رہا، اس تمام مدت میں صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی مرکزی دفتر کے ذریعہ سارے ملک سے رابطہ قائم کیے رہے اور حالات معلوم کرتے رہے اور جہاں جہاں صورتِ حال زیادہ خطرناک ہوئی فوراً حکومت ہند کے ذمہ داروں وزیر اعظم، وزیر داخلہ صدر جمہوریہ، ریاستی وزراء اعلیٰ اور ریاستوں کے گورنروں کو ٹیلی گرام، فیکس، مراسلات، خطوط اور ذاتی ملاقات کے ذریعہ حالات کی شدت، ثبوت و شہادت کے ساتھ پیش کر کے امن و امان قائم کرنے، بلوائیوں اور انتظامیہ اور پی، اے، سی، کے مظالم کو روکنے کا مطالبہ کرتے رہے، چند شہروں کا ذکر اوپر کیا گیا، یہاں ایک اجمالی فہرست دی جارہی ہے جہاں کے فساد کے سلسلے میں صدر محترم نے حکومت کے ذمہ داروں کو متوجہ کر کے بلوائیوں پر قابو پانے اور امن و امان قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔

ممبئ فساد کے سلسلے میں بارہ بار بذریعہ فیکس وزیر اعظم، وزیر داخلہ، صدر جمہوریہ، وزیر مملکت ایم ایم جیکب ریاستی گورنر کو متوجہ کیا گیا اور امن قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا، نقصانات کی تفصیلات بتائی گئیں، کانپور فساد سے متعلق وزیر اعظم کو بذریعہ فیکس اطلاع دی گئی، آسام کے فساد کے سلسلے میں فیکس وزیر اعلیٰ آسام، وزیر اعظم اور وزیر داخلہ کو کیا گیا، چند دنوں بعد وزیر داخلہ کو دوسری بار فیکس کے ذریعہ حالات سے باخبر کیا گیا، اسی طرح دیوبند، سورت گجرات، کھچڑی پور کالونی دہلی، غازی آباد، فیض آباد، نوح، گوڑ گاؤں، لاتور (مہاراشٹر) دھام پور ضلع بجنور، کھتولی ضلع مظفر نگر، بنارس، حسن پور ضلع مراد آباد، بڑودہ (گجرات) احمد آباد، تاملناڈو کے فسادات کے سلسلے میں

صدر محترم نے بذریعہ فیکس تفصیلی اطلاعات فساد کی شدت، مسلمانوں کے قتل عام، لوٹ مار، آتش زنی کی طرف ذمہ دارانِ حکومت کو برابر اطلاعات دے کر مطالبات کرتے رہے، فیکس میں تدریجی صورتِ حال نقصانات، ہلاک شدگان، تباہ شدہ جائدادوں کی فہرست، مالیت کا تخمینہ، پی، اے، سی، اور انتظامیہ کی جانبداری، بلوائیوں کی مدد، مرکزی پولیس فورس کی تقرری کا مطالبہ، غرضیکہ فساد کے دوران مسلمانوں کی حفاظت کے لیے جو کچھ کہا اور کیا جاسکتا تھا اور جس کی فوری ضرورت ہوتی اس کی نشاندہی کی جاتی، شب وروز کا کوئی لمحہ خالی نہیں رہتا تھا کہ پورے ملک میں پھیلے ہوئے فسادات اور خوں ریزی کی المناک خبریں نہ ملتی رہی ہوں اور خبر سن کر صدر محترم خاموش رہ جائیں، یہ ممکن ہی نہیں تھا، فوراً حکومت ہند اور ریاستی حکمرانوں کو فیکس، ٹیلی گرام، مراسلے یا خطوط کے ذریعہ فساد کی طرف متوجہ کرتے، آدھے درجن کے قریب مرکزی حکومت کے ذمہ داروں کو تفصیلی میمورنڈم آپ نے پیش کیے جن میں تفصیل کے ساتھ مسلمانوں کی تباہیوں بربادیوں اور ہلاکتوں کو بیان کر کے حق و انصاف کا مطالبہ کیا گیا۔

جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر کی حیثیت اس وقت محاذ جنگ پر قائم اطلاعات و ہدایات کی ہو کر رہ گئی تھی، کہاں کیا ضرورت ہے؟ کس سے رابطہ قائم کیا جائے؟ کس کو فساد زدہ علاقہ کی طرف توجہ دلائی جائے، کبھی کبھی ایک شہر کے سلسلے میں محلّہ وار حالات کی تفصیل بھی فیکس کے ذریعہ دی گئی، اتنے مکانات لوٹے گئے، اتنی دکانیں جلائی گئیں اور اس محلّہ کے اتنے آدمی مارے گئے۔

بروقت اطلاعات، توجہ دہانی اور مطالبات کا کچھ نہ کچھ اثر اور فائدہ ضرور مرتب ہوتا تھا اور جہاں اُوپر سے نیچے تک بے ایمانوں ڈاکوؤں قاتلوں کی ٹیم پوری سفاکی اور درندگی کے ساتھ حملہ آور ہو شرافت و انسانیت، حق و انصاف، قانون اور دستور کی کھری کھری باتیں سننے کا کس کو موقع ہے، جمعیۃ علماء ہند چیختی اور چلاّتی رہی فسادی انسانوں کا لہو پی کر انتقام کی پیاس بجھاتے رہے، پورے دو مہینوں تک جیسے اس ملک میں قانون نام کی کوئی چیز ہی نہیں رہ گئی تھی، مسلمانوں کو شکار کرنے کے لیے خون

آشام شکاری شکارگاہ میں اُتر چکے تھے، جو جتنا شکار کرے وہ اس کے حلقہ میں سرمایہ فخر وناز بن جاتا تھا:

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

امداد اور ریلیف

آبادی کی آبادی اُجڑ گئی، خاندان کے خاندان محتاج ومفلس ہوگئے، ہزار افراد گھربار چھوڑ کر خانہ بدوش ہوگئے اور کیمپوں میں خوف ودہشت سے سہمے ہوئے پناہ گزیں بن گئے، ہر جگہ کی تباہی وبربادی یہی کہتی تھی پہلے مری طرف توجہ کرو، تنہا ممبئی کی عبرتناک اور کربناک تباہی ایسی تھی کہ ایک حکومت برسوں میں دوبارہ اس کی رونق واپس لانے میں شاید کامیاب نہ ہوتی، جمعیۃ علماء ہند جس کے اپنے محدود وسائل ذرائع تھے کیونکہ ان مظلوموں کے حق ادا کرسکتی تھی، لیکن اس نے اپنی بساط کے مطابق کوئی کوتاہی نہیں کی اور جتنا ممکن ہوسکا اس کے کرنے میں کوئی دریغ نہیں کیا اور جو مدد پہنچائی جاسکتی تھی بروقت پہنچائی۔

سروے اور ریلیف

ممبئی میں ایک مہینہ کے اندر دوبار فساد ہوئے، پہلی بار ۶ / دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت کے فوراً بعد اور دوسرا فساد ۶ / جنوری ۱۹۹۳ء کو بڑے پیمانے پر منصوبہ بند طریقے پر ہوا، جمعیۃ علماء ہند نے پہلے فساد کے موقع پر مظلوم اور آفت رسیدہ مسلمانوں کی دادرسی کا فرض انجام دیا تھا، خود صدر محترم نے ممبئی جاکر متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا اور مظلوموں سے ملے، اسپتالوں میں جاکر زخمیوں سے ملاقات کی ان کے لٹے اور جلے مکانات کو دیکھا اور جمعیۃ ریلیف فنڈ سے فوری مدد کے لیے ایک لاکھ روپے دیئے۔

دوسرے فساد کے موقع پر جمعیۃ علماء ہند کے دفتر کی طرف سے چار نفری وفد ممبئی بھیجا گیا، اس نے کئی دن قیام کرکے تمام فساد زدہ علاقوں کا مکمل سروے کیا اور رپورٹ

مرتب کرکے صدر دفتر کو پیش کی ، دوسرے ہفتہ میں مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے خود ممبئی کے متاثرہ علاقوں کا تفصیلی دورہ کیا اور سارے حالات کو بچشم خود دیکھا، پورے حالات کا جائزہ لینے کے بعد آپ نے ریاستی جمعیۃ علماء مہاراشٹر کے تمام ارکان، شہر کے ممتاز افراد، قومی وسماجی کارکنوں کی ایک میٹنگ بلائی، ان کے سامنے ممبئی کی تمام صورتِ حال رکھ کر مظلوموں کی مدد کے لیے ان میں جوش، جذبہ اور قومی ملی حمیت وغیرت کے جذبے کو بیدار کرکے کام کا ایک خاکہ بنا کر ان کو ہدایات دیں، آپ نے فرمایا کہ تمام متاثرہ مقامات میں مقامی ریلیف کمیٹیاں بنائی جائیں اور ان کو اس علاقہ کا ذمہ دار بنادیا جائے، اور انھیں کے ذریعہ مظلوموں کی مدد کی جائے، کمیٹیوں کی تشکیل کے بعد بازآبادکاری کا کام فوراً شروع کردیا جائے اور مظلومیں کی ہر امکانی اور ہر طرح کی مدد کی جائے، قانونی مدد سے لے کر مالی مدد تک سب کو پیش نظر رکھا جائے، خود صدر محترم نے چاچانگر، دھارادی اور گھاٹ کوپر میں بازآبادکاری کے لیے ابتدائی قسط کے طور پر پندرہ لاکھ روپے کی منظوری دی، متاثرہ علاقوں میں مٹی تیل کے چولھے، کھانا پکانے کے برتن، مٹی تیل کے لالٹین اور گھریلو ضروریات اور سامان کی فراہمی کے علاوہ ہر خاندان کو ڈھائی ڈھائی سو روپے فوری طور پر ادا کرائے، یہ بالکل ابتدائی مرحلہ تھا، ریلیف کا یہ سلسلہ کئی مہینوں تک جاری رہا، اور ریلیف میں پچاس سے ساٹھ لاکھ روپے مظلومین ممبئی کے لیے فراہم کیے گئے۔

دوسرے مقامات پر ریلیف

بطور مثال ممبئی کی ریلیف رپورٹ کا ایک حصہ یہاں نقل کیا گیا تاکہ جمعیۃ علماء ہند کے کام کا ایک ہلکا سا اندازہ ہوجائے ورنہ ہر فساد زدہ علاقہ میں یہی سلسلہ ہمیشہ سے چلتا آرہا ہے، اس ملک گیر فساد کے موقع پر بھی جہاں جہاں فسادات ہوئے وہاں جاکر مقامی جمعیۃ علماء کے کارکنوں کی مدد سے ریلیف کمیٹی بنا کر مظلوموں کی مدد کی گئی، بابری مسجد کی شہادت کے بعد تقریباً ۶۵ شہروں میں زبردست فسادات ہوئے تھے، ان تمام مقامات پر جمعیۃ علماء ہند نے مظلومین کی مدد کے لیے کمیٹیاں قائم کیں

اور ہر طرح کی مدد پہنچانے کے لیے ان کمیٹیوں کو ذمہ دار بنایا گیا، دو ماہ کا یہ عرصہ اپنے درد و کرب اضطراب اور بے چینی کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے بڑا ہی کربناک تھا پھر آہستہ آہستہ امن و امان قائم ہوا، جمعیۃ علماء ہند نے اطمینان کی سانس لی۔

قومی اتحاد کانفرنس

بابری مسجد کی المناک شہادت کے بعد دسمبر کے آخری عشرہ میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا کہ!

"یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو آر، ایس، ایس، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل اور بی، جے، پی وغیرہ فاشسٹ تنظیموں کے ہاتھوں ہمارا ملک ایک ایسے حادثہ سے دوچار ہوا جس نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا ہے، بلا شبہ یہ ایک متبرک عبادتگاہ کی تخریب ہی نہیں بلکہ ملک کے آئین کی پامالی اور عدالت عالیہ کے وقار کی بے حرمتی ہے، اور سیکولر نظام سے کھلی بغاوت ہے، فسطائی عناصر کی اس انسانیت سوز حرکت اور انتہائی نازک وقت میں مرکزی حکومت کی بے عملی نے ملک میں نزع کی حالت پیدا کر دی ہے، جس سے ساری دنیا میں ملک کی حیثیت مجروح اور اس کا جمہوری کردار مشکوک ہو گیا ہے، ملک کے امن پسند سیکولر نواز طبقہ لاقانونیت کے اس مسموم و متعفن ماحول میں گھٹن اور اذیت محسوس کر رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان فسطائی طاقتوں نے ملک کو ایسے بحران میں مبتلا کر دیا ہے جس نے اس کی روایتوں اور قدروں کو مسخ کر دیا ہے، واقعات و مشاہدات بتا رہے ہیں کہ اگر بروقت نفرت کے ساتھ دفاعی کارروائی نہیں کی گئی تو فسطائیت کا یہ عفریت پورے ملک کو بھسم کر دے گا۔"

بابری مسجد کی شہادت کا زخم ابھی بالکل تازہ تھا اور اب تک زخم سے خون رِس رہا تھا، ایسے ماحول اور کیفیت میں جمعیۃ علماء ہند کی یہ تجویز صبر و استقامت کے اعلیٰ معیار کی غمازی کرتی ہے، آج کی مصیبت میں کل کے لیے کچھ سوچنا اور اس کے لیے لائحہ

عمل تیار کرنا بڑے دل گردے کا کام اور بے مثال ہمت و جرأت کی علامت ہے، جمعیۃ علماء ہند نے ہر کٹھن گھڑی اور مشکل وقت میں قوم وملت کی رہنمائی کرتی رہی ہے اور ملک وملت اور قوم کے خلاف اٹھنے والے، طوفان کا مقابلہ پوری جرأت و ہمت سے کیا ہے، جذبات کے دھارے میں بہہ جانے کا کوئی واقعہ اس کی پوری تاریخ میں نہیں مل سکتا۔ اس نے ہمیشہ سنجیدگی ومتانت اور غور وفکر کے بعد کوئی فیصلہ کیا اور اس پر وہ پوری پامردی سے جمے رہنا اکابر جمعیۃ کی ہمیشہ سے روایت رہی ہے، اس لیے ملک کو اس شدید بحران سے نکالنے کے لیے اپنا یہ فریضہ سمجھتی ہے کہ وہ ملک کے حساس اور سیکولر ذہن و مزاج اور امن پسند انسانیت دوست لوگوں کو آواز دے جن کی اس ملک میں اب بھی کمی نہیں ہے۔

مجلس عاملہ کے اجلاس میں یہ طے کیا گیا کہ فروری کے اوائل میں ملکی پیمانے پر ایک مشترکہ کانفرنس بلائی جائے اور ملک میں منتشر امن پسند، جمہوریت نواز اور سیکولرزم کے حامی لوگوں کو جمع کرکے ایک متحدہ محاذ قائم کیا جائے کیونکہ فاشزم کے مقابلہ کے لیے یہ اتحاد بہت ضروری ہے، انھیں جذبات کے ساتھ ''قومی اتحاد کانفرنس'' بلانے کا فیصلہ کیا گیا۔

مجلس استقبالیہ کی تشکیل

جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کی اس تجویز کے مطابق ۱۲ر فروری ۱۹۹۳ء کو دہلی میں قومی اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی، بہار کے گورنر ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی کی سرکردگی میں دہلی کے معزز شہریوں پر مشتمل مجلس استقبالیہ بنائی گئی، کانفرنس کے داعیوں میں مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کے علاوہ ڈاکٹر بشمبھر ناتھ پانڈے، ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی، مسز سبھدرا جوشی، ڈاکٹر علی محمد خسرو سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، کامریڈ مقیم الدین فاروقی، راجستھان کے سابق وزیر اعلیٰ شیو چرن ماتھر، ہریش بی ایم بھلہ، کے پی انی کرشنن، پروفیسر محمد امین، سید میر قاسم، ڈی آر گوئل جیسے ممتاز افراد کے اسماء گرامی ارکان مجلس استقبالیہ میں شامل تھے۔

خطبہ استقبالیہ

قومی اتحاد کانفرنس ۱۲رفروری ۱۹۹۳ءکو نئی دہلی کے فکّی آڈیٹوریم کے وسیع ہال میں منعقد ہوئی، صدر استقبالیہ ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوانی گورنر ریاست بہار نے اپنا خطبہ استقبالیہ پیش کیا، انھوں نے اپنے خطبہ میں کہا!

”ہمیں سیکولر جمہوریہ ہند کے ان بنیادی اصولوں پر قائم رہنے کا پھر سے عہد کرنا ہے جس میں ملک کے تمام شہریوں کے لیے آزادی، احترام انسانیت اور انصاف کو یقینی بنایا گیا ہے اور عوام کے سبھی فرقوں اور طبقوں سے تعلق رکھنے والے شہریوں کو مذہبی آزادی اور ثقافتی خودمختاری کی ضمانت دی گئی ہے اگر ایسی قوم پرستی مسلط کرنے کی کوشش کی گئی جس کی بنیاد ایک کلچر کی بالا دستی پر ہو تو ہندوستان کی حقیقی سیکولر روایات کو فروغ دینے میں رکاوٹ ہوگی۔“

صدر استقبالیہ کے خطبہ کے بعد فرقہ پرستی کے خلاف کانفرنس کی قرار دار مشہور فرقہ واریت مخالف صحافی ڈی آر گوئل کی تجویز کی تائید میں تقریر کرنے والے ہر سیاسی مکتبہ فکر کے نمائندے شامل تھے، سابق مرکزی وزیر مالیات مسٹر یشونت سنہا، کامریڈ مقیم الدین فاروقی، کے پی انی کرشنن، منی شنکر ایئر ممبر پارلیمنٹ، امیر بھائی مہتہ ایم پی، مسٹر سریندر رمیش، آر کے گرگ سینئر ایڈوکیٹ سپریم کورٹ، عظیم سائنسداں ڈاکٹر اے رحمٰن، وزیر اعلیٰ بہار لالو پرشاد یادو، کے این سنگھ سابق جنرل سکریٹری اے ایم، سی، بی، ارجن سنگھ مرکزی وزیر برائے انسانی وسائل، پروفیسر اے ایم خسرو سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، ڈاکٹر بشمبھر ناتھ پانڈے ایم پی سابق گورنر اُڑیسہ، پی شیو شنکر سابق مرکزی وزیر اور اجودھیا کی مشہور شخصیت اکشے برہمچاری تقریر کرنے اور اپنے جذبات وخیالات کا اظہار کرنے والوں میں شامل تھے۔ کانفرنس کی طرف سے جو قرار دار پیش کی گئی اس کا متن درج ذیل ہے:

”فاشسٹ قوتیں جو سنگھ پریوار کی صورت میں مجتمع اور متحد ہیں وہ نہ صرف

مسلمانوں اور کانگریسی حکومت کے لیے خطرہ کا باعث ہیں بلکہ ہمارے اصل قومی وجود کے لیے بھی سنگین خطرہ ہیں، تمام محبّ وطن شہریوں، افراد، پارٹیوں کو متحد ہوکر اس خطرے کا مقابلہ کرنا چاہیے، کانفرنس سبھی سیکولر، محبّ وطن پارٹیوں، تنظیموں اور افراد سے اپیل کرتی ہے کہ وہ سب اس سنگین خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے تمام اختلافات ختم کرکے متحد ہوجائیں، اور ایک آواز ہوکر اس چیلنج کا مقابلہ کریں، تمام سیکولر پارٹیوں کا تاریخی فرض ہے کہ وہ بڑھتی ہوئی فاشسٹ قوتوں کو ناکام بنادیں اور ملک کے عظیم قومی ورثے کی حفاظت کریں۔

کانفرنس کے بعد

بابری مسجد کی شہادت کے بعد پورے ملک میں پھوٹ پڑنے والے فسادات کا تانتا لگ گیا تھا، جس کی وجہ سے ہر دل اور ہر دماغ متاثر تھا، نفرت سے سلگتے ہوئے دل ودماغ فضا میں شعلے برسا رہے تھے، اور مجبور و بے بس انسان پاس وقنوعیت کا شکار ہوکر مستقبل سے مایوس ہورہا تھا، اس آگ برسانے والے موسم میں یہ کانفرنس بادِ نسیم بن کر اس کی شدت وحدت کو کم کرنے میں ایک حد تک کامیاب ہوئی، فسادات کا تسلسل ٹوٹنے لگا البتہ فضا میں مظلوموں کی آہیں اور کراہیں ضرور سنائی دے رہی تھیں، کیونکہ زخم کاری لگا تھا، لیکن دوبارہ وار کرنے کے امکانات اب ختم ہوچکے تھے، ملک کی فضا بتدریج معتدل ہوتی چلی گئی اور زندگی کی دوسری سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔

صدر محترم کا پارلیمنٹ میں خطاب

فروری ۱۹۹۳ء میں قومی اتحاد کانفرنس ہوئی جس میں فرقہ واریت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے مختلف طبقوں، پارٹیوں اور ممتاز ترین لیڈروں کو دعوت دی تھی، تاکہ اقلیت مزید تباہی سے بچ سکے، کانفرنس کے بیس بائیس دن بعد ۳/مارچ ۱۹۹۳ء کو مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ

علماء ہند بابری مسجد کی شہادت کے بعد پہلی بار پارلیمنٹ کے اجلاس میں شریک ہوئے اور بابری مسجد کے انہدام سے دل پر جو چوٹ لگی تھی جو زخم آئے تھے، اس کی ٹیس نے مجبور کیا کہ ایوانِ پارلیمنٹ میں اپنے درد و کرب کا اظہار فرمائیں آپ نے اس روح فرسا حادثہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا!

''نائب صدر صاحب!

آج ہمارے ملک میں جمہوریت، دستور، قانون، ڈسپلن لا اینڈ آرڈر سب خطرے میں ہیں، اور نہیں کہا جاسکتا کہ اگر یہ طاقتیں اسی طرح بڑھتی رہیں تو ملک کا کیا حشر ہوگا، تقریباً پانچ سو سال سے بابری مسجد میں ۱۹۴۹ء تک اس میں اذان اور نماز ہوتی رہی ۶ ردسمبر ۱۹۹۲ء کو وہی بابری مسجد کلیان سنگھ کے راج اور سازش سے پانچ بجے شام تک صرف گنبد ٹوٹا تھا یعنی دس فیصدی کے قریب مسجد ٹوٹی تھی، پانچ بجے انھوں نے استغفار دے دیا، یوپی کے گورنر راج میں باقی حصہ اس کا ٹوٹا، اسّی نوے فیصدی مسجد ٹوٹتی رہی، تقریباً ۳۶ ر گھنٹے تک مورتیاں بٹھائی گئیں، پھر دو دن بعد ایک پختہ پلیٹ فارم بنا کر مورتیاں نصب کر دی گئیں اور شامیانہ وغیرہ لگا دیا گیا، گورنر کی اجازت سے دوبارہ درشن اور پوجا وغیرہ شروع کر دی گئی، گورنر راج میں ۶ ردسمبر ۶ ر بجے شام کے بعد سب کچھ کرایا گیا، اور کسی قسم کی حفاظت کا انتظام نہیں کیا گیا، نہ اپنے کنٹرول میں لے کر مداخلت کو بند کیا، اس طرح وہاں ۲۶ ر مسجدیں توڑیں، تقریباً کوئی مکان بھی کسی مسلمان کا بچا نہیں، سب توڑے گئے، لوٹے گئے، دس گیارہ آدمیوں کی وہاں لاشیں بھی ملیں، وہاں بربادی ہوئی، بھاجپا وغیرہ نے کوئی دھارمک کام نہیں کیا بلکہ ہندو ووٹ بینک پکا کرنے کے لیے یہ تمام کام کر رہے، یہ پولٹیکل چال تھی ان کی، ڈاکٹر رادھا کرشنن صاحب نے جو سابق صدر جمہوریہ ہیں کہا ہے کہ یہاں کوئی مندر توڑ کر مسجد نہیں بنائی گئی سابق خارجہ سکریٹری مسٹر دوبے نے تاریخی مسجد تسلیم کی ہے، اور اس کے توڑنے

والوں کو دیوانوں سے تعمیر کیا ہے، موجودہ صدر جمہوریہ نے ان لوگوں کو اینٹی نیشنل کہا ہے، بابری مسجد ٹوٹنے کے بعد وہ جگہ پھر بھی مسجد ہے، اگر وہاں مسجد نہیں بنا سکے، تو پھر کسی اور جگہ مسجد بنانے سے مکافات ہونے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا، پرائم منسٹر صاحب نے لال قلعہ سے اس مسجد کی ہر قسم کی ہر قیمت پر تحفظ کا یقین دلایا تھا، بابری مسجد کی تاریخی حیثیت مسلم ہے بلکہ چند برسوں میں اس کو عالمی مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔ ۱۹۴۹ء میں چوروں کی طرح بت رکھ دیئے گئے تھے اور پولیس نے مسلمانوں کو نماز اذان جماعت وغیرہ سے زبردستی روکا، اور پہرہ مقرر کر دیا، افسوس ہے! کہ وہائٹ پیپر میں بھی اس کو ڈھانچہ سے تعبیر کیا گیا۔

۱۴ر فروری کو کلیان سنگھ نے سہارنپور میں تقریر کرتے ہوئے مسجد توڑنے پر فخر کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ ۱۸ر نومبر کو پرائم منسٹر نے ایک گھنٹہ تک کوشش کی اور کہا کہ کاغذات دیکھ لیے گئے ہیں، سب کچھ آپ کے حق میں ہوتا جا رہا ہے یہ طے ہے کہ رام مندر توڑ کر مسجد بنی ہے، کورٹ سے طے کرانے کے بعد کسی کو اعتراض کا حق نہیں رہے گا، موقع نہیں رہے گا، دفعہ ۱۳۸ کے تحت اب آپ دستخط کر دیں، مگر ہم تیار نہیں ہوئے اور گورنر راج میں دفعہ ۱۳۸ کے مطابق نہیں ۱۴۳ میں ریفر کیا گیا۔

تازہ ترین فسادات کا ذکر

بابری مسجد کے کے سلسلے میں ساری ذمہ داری برسراقتدار مرکزی حکومت کے سر آپ نے ڈالی، کلیان سنگھ دس فیصدی کا مجرم ہے، لیکن مرکزی حکومت ۹۰ فیصدی کی مجرم ہے، اس نے اپنا فرض، اپنی ذمہ داری ادا نہیں کی، قوم کے نام پیغام دیتے ہوئے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی اور عملاً اس کے انہدام میں شریک رہے، یہ دورُخی پالیسی مولانا موصوف نے اپنی تقریر میں ثابت کر دی، اور کسی کو اس سلسلے میں ٹوکنے کی ہمت نہیں ہوئی کیونکہ یہ حقیقت قابلِ انکار تھی جو صدر محترم نے پیش کی، بابری مسجد کے حادثہ کے بعد جو

مسلمانوں کا قتل عام ہوا ان کی معاشیات کو تباہ کیا گیا اور جس طرح ان کو پورے ملک میں جانی و مالی نقصان پہنچایا گیا، ان خون ریز فسادات کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے اپنے سلسلہ تقریر میں فرمای!

”ہندوستان کے ہندو ہوں یا مسلمان، سب ہندوستانی ہیں ان کا نقصان ملک کا نقصان ماننا ضروری ہے، فسادات میں دسمبر اور جنوری میں تقریباً ۶۵ / مقامات پر فسادات ہوئے اور ڈھائی تین ہزار کے قریب جانی نقصان ہوا۔ لوٹ مار، آتشزنی میں تقریباً ۴۴ ہزار ملین سے زیادہ نقصان ہوا، راہل بجاج اور مفت لال کی رپورٹیں ہیں کہ جلنے سے ممبئی میں چار ہزار کروڑ کا نقصان ہوا ہے، کارخانے بند ہونے سے ۳۰/ کروڑ روپے کا نقصان ہوا، ممبئی اسٹاک ایکسچینج کا ۳۰۰/ کروڑ کا نقصان، ٹورسٹوں کے نہ آنے سے کروڑوں کا نقصان، ایکسپورٹ کا سامان نہ جانے سے ایک ہزار کروڑ کا نقصان ہوا، نئے آرڈر نہ ملنے سے ایک ہزار کروڑ کا نقصان ہوا، ایران نے بھیلی کا دو ہزار کروڑ کا ٹھیکہ روک دیا، پارٹیوں نے اپنے آنے کے پروگرام کینسل کر دیئے، باہر کا روپیہ لگانے والے سب جھجک رہے ہیں، ہندوستان پوری دنیا میں بدنام ہوگیا، ان فسادات میں ہزاروں بے قصور لوگوں کو پکڑا گیا، جیلوں میں اب بھی بہت سے بند ہیں، بے قصور گرفتار شدگان کو مار مار کر ان کی ہڈّیاں توڑی گئیں، کھانے پینے سے محروم رکھا گیا، کوئی اور لانا چاہتا پرائیوٹ تعلق پر تو بھی نہیں لانے دیا گیا، کسی کو کھانا نہیں دیا گیا، کپڑا بدلنے، زخم دھونے دوا علاج نماز پڑھنے غرضیکہ کسی قسم کی سہولت نہیں دی گئی۔“

ایک نیا فتنہ کھڑا کیا گیا

جو لوگ دینی مدارس کے نصابِ تعلیم سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں ابتدائی دور میں چار ائمہ مجتہدین ایسے ہوئے ہیں، جنھوں نے احادیث وقرآن کی روشنی میں ہزاروں مسائل کا استنبات کیا، اور اپنی اپنی فقہ مرتب کی، اجتہادی

مسائل میں دلائل کے اختلاف سے مسائل میں بھی اختلاف ہوگیا، لیکن کوئی ایک دوسرے کوگمراہ سمجھتا ہے اور نہ غلط کار، یہ تمام اختلافی مسائل فقہ کی تمام کتابوں میں محفوظ ہیں، اور ہر عالم دین اُن سے واقف ہے، انھیں مختلف فیہ مسئلوں میں سے ایک مسئلہ طلاق کی ایک خاص قسم کا ہے کہ اگر ایک شخص بیک وقت بیک زبان ایک مجلس میں تین طلاق دے تو اس کو بعض امام تین کے بجائے صرف ایک طلاق مانتے ہیں، طلاق واقع ہونے سے انکار نہیں البتہ تین کے بجائے صرف ایک طلاق کا حکم اس پر لگاتے ہیں، ہزار سال سے یہ اختلاف چلا آ رہا ہے، اور کتابوں میں بند ہے، جو لوگ اس کو مانتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں، ہندوستان کے غیر مقلد حضرات بھی ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک مانتے ہیں، غیر مقلدین کا ایک ہفتہ وار اخبار ''ترجمان'' ہے، جو دہلی سے شائع ہوتا ہے، اس نے اپنی ایک اشاعت میں یہی مسئلہ شائع کر دیا۔ فرقہ بندی والی لڑائی تو ہندوستان کے مسلمانوں کے خمیر میں داخل ہے، دیو بندی بریلوی، حنفی، غیر مقلد، شیعہ سنّی میں سرد جنگ ہمیشہ جاری رہی، اب کی بات اس مسئلہ کی اشاعت کے بعد فرقہ پرست اخباروں نے اس مسئلہ کو خوب اُچھالا جیسے اندھے کے ہاتھ بٹیر لگ گئی، مزید ستم یہ کہ ذرائع خبر رسانی ریڈیو اور ٹیلی ویژن اخبارات سب نے اس مسئلہ میں دلچسپی لینی شروع کر دی، نام نہاد مسلم دانشور جو ہندوستان میں ضمیر فروشی کا ریکارڈ قائم کر چکے ہیں، انھوں نے اس مسئلہ کو اس انداز سے پیش کرنا شروع کر دیا، جیسے اسلام میں طلاق کا مسئلہ عورتوں پر بہت بڑا ظلم ہے۔ وہ سمجھنے لگے کہ مسلم سماج میں عورت ہمیشہ مظلوم رہی، انھوں نے اسلامی تعلیمات کو نشانہ بنانا شروع کر دیا کہ عورت کو پردے میں قید کر کے رکھا جاتا ہے، نہ تعلیم کی آزادی ہے نہ ملازمت کرنے کی اجازت، نہ بازار میں خریداری کر سکتی ہے، نہ بغیر نقاب کے کہیں جا سکتی ہے، صورت حال کو اتنا بھیانک بنا کر پیش کیا جانے لگا جیسے اسلام ایک دقیانوسی اور فرسودہ مذہب ہے، مسلمانوں کے مذہب میں عورت کی کوئی عزّت نہیں، اس کی حیثیت مسلم سماج میں ایک کنیز سے زیادہ نہیں اور پھر انھوں نے دبے لفظوں میں یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ مسلمانوں کے عائلی قوانین میں ترمیم کی سخت ضرورت ہے، تا کہ آج کے ترقی یافتہ

دور کے مطابق ہو جائے، پھر یہ اشارہ کیا کہ سب سے بہتر راستہ یہ ہے کہ پورے ملک میں یکساں سول کوڈ نافذ کر دیا جائے۔

بات اُٹھی تھی کہاں اور کہاں تک پہنچی

خوش فہمی یا نادانی

اہل حدیث یا غیر مقلدین نے جب یہ دیکھا کہ الیکٹرانک میڈیا بڑے بڑے قومی اخبارات ہمارے مسلک کی تائید اور ہم نوائی کر رہے ہیں، سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر ان کے مسلک کو خوب اُچھالا جا رہا ہے، تو وہ خوش فہمی یا غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے، اخبار ''ترجمان'' دہلی نے اس پبلسٹی کو اپنی بڑی کامیابی سمجھا، دارالعلوم دیو بند، جمعیۃ علماء ہند اور مسلم پرسنل لا بورڈ کو نصیحتیں کرنے لگے کہ ہمارے مسلک کو تسلیم کر لو، آج کا ترقی یافتہ طبقہ ہمارے مسلک کی ہم نوائی کر رہا ہے، مسلم سماج کے لیے ہمارا ہی مسلک حنفیوں کے مسلک سے زیادہ قابل قبول ہے، انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ ان کے مسلک کو وہ لوگ اچھال رہے ہیں جو ہمیشہ پورے اسلام ہی کو نشانہ بناتے رہے ہیں، آخر اس تائید و ہم نوائی میں کیا راز ہے، ایسا تو نہیں کہ وہ ہمارے ہی تیر سے ہمارا شکار کرنا چاہتے ہیں، اور اسی مسلک کی آڑ لے کر مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تبدیلی کے لیے راہ ہموار کرنے لگے ہوں، اسی ایک مسلک کا ان کو علم ہو جانے کی وجہ سے اسلام کے سارے عائلی قوانین کو فرسودہ اور نا قابلِ عمل کہہ کر یونیفارم سول کوڈ کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں، ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسلام کو مٹا کر ان کے تین طلاق کا مسلک تسلیم کر لیا جاتا ہے تو بحیثیت مسلمان ہونے کے کیا وہ اس کو منظور کریں گے؟ مجھے یقین ہے کہ وہ اس کا جواب نفی میں دیں گے، مگر پھر بھی دُشمنانِ اسلام نے ان کو استعمال کیا، اور وہ استعمال ہوئے، جن لوگوں کی پیشانیوں پر اسلام اور مسلمان کا نام سن کر بل آجاتا تھا وہ کیسے تین طلاق جیسے معمولی مسئلہ کو لے کر غیر مقلدین کو آسمان پر چڑھا رہے ہیں کاش اس کی سمجھ میں آجاتا۔

آتا تھا ان کی بزم میں مجھ تک نہ دورِ جام

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

یہ فتنہ خطرناک نتائج پیدا کرسکتا ہے

جمعیۃ اہلِ حدیث کے دانستہ یا نادانستہ اٹھائے ہوئے اس فتنہ کی وجہ سے مسلم پرسنل لا کے تحفظ کو سخت خطرہ لاحق ہونے کا اندیشہ پیدا ہونے لگا، جمعیۃ علماء ہند آزادی کے ابتدائی دور سے برابر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی حکومت سے ہمیشہ گارنٹی دینے کا مطالبہ کرتی رہی ہے، اور خود مسلمانوں کی دوسری تنظیم مسلم پرسنل لا بورڈ تو محض اسی مسئلہ کے لیے قائم ہی کی گئی ہے، اس طرح ہندوستان کے کسی مسلمان کو مسلم پرسنل لا میں ترمیم وتحریف یا ردو بدل کسی قیمت پر منظور نہیں، اور مجھے یقین ہے کہ اہل حدیث حضرات کے دلوں کی بھی یہی آواز ہوگی، مگر وہ غلطی اور نادانی کی وجہ سے اپنا کیس خود کمزور کرنے پر تُلے ہوئے تھے، یہ صورت حال جمعیۃ علماء ہند کے لیے ناقابل برداشت تھی، جب اس مسئلہ کی حمایت ومخالفت شباب پر تھی، اسی دور میں جمعیۃ علماء ہند نے مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا اور اس فتنہ کا پوری طاقت سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ لیا، اور طے کیا گیا کہ اس مسئلہ پر ۳ر۴ر اکتوبر ۱۹۹۳ء کو ماؤ لنکر ہال، رفیع مارگ، نئی دہلی میں ایک دوروزہ ''تحفظ شریعت کانفرنس'' بلائی جائے۔

تحفظ شریعت کانفرنس

تحفظ شریعت کانفرنس مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں ملک کے طول وعرض سے تقریباً چار ہزار علماء کرام مفتیان عظام مشائخ ذوی الاحترام اور دوسرے اہل علم و دانشور اور مفکرین اسلام شریک ہوئے کانفرنس دوروز تک چلتی رہی۔

کانفرنس کا مقصد فتنہ کا انسداد

یہ کانفرنس احناف اور اہل حدیث کے مسئلہ میں ثالث بننے کے لیے نہیں بلائی گئی تھی، اس لیے احناف کی حمایت اور غیر مقلدین کے مسلک کی تردید کا دُور دُور تک

کوئی ذکر نہیں تھا، کیونکہ یہ مسئلہ تو ہزار برس سے ہمارے درمیان موجود ہے، دونوں فریق کے دلائل ہماری کتابوں میں مفصل موجود ہیں، اس لیے ثالثی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی، کانفرنس کا اصل مقصد ان نام نہاد مسلم دانشوروں کو لگام دینی تھی، جو دین سے نابلد اور جاہل تھے اور دینی مسائل پر گفتگو کرنے کی جرأت کرتے تھے، اپنی رائے اور خیال کو مسلم سماج میں عام کرنا چاہتے ہیں، تاکہ عام مسلمان علماء کی گرفت سے نکل کر بے لگام ہو جائیں اور دین سے ان کا رابطہ کمزور ہو جائے، یہ کانفرنس تین طلاق کے مسئلہ میں اہلِ حدیث کی تردید کے لیے نہیں تھی، اور نہ اس کی ضرورت تھی جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کی تائید اس دعوت نامہ سے ہوتی ہے، جو مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے علماء کرام اور مفتیان عظام کے نام جاری کیا گیا تھا۔ دعوت نامہ کے الفاظ ہیں!

”ایک مجلس کی تین طلاق کے مسئلہ میں احناف اور اہل حدیث کا اختلاف ایک طویل عرصہ سے چلا آ رہا ہے، لیکن آج کل اس مسئلہ نے ایک ایسی شکل اختیار کر لی ہے کہ اگر اس کی جانب توجہ نہیں کی گئی تو اندیشہ ہے کہ آگے چل کر یہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ایک سنگین حادثہ بن جائے، نہ معلوم کس مقصد کے تحت اس مسئلہ کو مدرسہ اور دارافتاء سے باہر نکال کر میڈیا اور پریس تک پہنچا دیا گیا اور سارے ملک کے روشن خیال اور دانشور جو کہ بالعموم مغرب سے متاثر ہیں اور اسلامی احکام و مسائل کو اسلام کے تناظر میں دیکھنے کے بجائے مغربی فکر و نظر کے زیر اثر دیکھنے کے عادی ہیں، اس مسئلہ کے پریس میں آتے ہی انھوں نے اپنا موضوع بحث بنا لیا، حالانکہ یہ دانشور عام طور پر قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی سے واجبی حد تک بھی واقف نہیں ہیں تو ایسے لوگ دینی مسائل میں بحث و تحقیق کے مجاز کس طرح ہو سکتے ہیں۔

اسلامی علوم سے ناواقف ہونے کی بنا پر لوگ مسئلہ طلاق کی تشریح اس انداز سے کر رہے ہیں، جس سے نہ صرف ملت اسلامیہ اور فقہ اسلامی کی تضحیک اور رسوائی ہو رہی ہے، بلکہ اس کی آڑ میں مسلم پرسنل لا کے اندر

من مانی ترمیم وتنسیخ کا جواز بھی فراہم کیا جارہا ہے،جس کے لیے اسلام مخالف عناصر ایک عرصہ سے کوشاں ہیں چنانچہ اخبارات دیکھنے والوں پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اس مسئلہ کو بنیاد بنا کر مختلف حلقوں کی جانب سے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی آواز بلند کی جارہی ہے، اسی کے ساتھ علماء کو جمود پسند،تقلید پرست، حالاتِ زمانہ سے بے خبر،ترقی کی راہ میں روڑا بننے والے وغیرہ اہانت آمیز الفاظ سے نوازا جارہا ہے، تاکہ مسلم معاشرہ میں ان کی گرفت سے آزاد ہوکر من مانی ترمیم اور توڑ پھوڑ کا سلسلہ شروع کیا جاسکے، اور دین الٰہی کو بازیچہ اطفال بنادیا جائے، اور اس حکمتِ عملی کے ذریعہ دینی و مذہبی معاملات ان کی گرفت سے نکال کر اپنے قبضہ میں کرلیا جائے،غرضیکہ یہ ایک عظیم فتنہ ہے، جسے نیشنل پریس اور میڈیا کے ذریعہ عام کیا جارہا ہے،اس لیے اسلام اور مسلمانوں کی صلاح وفلاح کے لیے ضروری ہے کہ اس فتنہ کا پورے عزم وحوصلہ سے جم کر مقابلہ کیا جائے، اور اللہ کے دین کو ترمیم وتنسیخ سے بچانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگادی جائے، ورنہ اندیشہ ہے کہ ہماری آج کی لاپرواہی اور سہل انگاری ہماری ملّی شکست وریخت کا سبب نہ بن جائے۔

صورتحال کی اس سنگینی کے پیش نظر جمعیۃ علماء ہند نے ۳،۴/اکتوبر ۱۹۹۳ء بروز اتوار و پیر کو علماء کرام اور دینی احساس وشعور رکھنے والے مسلمانوں کو ایک کل ہند تحفظ شریعت کانفرنس کا اہتمام کیا جائے، جو انشاء اللہ تاریخ مذکور کو ماؤلنکر ہال رفیع مارگ نئی دہلی میں منعقد ہوگی،ملت کے ساتھ آنجناب کی مخلصانہ وابستگی کا تقاضہ ہے کہ آپ اس اہم اور ضروری کانفرنس میں شرکت کو اپنے دیگر امور پر ترجیح دیں۔

والسلام

اسعد مدنی

(صدر جمعیۃ علماء ہند)

اُو خویشتن گم است کہ رہبری کند

اندیشہ تھا کہ سازشی دماغ اور ذہن ومزاج کے لوگ اس کانفرنس کو مسلمانوں میں تفریق کا شاخسانہ ثابت نہ کرنے لگیں، اور اس کو خانہ جنگی سے تعبیر کر کے مسلمانوں کے وقار کو مجروح کرنے کی کوشش نہ کریں، اس لیے مولانا سید اسعد مدنی نے اس سازش کا راستہ بند کرنے کے لیے ایک پرہجوم پریس کانفرنس بلا کر ساری صورتِ حال اس کے سامنے پیش کر کے اس امکانی سازش کی پیش بندی فرما دی کیونکہ دُور اندیشی اور دانشمندی کا یہی تقاضا تھا، آپ نے پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا!

''جمعیۃ علماء ہند نے ۳/۴/اکتوبر ۱۹۹۳ء کو دہلی میں تحفظ شریعت کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جس میں ملک کے دو ہزار سے زائد ممتاز اور نامور علماء عظام اور مفتیان کرام کی شرکت متوقع ہے، اس سلسلے میں ایک وضاحت پیش خدمت ہے، ملک کی چار ریاستوں میں انتخابات کے اعلان نے ملک کو ایک اہم دوراہے پہ کھڑا کر دیا ہے، غالباً اس سے پہلے ملک کے سیکولر کردار کے سامنے اتنا بڑا چیلنج کبھی نہیں تھا، ملک کی فسطائی فرقہ پرست قوتیں اس موقع کو بھی ملک کی فضا کو مسموم کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہیں ''جن آدیش'' یاتراؤں کے ذریعہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے لیڈروں نے پھر فرقہ پرستی اور نفرت کا پرچار شروع کر دیا ہے، ان ''جن آدیش'' یاتراؤں کے بعد ملک کے چار مقامات پر فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے ہیں، فرقہ وارانہ فسادات کے سابقہ تجربات و مشاہدات سے یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ ان کا نشانہ خاص طور پر مسلمان ہوتے ہیں، اس وقت مسلمانوں کے وجود اور تشخص پر دوطرفہ حملے ہو رہے ہیں، آر، ایس، ایس، اور اس کی ذیلی تنظیمیں اپنے زیرِ اثر ہزاروں مسلح نوجوانوں کو مسلمانوں کو مسلمانوں کے جان و مال کی تباہی کے لیے سرگرم رکھتی ہیں۔

اب تک ہندوستان میں جتنی بھی حکومتیں برسرِ اقتدار رہی ہیں وہ

اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کو انصاف دلانے میں ناکام رہی ہیں، فسادات کے ذمہ داراوران میں ملوث افراداورعناصرکوتادیبی سزا دلانے میں بھی ان کوکامیابی نہیں ہوئی ہے، جمعیۃ علماء ہندنے اپنی ہرقرارداد میں مطالبہ کیا ہے کہ حکومت فسادات کے لیے افسران کوذمہ دارٹھہرائے، لیکن آزادی کے بعد کے ۴۶؍ برسوں میں اس سلسلے میں کوئی پیش قدمی نہیں ہوئی، اس کے برعکس آر،ایس،ایس، اوراس کی حلیف جماعتیں ہندو راشٹر کے نام پرعوام کوگمراہ کرنے کے علاوہ حکومت ہند کی مشینری میں دخیل ہونے کے لیے سرگرم ہیں، ان کو اس بات کی پروانہیں کہ ہندو راشٹر کا نعرہ ملک کے اتحاد کے لیے ایک سنگین خطرہ ہے، اوراس ملک کی سالمیت کوخطرے میں ڈال سکتا ہے، جمعیۃ علماء ہندکوافسوس اورتشویش ہے کہ فسادات کوموثر طریقہ سے روکنے کے بجائے ان پر پردہ ڈالنے کے لیے تحقیقاتی کمیشن اورکمیشن مقرر کیے جاتے ہیں، جن کی رپورٹ دیر سے ملتی ہے، توسرکاری الماریوں میں دیمک کاانتظار کرتی رہتی ہے۔

یہ بات باعث شرم ہے کہ جب عورتوں کوقتل یاجلایاجا تاہے، ان کی عصمت اوران کی ناموس کوسرِبازارتارتارکیا جا تاہےتو کوئی بھی ان کی دادرسی کے لیےنہیں آ تا، کبھی کسی کے احساسِ فرض شناسی نے جنبش نہیں کی کوئی ان کی دادرسی کے لیے آ گےنہیں بڑھا، لیکن اب اخباروں میں اسلام دُشمن طاقتوں نے مسلم مطلقہ کے پرانے مسئلہ کواُچھالا تو فرقہ پرست عناصران کی ہمدردی کے نام پر پوری قوت سے میدان میں آ گئے ہیں، سوال دراصل مسلم مطلقہ کانہیں بلکہ مسلم پرسنل لا کا ہے۔ آر، ایس، ایس، بی، جے، پی، اوران کی ہم نوا تنظیمیں ترقی پسندی کے نام پر کچھ نمائشی مسلمان، مسلمانوں اوران کے اسلام کومٹانے کی غرض سے یکساں سول کوڈ کے لیے راستہ ہموارکرنے میں لگےہوئے ہیں۔

یہ شورمسلم عورتوں کے ساتھ ہمدردی کی وجہ سےنہیں بلکہ اسلام اور

مسلم پرسنل لا کو نقصان پہنچانے کے جارحانہ عزم کی بنیاد پر ہے، اگر مسلم خواتین سے مخلصانہ ہمدردی ہوتی تو جس وقت پچاسوں مسلم خواتین اور بچے زندہ آگ میں جلائے جارہے تھے یہ عناصر سینہ سپر ہوکر میدان میں اڑے رہتے۔ جمعیۃ علماء ہند یہ بات پوری بے باکی سے کہہ دینا چاہتی ہے کہ مسلم پرسنل لا میں کسی قسم کی مداخلت ہرگز برداشت نہیں کی جائے گی، اسلامی شریعت اور ملت اسلامیہ کو درپیش مسائل اور امکانی خطرات پر غور کرنے اور ان کے سدباب کے لیے نیز مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی سرکاری و غیرسرکاری کوششوں اور سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے ''تحفظ شریعت کانفرنس'' کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا ہے، جس میں ملک کے دو ہزار سے زائد علماء کرام اور مفتیان عظام اور مسلم دانشور شرکت کریں گے۔

خطبۂ استقبالیہ

کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے صدر مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند تھے، انھوں نے جو خطبۂ استقبالیہ پیش کیا وہ اپنے انداز بیان، علمی تحقیق اور اسلام کی ترجمانی کے لحاظ سے ان کی شایانِ شان بھی تھا اور قابلِ غور وفکر بھی، انھوں نے کانفرنس کے مقاصد اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے تمام صداقتوں کو غیر مبہم لفظوں میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ!

''ادھر تقریباً سات آٹھ مہینوں سے ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کا مسئلہ اخبارات و جرائد میں بحث و مباحثہ کا خاص موضوع بنا ہوا ہے، اور عام طور سے پیش پیش ماڈرن سوسائٹی سے وابستہ وہ لوگ ہیں جو صحافتی دنیا میں دانشور اور روشن خیال کے نام سے پکارے جاتے ہیں، اور جانے پہچانے جاتے ہیں، جن کی اکثریت عربی زبان و ادب سے نابلد ہونے کی وجہ سے براہِ راست قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کا مطالعہ کرنے سے قاصر ہیں اس لیے دیگر اسلامی موضوعات کی طرح طلاق کے

موضوع پر بھی یہ دانشور لکھ رہے ہیں۔اس میں وہ اسلام کی کم اور مغربی مستشرقین کی ترجمانی زیادہ کرتے ہیں،جن کے یہ بالواسطہ یا بلاواسطہ زلّہ ربا اور خوشہ چیں۔"

صدر استقبالیہ نے نام نہاد مسلم دانشوروں اور روشن خیال اور ترقی پسند مسلمانوں کے مبلغ علم سے روشناس کراتے ہوئے فرمایا کہ وہ درحقیقت اس موضوع پر گفتگو کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے، کیونکہ وہ اس علم سے کورے ہیں جس علم کے ذریعہ اس مسئلہ کی تہہ تک پہنچا جاسکتا ہے خواہ مخواہ اسلام کی ترجمانی کرنے کے لیے آگے آگئے ہیں، جبکہ ان کو اس موضوع پر گفتگو کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، پھر آپ نے ان لوگوں کی نشاندہی فرمائی جو مسلمانوں کے خالص مذہبی مسئلہ کی آڑ لے کر مسلم خواتین کو مظلوم اور بیکس قرار دے کر مگرمچھ کے آنسو بہا رہے ہیں، اور خود ان کو اپنے گھر کی خبر نہیں کہ وہاں عورت ذات پر کتنے مظالم ہوتے ہیں،ان کے ساتھ کتنا غیر انسانی سلوک کیا جاتا ہے۔کنیزوں اور لونڈیوں سے بدتر زندگی گذارنے پر مجبور کیا جاتا ہے، بلکہ ان کے سماج میں عورت بے زبان جانور سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی، وہ مسلم خواتین کی مظلومیت پر اظہار ہمدردی کا ڈرامہ کرتے ہیں، نیتوں میں فتور ہے، ان کے دل کا چور یہ ہے کہ وہ اسلام کو برداشت نہیں کرپا رہے ہیں،اس لیے انھوں نے اس مسئلہ کی آڑ لے کر درحقیقت اسلام پر اعتراض کرنے کا بہانہ ڈھونڈا ہے،صدر استقبالیہ نے اپنے خطبہ میں اس جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ!

"اس طرح غیر مسلم معاشرہ میں جہیز کے معاملہ میں عورتوں کے دلدوز قتل کے واقعات کی خبروں سے اخبارات کے کالم بھرے رہتے ہیں، لیکن کبھی یہ مسائل تین طلاق کے موضوع کی طرح اخبارات میں زیر بحث نہیں لائے گئے، پھر کیا یہ باتیں یہ سمجھنے کے لیے کافی دلیل نہیں کہ تین طلاق کا مسئلہ ان سیاسی بازیگروں کا اُچھالا ہوا ہے، جو ہوتے کچھ ہیں اور نظر کچھ آتے ہیں:

ہیں کواکب نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا

صدر استقبالیہ نے اپنے خطبہ میں اس بات پر بھی روشنی ڈالی کہ اسلام نے عورت کے مقام و مرتبہ کو جتنا بلند، جتنا محترم، جتنا قابلِ رشک اور شاندار بنایا ہے، وہ دنیا کے کسی معاشرے میں نہیں ہے، جو لوگ اسلام میں عورت کے درجہ پر اعتراض کرتے ہیں، ان کے یہاں عورت جس پست ترین سطح پر رہتی ہے ان کو نظر نہیں آتا، دوسروں کی آنکھوں میں تنکا دیکھنے والوں کو پہلے اپنی آنکھوں کی شہتیر کو دیکھ لینا چاہیے کہ آپ نے اس سلسلے میں فرمایا!

"لیکن نفسیاتی کمزوری کو کیا کہا جائے، جھوٹ کو اگر بار بار دہرایا جائے تو سماج اس کو حقیقت سمجھ کر اپنا لیتا اور سچ کہنے والے اس کی نظر میں جھوٹے معلوم ہونے لگتے ہیں، عورت کے بارے میں مغرب کا موقف اسی نوعیت کا ہے، اس نے قوانین فطرت کے خلاف ہمیشہ کذب بیانی کی ہے، مگر اب وہ اپنے جھوٹ کو اس قدر کثرت سے دہراتے ہیں کہ سطحی ذہن وفکر کے لوگ اُسے سچ باور کر لیتے ہیں، یہ کس قدر حیرتناک اور الم انگیز فریب ہے کہ اسلام جو عورت کو گھر کی رانی اور خاندان کی ملکہ کا درجہ عطا کرتا ہے، اس پر تو عورت کی تحقیر اور آزادی نسواں پر ظالمانہ قدغن لگانے کا الزام تھوپا جا رہا ہے اور جو عورت کو آزادی نسواں کے پُر فریب نام سے ماڈرن گرل، ڈانسر، اداکارہ وغیرہ بنا کر اس کے تقدس کا سرِ بازار سودا کرتا ہے وہ اس کا نجات دہندہ اور عزت بخشنے والا ہو گیا:

زخم کو پھول تو صرصر کو صبا کہتے ہیں
جانے کیا دور ہے، کیا لوگ ہیں، کیا کہتے ہیں

صدر استقبالیہ نے پھر تین طلاقوں کے بارے میں فقہ اسلامی میں جو تفصیلات ہیں اور جو احادیث اور قرآن سے جو ثابت ہے، اس کو دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے، اور اپنے ہر دعویٰ کو مدلل و مبرہن کیا ہے، آپ نے خطبہ کے آخر میں درد بھرے لہجہ میں فرمایا کہ ہماری زبوں حالی ہمارے دشمنوں کی مدد کر رہی ہے، وہ مسلمانوں کی عملی زندگی کے نقائص کو اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے دوری کے لیے استعمال کر رہے ہیں،

ہمارے دشمن تو ان چیزوں میں شاطر اور عیار ہیں مگر سادہ لوح انسان بھی اس لیے معذور ہیں کہ وہ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو مسلمانوں کی عملی زندگی سے ممتاز کرنے پر قادر نہیں، وہ ہماری کوتاہیوں اور خرابیوں کی تصویر میں مذہب اسلام کو دیکھتے ہیں، تو اسلامی تعلیمات سے گرویدگی اختیار کرنے کے بجائے ان سے دور بھاگتے ہیں، اس لیے ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے حالات کو درست کریں۔

مندوبین اور نمائندے

کانفرنس اپنے اجتماع اپنے مسائل کے تصفیہ اور موضوع زیر بحث پر مفصل روشنی ڈالنے میں کامیاب رہی، اس کانفرنس میں ہندوستان کی چودہ ریاستوں سے مندوبین اور بحث میں شریک ہونے والوں کی تفصیل یہ ہے کہ اتر پردیش سے ۲۲۱۸ / دہلی شہر سے ۲۱۴ / راجستھان سے ۹۴ / اُڑیسہ سے ۶۰ / مدھیہ پردیش سے ۳۰ / بہار سے ۳۱۹ / ہریانہ پنجاب ہماچل پردیش سے ۳۰۲ / کرناٹک سے ۹۰ / منی پور سے ۳ / نیپال سے ۶ / مغربی بنگال سے ۳۴ / مہاراشٹر سے ۱۹ / گجرات سے ۳۰ / کیرالہ سے ۵ / مندوبین کانفرنس میں شریک ہوئے۔

خطبہ صدارت

اس دوروزہ کانفرنس کی صدارت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی تھی، خطبہ استقبالیہ کے بعد صدر محترم نے اپنا خطبہ صدارت پیش کیا، جس میں جن باتوں پر خاص طور سے زور دیا گیا، ان میں فرقہ پرستوں کی دورُخی پالیسی اور رویہ کی سخت مذمت کی گئی تھی، آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ آج وہ لوگ مطلقہ مسلم عورت کی مظلومیت کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں جو آج تک ان گنت مسلم عورتوں اور بچوں کو نیزوں پر اُچھالا ہے، جانوروں کی طرح ذبح کیا ہے، انتہائی قساوتِ قلبی، درندگی و بہیمیت کا سب سے کربناک مظاہرہ یہ کیا کہ دہکتی ہوئی آگ میں ان کو زندہ جلایا، وہی لوگ آج مسلم مطلقہ عورت پر ٹسوے بہارہے ہیں اور مگر مچھ کے آنسو رو رہے ہیں، اس طرح یہ

اسلام دشمن لوگ قلعہ اسلام میں نقب لگانے کی کوشش میں مصروف ہیں، نام نہاد مسلم دانشوروں نے ضمیر فروشی کی حد کردی کہ ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں، آپ نے اپنے سلسلہ بیان میں فرمایا کہ!

"اس وقت مسلمانوں کے وجود و تشخیص پر دوطرفہ حملے ہو رہے ہیں ایک طرف آر، ایس، ایس، اوراس کی ذیلی تنظیمیں اوراس کے زیر اثر لاکھوں مسلح جوان مسلمانوں کے جان و مال مآثر و معابد کی تباہی کے لیے سرگرم عمل ہیں، بابری مسجد کی انتہائی اذیت ناک شہادت اوراس کے بعد ملک کے مختلف علاقوں میں خونی ہنگامہ اس کی زندہ مثال ہے، یہ کس قدر افسوس اور شرم کی بات ہے کہ اپنے تمام اختیارات اور ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال کر ہماری سیکولر حکومت ان ساری ظالمانہ کارروائیوں کو ایک تماشائی کی طرح دیکھتی رہی، دوسری طرف اسلامی تعلیمات اوراحکام کو ہدف ملامت بنانے کا عمل پوری قوت کے ساتھ جاری ہے، مسلم مطلقہ عورتوں کی مفروضہ مظلومیت اور نام نہاد نمائشی ہمدردی کی آڑ میں اسلام مخالف عناصر نہ صرف اسلام کے ضابطہ اخلاق پر بلکہ براہ راست اسلام اور حاملین دین پر انتہائی بے باکی کے ساتھ حملے کر رہے ہیں، جبکہ آئے دن ہونے والے فسادات میں نہایت بے رحمی کے ساتھ زندہ عورتوں اور بچوں کو آگ میں جھونک دیا جاتا ہے، بیشمار عورتوں کو بیوہ اور ان کے بچوں کو یتیم اور بے سہارا بنادیا جاتا ہے، مگران بے محابا اور بے پناہ مظالم کی شکار بیوہ عورتوں اور بے سہارا یتیم بچوں پر کسی کو ترس نہیں آتا، کسی کی رگ ہمدردی نہیں پھڑکتی، آخر یہ دوغلی اور دورُخی پالیسی کس بات کی غماز ہے؟

اسے بدقسمتی ہی کہنا چاہیے کہ مسلمانوں کا وہ طبقہ جو صحیح اسلامی تعلیمات سے نابلد اور مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے اسلام مخالف طاقتوں کا شریک کار بن گیا ہے، جس سے مخالفین اسلام کا حوصلہ بہت بلند ہوگیا ہے، اور وہ کھل کر مسلم پرسنل لا میں ترمیم اور تبدیلی کی باتیں کرنے لگے ہیں۔"

مولانا سید اسعد مدنی نے اپنے خطبہ صدارت میں موجودہ دور کے مغرب زدہ مسلم دانشوروں کی بھی نقاب کشائی فرمائی ہے، آپ نے تاریخ کے حوالوں سے بتایا کہ آج کے روشن خیال، ترقی پسند مسلم دانشوروں کی ضمیر فروشی اور اسلام بیزاری پر ہم کو کوئی حیرت اس لیے نہیں ہوئی کہ جب برطانوی حکومت اپنے جاہ وجلال کے ساتھ ہندوستان پر چھا گئی، تو اسی طرح کے مسلم دانشور اور ترقی پسند طبقہ نے انگریزی اقتدار کی چوکھٹ پر سجدہ ریزی کر کے اسلامی تعلیمات میں کیڑے نکالنے شروع کردیئے تھے، قرآن وحدیث کی من مانی تفسریں کر کے اسلام کے تقدس کو پامال کرنے کی مہم شروع کردی تھی، یورپین تہذیب کے مقابلہ میں اسلامی تہذیب کو دقیانوسیت اور وحشیانہ طور طریق کہنے لگے تھے، اور اپنا پورا زور لگا دیا تھا کہ مسلمان اپنی تہذیب و ثقافت کوردی کی ٹوکری میں ڈال کر جدید تہذیب اختیار کرلیں، عورتوں کو چراغ خانہ کے بجائے شمع محفل بنانے کی جدوجہد شروع کردی تھی، وہ تو ہمارے صاحب عزیمت علماء تھے کہ انھوں نے اسلام کی آغوش میں پلنے والے ان ناگوں اور اژدہوں کے پھن پر مسلسل ضرب لگاتے رہے اور اس کے بھیجے سے سارا زہر نکال کر رکھ دیا ورنہ آج سے سوسال پہلے ہی یہ روشن خیال مغرب زدہ طبقہ اسلام کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو چکا ہوتا، آج بھی اس قبیلہ کے لوگ وہی طریقہ عمل اختیار کررہے ہیں، جو کبھی ان کے پیشروؤں نے اختیار کیا تھا، لیکن ان کے پیشرو جس طرح علماء کی جدوجہد کی وجہ سے ناکام رہے، آج کا بھی نام نہاد دانشور طبقہ اپنی خول میں بند ہو کر رہ جائے گا اور خورشید اسلام اپنی تابانیاں لٹاتا رہے گا، ان نام نہاد مسلم ترقی پسند اور روشن خیال طبقہ نے جتنی قوت سے مغربی تہذیب کو مسلمانوں میں پھیلانا چاہا تھا، اس سے زیادہ طاقت سے علماء دین نے ان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کردیں اس لیے وہ طبقہ علماء دین اور حاملین شریعت سے زندگی بھر ناراض رہا، اس لیے وہ ان کے وقار کو مجروح کرتا رہا، وہ دن ہے اور آج کا دن کہ روشن خیال بننے والے ان مسلم دانشوروں کو علماء اسلام سے ہمیشہ کدر رہا، کیونکہ وہ اپنے پیشروؤں کے نقش قدم پر چل رہے تھے، اور علماء اسلام اپنے اسلاف کے نقش قدم پر، وہی طبقہ آج فرقہ پرستوں کی آواز میں آواز ملا کر مسلم

مطلقہ عورت کے مسئلہ کو ہوا دے رہا ہے، جس طرح علماء اسلام تاریخ کے اس موڑ پر کامیاب رہے، تاریخ کے اس دور میں بھی وہ انشاء اللہ کامیاب ہوکر رہیں گے، صدر محترم نے اسی روشن خیال طبقہ کے بارے میں اظہار خیال فرماتے ہوئے کہا!

”انھیں تو وہی سب کچھ کرنا ہے جس کا سبق انھوں نے اپنے مغربی اساتذہ سے حاصل کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کے اس غیر معقول رویّہ سے نہ صرف ملت اسلامیہ کی تضحیک کا سامان فراہم ہورہا ہے، بلکہ اسلام مخالف عناصر کو مسلم پرسنل لا میں ترمیم وتبدیلی کے لیے آواز بلند کرنے کا حوصلہ مل رہا ہے، چنانچہ مختلف حلقوں سے یہ آواز اُٹھائی جارہی ہے، مگر یہ دانشور کہلانے والے چپ وراست سے آنکھیں بند کرکے شوق تجدد اور جوش مغربیت نوازی میں اپنے قلم سے دین اور احکام ومسائل میں رخنہ اندازی میں مصروف ہیں۔“

صدر محترم نے آخر میں عوام وخواص کو مخاطب کرتے ہوئے پوری قوت ایمانی سے فرمایا کہ!

”وقت آج آپ سے انھیں بے لوث قربانیوں اور مخلصانہ دعوت وتبلیغ کا تقاضا کررہا ہے، اگر آپ اپنے اسلاف اور بزرگوں کے سچے جانشین اور لائق سپوت ہیں، تو آپ وقت کے اس تقاضے کو پورا کرنے کے لیے تن من دھن سے تیار ہوجائیں، اور اپنی زبان ہی سے نہیں بلکہ اپنے عمل اور کردار سے دنیا پر واضح کردیں کہ جب تک صفحۂ گیتی پر ہمارا وجود ہے، ہندوستان میں اسلام، تعلیمات اسلام اور مسلم تہذیب باقی اور زندۂ وپائندہ رہے گی۔

تجاویز

کانفرنس کا دوسرا دن تجاویز کے لیے خاص تھا، ہر تجویز کی ترتیب کے لیے ایک ایک کمیٹی بنا دی گئی تھی، ہر ایک نے شب میں اپنی اپنی تجویزیں مرتب کرلی تھیں، دوسرے دن کے اجلاس میں یہ تجویزیں پیش کی گئیں جو تعداد میں تیرہ تھیں، کانفرنس کا

خاص موضوع عورت کا مظلومیت کی آڑ لے کر مسلم پرسنل لا میں ترمیم اور یکساں سول کوڈ کو منظور کر لینے کے لیے مسلمانوں کو آمادہ کرنے کی سازش، اور عورت کی آزادی کا بھی ایک پہلو تھا، اس لیے جو تجویزیں اس سلسلے میں پیش کی گئیں وہی حاصل کانفرنس تھیں، کیونکہ کانفرنس اسی موضوع پر بحث کے لیے بلائی گئی تھی، یہاں ان تمام تجویزوں کو نقل کرنا دُشوار ہے۔

یکساں سول کوڈ پر تجویز

یہاں صرف ایک تجویز جو مسلم پرسنل لا اور یکساں سول کوڈ سے متعلق ہے نقل کی جاتی ہے، نتیجہ کے لحاظ سے فتنہ اُٹھانے والوں کا مقصد مسلمانوں کے عائلی قوانین میں ترمیم بلکہ پورے ملک میں یکساں عائلی قانون کے نفاذ کے لیے رد کرنا تھا، اس تجویز کا متن تھا:

"یہ کانفرنس اس اعلان کو بھی ضروری سمجھتی ہے کہ اسلامی تعصّبات اور اسلامی احکام سے ناواقف مغربی لادینی افکار و ثقافت سے متاثر افراد و اشخاص دینی معاملات میں اسلام کے نمائندہ نہیں ہیں، اس لیے مسلم پرسنل لا اور دیگر مذہبی مسائل و معاملات میں ان کی رائے اور بیانات مسلمانوں پر حجت نہیں ہوں گے بلکہ ان کی حیثیت ذاتی رائے اور شخصی خیال کی ہے، جن کی عامۃ المسلمین کے نزدیک کوئی حقیقت و وقعت نہیں ہے۔

مسلمانوں کی یہ نمائندہ کانفرنس پوری وضاحت کے ساتھ یہ اعلان کر دینا بھی اپنا فرض سمجھتی ہے کہ جو لوگ مسلم پرسنل لا میں ترمیم یا یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی باتیں کرتے ہیں، وہ نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں بلکہ ملک کے بدخواہ ہیں، ان کے اس رویّہ کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے۔"

عورتوں کی مظلومیت کے مسئلہ پر تجویز

دوسری اہم ترین تجویز مسلم عورتوں کی مظلومیت کو بہانہ بنا کر عورت کو آزاد، خود

مختار اور بے پردہ کر کے ان کو ملازمتوں اور نوکریوں میں گھسیٹنے کی سازش ہو رہی تھی اس سے متعلق تھی، یہ تجویز، جواب بھی ان باتوں کا جو عورت کو آزادی کا خواب دکھا کر بازاروں اور سڑکوں میں بے پردہ گھمانا چاہتے ہیں، تجویز ذرا لمبی ہے اس کے خاص خاص جز یہاں پیش کیے جاتے ہیں، تجویز میں ابتدائی تمہید کے بعد کہا گیا۔

"چونکہ عفت عورت کا حقیقی جمال اور حیا اس کی اصل زینت ہے، اس لیے اسلام عورت کی عفت و پاکیزگی کو خصوصی اہمیت دیتا ہے اور اس کے لیے مستقل ایک نظام عفت بنایا ہے، پردہ جس کا ایک اہم جُز ہے، جس کے ذریعہ عورت کو فطری پاکیزگی عطا کرتا اور اس کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے، جبکہ مغرب جو اپنے کو ترقیٔ نسواں کا سب سے بڑا علمبردار ظاہر کرتا ہے عورت کی عفت کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا ہے، اس لیے پردے کا اس کے یہاں نہ صرف یہ کہ کوئی تصور ہی نہیں بلکہ مرد و عورت کا بیباکانہ اختلاط، آزادیٔ نسواں کی علالت ہے، عورت سے متعلق مغرب کے اس غیر فطری رویہ کا غیرت سوز اور عبرتناک انجام یہ ہے، کہ آج مغربی دنیا میں بدکاری عام ہے، اور سالانہ لاکھوں دوشیزائیں ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونے سے پہلے ہی ماں بن جاتی ہیں، ہزاروں بن باپ کے بچے وجود میں آجاتے ہیں، جو اپنے ساتھ نہ جانے کتنے لاینحل مسائل بھی لاتے ہیں، جن کے بوجھ تلے مغربی تہذیب کراہ رہی ہے، مغرب زدہ ماڈرن تہذیب کے پرستار مسلم تہذیب کو بھی اس مصیبت میں مبتلا کرنے کی تگ دو کر رہے ہیں اور عورتوں کو خود کفیل بننے کا سنہری خواب دکھا رہے ہیں، اور اپنے فریب سے خاتونِ اسلان کو جسے اسلام نے گھر کی ملکہ بنا کر عفت و تقدس عطا کیا ہے، خانہ بدر کر کے ماڈرن گرل، ایر ہوسٹس، ڈانسر، گلوکارہ اور دکان دفتر کی ملازمہ وغیرہ بنا کر اس کے تقدس اور پاکیزگی کا سر بازار سودا کرنا چاہتے ہیں۔

یہ اجلاس مسلمانوں کو آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ مغرب کے ان

ہوس پرست دلالوں سے ہوشیار رہیں، مسلم عورتوں کو اسلامی پردے کا پابند کریں، بلاضرورت انھیں بازاروں اور گلی کوچوں میں پھرنے سے روکیں۔"

دوسری تجاویز

ان دو تجویزوں کے علاوہ گیارہ تجویزیں ملکی اور غیر ملکی مسائل پر پیش ہوئیں جن کی اجمالی فہرست یہ ہے ل

(۱) مسلم معاشرہ میں اسلامی تعلیمات و شریعت کی تجویز

(۲) عورتوں کا حق وراثت

(۳) اصلاح معاشرہ

(۴) عصری علوم سے متعلق تجویز

(۵) حالیہ زلزلہ سے متعلق تجویز

(۶) ٹاڈا کے بیجا استعمال پر تجویز

(۷) بابری مسجد کی تعمیر نو سے متعلق تجویز

(۸) فلسطین اور اسرائیل کے معاہدہ سے متعلق تجویز

(۹) بنگلہ دیش اور درانداز ی پر تجویز

(۱۰) عالم اسلام کے حالات پر تجویز

لاتور اور عثمان آباد میں زلزلہ

تحفظ شریعت کانفرنس سے دو دن پہلے مہاراشٹر کے دو اضلاع عثمان آباد اور لاتور میں اس صدی کا سب سے بڑا اور خوفناک زلزلہ آیا، اس زلزلہ نے اس علاقہ کے بڑے بڑے اسّی گاؤں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، نہ مکان رہے نہ مکین، سارے مکانات کھنڈر ہو گئے، سارے مکین اپنے اپنے گھروں کے ملبوں میں دب کر راہی عدم ہو گئے، یہ زلزلہ ۳۰؍ستمبر ۱۹۹۳ء کو رات کے چار بجے آیا جب لوگ اپنے گھروں میں گہری نیند

سوئے ہوئے تھے، اس زلزلہ نے ان کو ایسی نیند سلا دیا کہ پھر اس سے جاگنا ممکن نہیں رہا، اخباری رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ اس زلزلہ میں چالیس ہزار سے پچاس ہزار کے قریب موت کی نیند سو گئے، یہ سارا علاقہ ہندو آبادی کا تھا بعض گاؤں میں کچھ مسلمان بھی آباد تھے، ایک گاؤں میں صرف ایک مسجد تھی قدرت کا یہ عجیب کرشمہ تھا کہ آبادی کا کوئی مکان کھڑا نہیں رہا، لیکن مسجد پر اس زلزلہ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

متاثرہ مقامات کا دورہ

صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی ۴؍ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو تحفظ شریعت کانفرنس سے فارغ ہوئے، اسی دن بذریعہ ہوائی جہاز لاتور اور عثمان آباد کے اس علاقہ میں پہنچ گئے جو اب ایک کھنڈر کی شکل اختیار کر چکا تھا، اس علاقہ میں جماعتی کارکنوں نے صدر محترم کا استقبال کیا، آپ آٹھ دس رفقاء کے ساتھ زلزلہ سے تباہ علاقے میں تشریف لے گئے، وہاں کا منظر بڑا ہی عبرتناک تھا۔

دورے سے واپسی پر آپ نے ریلیف کمیٹی کی تشکیل کی اور کام کی ہدایت فرمائی، امدادی کام کے آغاز کے لیے پچاس پچاس ہزار روپے ریلیف کمیٹی کے حوالے کیے اور تاکید فرمائی کہ کام فوراً شروع کر دیا جائے، مزید ایک لاکھ کی دوسری قسط دینے کا اعلان فرمایا، آپ نے گھائل اور زخمی ہونے والوں سے اسپتال میں ملاقات کی اور ان کو تسلی و تشفی دی اور ۶؍ اکتوبر کو لاتور اور عثمان آباد سے واپسی ہوئی۔

ہر مرحلہ پر سازش

کچھ لوگوں کو مسلمانوں کا وجود ہندوستان میں بالکل برداشت نہیں ہو رہا ہے اور وہ ان کو اس سرزمین سے نکال دینے کا خواب دیکھ رہے ہیں، کچھ فرقہ پرست اقتدار پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کی قانونی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے بھی مسلم دشمنی پر آمادہ ہیں، بہر حال دونوں طبقے مسلمانوں سے بغض و عداوت ہی نہیں ان کے وجود ہی کے دشمن ہیں اور جب کہیں مسلمانوں کا تعلق قومی و ملکی معاملات سے ہوا،

وہاں ان کی طاقت کو مٹادینا یا کم ازکم کمزور کردینا ان کے لیے ضروری ہوجاتا ہے، فرقہ پرستوں کا یہ خلاف انسانیت کھیل آسام کے مسلمانوں کے ساتھ ایک عرصہ سے جاری ہے، پہلے یہ مہم چلائی گئی کہ آسام کے مسلمانوں کی مجموعی تعداد کو کم کردیا جائے تاکہ آسام کے وسائل پر ہمارا زیادہ سے زیادہ اختیار ہو، دوسری مہم یہ چلائی گئی کہ اگر بروقت ان کو نکالنے میں پوری طرح کامیابی نہ ہوتو ووٹر لسٹوں سے ان کے نام نکال دیئے جائیں، کیونکہ وہ ہر حال میں فرقہ پرستوں کے خلاف اپنی رائے دیں گے، یہ فرقہ پرستوں اور سیکولر نمائندوں میں ہمیشہ سیکولر نمائندوں ہی کو ووٹ دے کر ان کو کامیاب ہونے کا موقع دیں گے، اور بہت سے مقامات پر فرقہ پرستوں کے نمائندوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑے گا، ووٹر لسٹ سے نام خارج کرنے کا ایک فائدہ بروقت تو یہ حاصل ہوگا کہ فرقہ پرستوں کی کامیابی کے امکانات بڑھ جائیں گے، اور پھر مستقبل میں اسی بنیاد پر ان کو غیر ملکی ثابت کرنا آسان ہوجائے گا، اور ان کو آسام سے نکال کر اپنی راہ کا سنگ گراں دور کردیا جائے گا، چنانچہ اس مہم کا تلخ ترین نتیجہ آسام کے مسلمانوں کے حق نکلا تھا، مسلمانوں کو ٹرکوں اور بسوں میں بھر بھر کر وحشیانہ جبر وتشدد کے ساتھ بنگلہ دیش کی سرحد کے اندر ڈھکیلا جاچکا تھا۔

ہندوستان گیر سازش

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے اس مسئلہ پر پارلیمنٹ میں بیان دیتے ہوئے کہا تھا، کہ ہمارے ملک میں مسلمانوں کا وجود فرقہ پرستوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا اس لیے وہ برابر فسادات کرکے مسلمانوں کی تعداد کم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، لیکن مسلم کش فسادات سے بھی ان کی تعداد کم نہیں کی جاسکی تو اب ان کا سیاسی وزن کم کرنے کے لیے اور بڑی تعداد میں ان کو ملک بدر کرنے کے لیے ووٹر لسٹوں سے ان کے نام حذف کیے جارہے ہیں، آسام کے مسلمانوں پر تازہ مصیبت یہ آئی ہے کہ وہاں کی ووٹر لسٹوں سے تیس لاکھ مسلمانوں کے نام حذف کردیئے گئے ہیں، آسام میں مسلمانوں کے خلاف فرقہ پرستوں کا تجربہ کامیاب رہا، اس لیے وہ

اس تجربے کو پورے ملک میں دہرانا چاہتے ہیں،صورت حال یہ ہے کہ فرضی اور موہوم خطرات کی بنیاد پر ملک کی اقلیتوں اور بالخصوص مسلمانوں کے صرف ان کے حق انتخاب اور ووٹ دینے کے بنیادی اختیار کو سلب کر لینے کے لیے طرح طرح کے سیاسی ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں، اور یہ سب کچھ ہماری قومی اور سیکولر حکومتوں کے تعاون واشتراک سے ہو رہا ہے۔

پریس کانفرنس میں

صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے واشگاف لفظوں میں اعلان کیا ہے کہ یہ مسئلہ ہندوستان میں مسلمانوں کی بقا اور وجود کا ہے، دہلی کے وزیر اعلیٰ مدن لال کھورانہ نے اعلان کیا ہے کہ وہ دہلی میں مقیم تین لاکھ بنگلہ دیشوں کو باتصویر شناختی کارڈ جاری نہیں کریں گے، اور ان کے راشن کارڈ بھی ضبط کر لیے جائیں گے، بہار کے پورنیہ اور کشن گنج ضلعوں میں ووٹر لسٹوں سے بیس لاکھ مسلمانوں کے نام حذف کر دیئے گئے ہیں، یہ خطرہ پورے ملک کے مسلمانوں پر منڈلا رہا ہے۔

مشترکہ کانفرنس

صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے اس سازش کے دُور اس اثرات کو محسوس کرتے ہوئے پوری طاقت سے آواز اُٹھائی اور کلکتہ میں ایک قومی کانفرنس بلائی، اور اس میں اس مسئلہ کو رکھا، یہ قومی کانفرنس ۲۹ رجنوری ۱۹۹۴ء کو شہید مینار میدان کلکتہ میں منعقد ہوئی، جس میں پیشہ ور سیاستدانوں کی بھیڑ نہیں لگائی، لیکن ڈاکٹر پرتاب چندر، راجندر پروفیسر، دلیپ چکرورتی، پروفیسر شانتی موئے رائے، ماہر قانون مسٹر آر کے گرگ، سینئر وکیل سپریم کورٹ مسٹر ڈی آر گوئل اور دوسرے مفکرین اور دانشوروں اور سیکولر ذہن ومزاج کی اہم شخصیتوں کو اس کانفرنس میں مدعو کیا گیا۔ ان کو اظہار خیال کرنے اور مسلمانوں کے موقف کی ازراہِ انسانیت دوستی تائید کی دعوت دی گئی، کانفرنس کی صدارت مولانا سید اسعد مدنی نے فرمائی، آپ نے اس اجلاس میں جو

خطبۂ صدارت پڑھا اگر چہ وہ ووٹر لسٹوں میں دھاندلی اور حکومت کی بد دماغی کے خلاف احتجاج ہے، لیکن مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی اور امتیازی سلوک کی ایک تاریخی دستاویز ہے، جو اعداد وشمار کی بنیاد پر تیار کی گئی ہے، اس خطبۂ صدارت سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا موصوف کو مسلمانوں کے مسائل و معاملات کا صحیح، گہرا اور تحقیقی ادراک ہے جس کی وجہ سے ان مسلمانوں کی رہنمائی اور قیادت میں روشنی ملتی ہے۔

صدر محترم نے اعداد وشمار پیش کر کے بتایا ہے کہ معاشی حقوق کے سلسلے میں بھی مذہب اور نسل کی بنیاد پر امتیازی برتاؤ ایک عمومی رویہ بن چکا ہے، آپ نے فرمایا کہ اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کی معاشی بدحالی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ درج فہرست ذات والے بھی اس معاملہ میں مسلمانوں سے درجہا بہتر ہیں، مولانا موصوف نے دلائل وشواہد کی بنیاد پر مسلمانوں کی مجموعی صورت حال کی جو تاریخی دستاویز پیش کی ہے، اس کی معقولیت سے ملک کی کسی بھی سیکولر اور محبّ وطن پارٹی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ آپ نے اپنے سلسلہ بیان میں فرمایا، کہ زندگی کے ہر شعبہ میں ان کے ساتھ سوتیلا پن کا ثبوت دیا جاتا ہے، اس میں سب سے اہم کردار وہ فرقہ پرست لوگ انجام دیتے ہیں، جو بڑی چالاکی سے حکومت کے کلیدی عہدوں پر قابض ہو چکے ہیں، حکومت چاہے کتنی ہی نیک نیتی کے ساتھ کوئی حکم جاری کرے، لیکن اونچی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے یہ سڑی ہوئی فرقہ پرستی کے ذہن والے لوگ مسلمانوں تک اس کا فائدہ نہیں پہنچنے دیتے، اب یہ خطرناک سازش فرقہ پرست لوگوں نے تحریک چلا کر اور حکومت کو مجبور کر کے مسلمانوں کے ناموں کو ووٹر لسٹوں سے حذف کرانے کی مہم چلا رکھی ہے، اس لیے تمام سیکولر ذہن ومزاج کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ وطن دوستی اور دستور وآئین کی روشنی میں اس صورت حال کا جائزہ لے کر ملک کو اس غلط راہ پر جانے سے روکیں اور مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی اس سازش کا قلع قمع کیا جائے۔

اجتماع کا فائدہ

جمعیۃ علماء ہند کا موقف یہ تھا کہ جو تیس لاکھ مسلمانوں کے نام اس الیکشن کے

موقع پر لسٹوں سے کاٹے گئے ہیں، جبکہ وہ اس سے پہلے والے الیکشن میں ووٹر تھے اور انھوں نے اپنا حق انتخاب استعمال بھی کیا تھا، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اس الیکشن کے موقع پر ان کو اس حق سے محروم کیا جائے، اس لیے حکومت آسام کا فرض ہے کہ ان تیس لاکھ مسلمانوں کے نام حسب سابق ووٹروں کی فہرست میں درج کر کے ہی الیکشن کرایا جائے، اس احتجاج کا فائدہ یہ ہوا کہ دوسری لسٹ تیار کر کے بڑی حد تک اس کی تلافی کر دی گئی۔

سیکولرزم بنام فرقہ پرستی

دستور کی رُو سے مسلمانوں کو بھی اس ملک میں وہی تمام حقوق حاصل ہیں جو یہاں کی اکثریت کو حاصل ہیں، تمام ملکی معاملات میں ہر مذہب ہر فرقہ اور ہر مکتبِ فکر کے لوگوں کو یکساں حقوق اس لیے حاصل ہیں کہ ہمارے ملک کا دستور سیکولرزم پر مبنی ہے، یعنی مذہب کی بنیاد پر اس ملک میں کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا، ہر شخص اپنی صلاحیت واستعداد کی بنیاد پر اس بات کا حق رکھتا ہے کہ جمہوریہ ہند کا بڑے سے بڑا درجہ حاصل کر لے، کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں کیونکہ یہ اس کا دستوری اور آئینی حق ہے، جمعیۃ علماء ہند نے اس نکتہ کو بہت مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے، اور ہمیشہ اس کی جدوجہد رہی ہے کہ اس ملک میں سیکولرزم کی بنیاد کمزور نہ ہونے پائے، اور جب بھی فرقہ پرستی اور سیکولرزم میں ٹکراؤ ہوا تو اس نے ہمیشہ سیکولرزم کی ہم نوائی کی اور اس کو طاقت پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی اور دوسرے برادرانِ وطن کے دلوں میں اس عقیدہ کو مستحکم بنانے کی کوشش کی کہ وہ سیکولرزم سے سرمو انحراف نہ کریں، ورنہ ہمارا ملک کمزور ہو جائے گا، اس کی سالمیت خطرے میں پڑ جائے گی، ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۳ء کے سال فرقہ پرستی کے غلبہ واقتدار کے سال رہے تھے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس ملک میں سیکولرزم کی تجہیز وتکفین ہو چکی، فرقہ پرستی کے اسی غلبہ کی وجہ سے ۶/دسمبر ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد شہید کی گئی مزید ستم یہ کہ اس وقت مرکز میں ایک سیکولر پارٹی کی حکومت تھی، لیکن وہ سیکولرزم کی کشتی بھنور میں ڈوبتی ہوئی اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہی، اور اس

کو بچانے کی کوئی کوشش نہیں کی، جیسے فرقہ پرستی کے سیلاب میں سیکولرزم کی حیثیت کاغذ کے ایک ناؤ کی تھی، یہ صورت حال انتہائی مایوس کن تھی، جیسے محسوس ہوتا تھا کہ اب اس ملک میں سیکولرزم کے دن بیت چکے اور فرقہ واریت کا راکشش اس کو نگل جائے گا۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد چار ریاستوں کی حکومتیں توڑ دی گئیں ان حکومتوں نے مرکزی حکومت کے اس اقدام کے خلاف سپریم کورٹ میں دعویٰ کیا کہ حکومتیں غیر قانونی طور پر توڑی گئی ہیں، سپریم کورٹ نے اس مقدمہ کی شنوائی کی اور اپنا فیصلہ سنایا کہ:

> ''سیکولرزم ہندوستان کے دستور کی بنیاد ہے اور جو حکومت سیکولرزم کے اصولوں کی حفاظت نہ کر سکے اُسے برسرِ اقتدار رہنے دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔''

سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ انتہائی دُوررس نتائج واثرات کا حامل ہے، اس فیصلہ نے ہندوستان کے دستور کو ایک نئی توانائی بخشی ہے اور ارباب اقتدار کے ذہن نشین کر دیا کہ اس ملک میں فرقہ پرستی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، یہ ملک آزاد ہے، یہاں جمہوری نظام جاری ہے، سیکولرزم سے انحراف کر کے یہاں کوئی پارٹی اپنی حکومت نہیں چلا سکتی، اور اس کو فوراً برخاست کیا جا سکتا ہے، اترپردیش میں کلیان سنگھ کی حکومت جس نے بابری مسجد شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، اس لیے وہ سزا کی مستحق ہوئی کہ اس نے سیکولرزم کو اپنے پیروں سے روندا تھا چونکہ یہ فیصلہ جمعیۃ علماء ہند کی سرگرمیوں کی بنیاد پر سیکولرزم کو تقویت دیتا ہے اس لیے اس فیصلہ پر اس نے خوشی کا اظہار کیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ اس موقع پر دستور کے اس بنیادی پتھر سیکولرزم کی اہمیت کو لوگوں کے ذہنوں میں تازہ کیا جائے تاکہ مستقبل میں جماعتی سرگرمیوں کی راہ بے غبار رہے۔

قومی کانفرنس کا انعقاد

جمعیۃ علماء ہند نے اسی جذبے سے ۷/مئی ۱۹۹۴ء کو سپرو ہاؤس نئی دہلی میں ایک ''قومی کانفرنس برائے سیکولرزم و ہندوستانی آئین'' کے عنوان سے منعقد کی جس میں

ملک کے دانشوروں، سیاسی وسماجی لیڈروں اور سیکولرزم کو ہندوستانی وحدت کے لیے ضروری سمجھنے والوں کی ایک بڑی تعداد نے شریک ہوکر اعلان کیا کہ فرقہ پرستی اور سیکولرزم کی لڑائی میں وہ سیکولرزم کا ساتھ دیں گے۔

کانفرنس میں جو تجاویز منظور کی گئیں ان کا بھی لب لباب یہی تھا کہ سپریم کورٹ کے اس فیصلے سے چونکہ ہندوستان کے قومی اتحاد کے استحکام میں مدد ملے گی اس لیے یہ فیصلہ مستقبل کی راہ عمل کے لیے مینارہ کا نور ثابت ہوگا، اس کے ساتھ ہی کانفرنس نے یہ انتباہ بھی دیا کہ سیکولر قومیت اور آئین کے لوازمات کے دشمن ملک کے سیکولر کردار پر حملہ کی زبردست تیاری کررہے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ہر محبّ وطن ہندوستانی ہوشیار رہے اور اس حملہ کا جواب دانشمندی اور مکمل عزم واعتماد کے ساتھ دیا جائے۔

سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ میں بی، جے، پی، کی حکومتوں کی برخاستگی کے لیے دوسری دلیل یہ دی تھی کہ بی، جے، پی، حکومتوں کی برخاستگی اس لیے بھی درست ہے کہ انھوں نے اقلیتوں کو دستور میں دی گئی بنیادی ضمانتوں پر کوئی عمل نہیں کیا، جس کی وجہ سے اقلیتوں کا ان کے اوپر سے اعتماد ختم ہوگیا، جن حکومتوں پر عوام کا ایک بڑا طبقہ اپنا اعتماد ختم کردے انھیں حکومت کرنے کا کیا اخلاقی اور قانونی جواز رہ جاتا ہے، سپریم کورٹ نے وضاحت کی کہ جو لوگ مذہب اور سیاست کو ملاکر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ دراصل اس جمہوریت کی نفی کررہے ہیں جو سیکولرزم کے ستون پر ٹکی ہوئی ہے۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہمارے دستور کی روح ہے، لیکن فرقہ واریت کی اس زہریلی فضا میں یہ روح حالت نزع میں پہنچ گئی ہے، اس لیے قومی کانفرنس نے اس مردہ روح میں نئی زندگی کی توانائیاں پیدا کرنے میں ایک اہم کردار انجام دیا۔

الیکشن کمیشن کا کردار؟

اس ملک میں جیسے مسلمانوں کو روحانی وجسمانی، ذہنی وفکری ایذا رسانی کے سوا یہاں کے باشندوں کو کوئی دوسرا کام ہی نہیں، تقسیم ملک کے بعد جو مسلمانوں پر گذری

وہ تو تاریخ کا ایک حصہ بن گئی، لیکن بچھوؤں کی طرح ڈنک مارتے رہنا یہاں کے فرقہ پرستوں کا سب سے محبوب مشغلہ بن گیا ہے، ان کو یہ فکر ستاتی رہتی ہے کہ یہاں اسلام کے نام لیوا کیوں امن چین سے رہتے ہیں، یہاں حکومت کا کوئی بھی محکمہ کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں جس کا عوام سے براہ راست تعلق ہو اور وہ یہاں کی اقلیت کی زندگی میں اپنے دائرہ کار کے اندر زہر بھرنے کی نہ کوشش کرتا ہو۔

یہاں جمہوریت ہے، ایک مدت مقررہ پر الیکشن ہوتے ہیں ہر بالغ اپنے پسندیدہ اُمیدوار کو ووٹ دیتا ہے، پھر اسی بنیاد پر کسی پارٹی کی حکومت بن جاتی ہے، ۸۵ر فیصدی ووٹ غیر مسلموں کے اور صرف ۱۵ر فیصدی ووٹ مسلمانوں کے ہیں، فیصلہ کن ووٹ تو ۸۵ر فیصدی ہی ہوگا پھر کیا وجہ ہے کہ پورے ہندوستان میں یہ سازش چل رہی ہے کہ ہر علاقہ کی مسلم آبادی کے ووٹوں کی بڑی تعداد فہرست میں نہیں آتی، یہ کسی غلطی کی وجہ سے نہیں بلکہ دانستہ کیا جاتا ہے، تاکہ یہ قوم اپنا حق رائے دہی استعمال نہ کر سکے۔ بعد میں کہہ دیا جائے گا کہ یہ لوگ غیر ملکی ہیں یہاں کے ووٹر نہیں ہیں، اگر وہ ہندوستانی اور یہاں کے باشندہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو وہ ثبوت پیش کریں، اس سازش میں وزراء بھی شامل ہیں اور الیکشن کمیشن کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہے۔ ۱۹۹۴ء میں مسلمانوں کے نام ووٹر لسٹوں سے خارج کرنے کے لیے مستقل ایک مہم چلائی گئی اور پورے ملک کے مختلف حصوں میں ہوا، یہ دانستہ کیا گیا نا دانستہ نہیں ہوا ہے، ایک سرسری جائزہ سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے، سیما پوری دہلی کے تمام مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ غیر ملکی ہیں اگر ہندوستانی ہیں، تو ثابت کریں کہ وہ ہندوستانی ہیں۔ گذشتہ ووٹر لسٹوں میں نام ہونا اور راشن کارڈ ان کے نام سے ہونا ثبوت نہیں، جنتا دل دہلی کے صدر ویریش پرتاب چودھری نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ مٹیا محل دہلی کے اسمبلی حلقہ سے تقریباً ۲۲ر ہزار ووٹروں کو بنگلہ دیشی کہہ کر ووٹر لسٹ سے نکال دیا گیا، جبکہ گذشتہ چار الیکشنوں میں وہ لوگ ووٹ دے چکے ہیں، یہ مسلمانوں کا وہ گنجان محلّہ ہے، جہاں کوئی غیر مسلم نہیں، دہلی کے معروف لیڈر مسٹر ایچ کے ایل بھگت نے کہا کہ مسٹر کھورانہ کی سازش کے تحت ڈھائی لاکھ شہریوں کی شہریت

کی تحقیقات کی جا رہی ہے، یہ سب کے سب مسلمان ہیں، مسٹر بھگت نے الیکشن کمیشن سے اپیل کی کہ ہندوستانی شہریوں سے شہریت کا ثبوت مانگنے کے بہانے ان کے نام ووٹر لسٹ سے خارج نہ کیے جائیں، انھوں نے کہا کہ ڈھائی لاکھ ناموں کی فہرست رائے دہندگان سے اخراج غیر دستوری ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ان لوگوں نے یہ غلط طریقہ اختیار کیا ہے کہ جن علاقوں میں اقلیتی فرقہ کے لوگ رہتے ہیں، ان کو نوٹس جاری کیے جا رہے ہیں، مزید ظلم یہ کیا گیا کہ صرف تین دنوں کی ان کو مہلت دی گئی، ان سے کہا گیا کہ ۱۱ر تاریخ سے ۱۳ر تاریخ تک شہریت کا ثبوت پیش کریں، یہ نوٹس دہلی کے علاقے مٹیا محل، سیما پوری، جہانگیر پوری، بھلسارہ، کراول نگر وغیرہ کے باشندوں کو دیئے گئے ہیں اور یہ سب کے سب مسلمان ہیں۔

ترقی پسند تنظیموں کی طرف سے بیان

دہلی کی تین ترقی پسند تنظیموں نے شہریت سے متعلق بیان دیا ہے، جس میں کہا گیا کہ سنگھیوں کے تخریبی پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے خلاف الیکشن کمیشن کارروائی کر رہا ہے اور معمولی شہریوں سے اپنی شہریت ثابت کرنے کے لیے مشکل اور ناقابل عمل مطالبات کر رہا ہے، اس بیان میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ آسام میں آٹھ لاکھ غیر ملکی بتائے گئے، لیکن حکومت آسام نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ غیر ملکی قانونی ۱۹۴۶ء کے تحت جنوری ۱۹۹۳ء تک صرف ۲۶۷۱ غیر ملکی ثابت ہوئے، لیکن الیکشن کمیشن اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں، ممبئی میں ہزارہا مسلمانوں سے شہریت ثابت کرنے کے لیے کیا گیا، پولیس نے یہ نوٹس جاری کیے اور چار دستاویزات طلب کیں پاسپورٹ، پیدائش کا سرٹیفکیٹ، شہریت کا سرٹیفکیٹ یا شہریت کے نیشنل رجسٹر میں اندراج، پولیس نے بتایا کہ الیکشن کمیشن کے حکم کے مطابق کارروائی کی جا رہی ہے۔

اندھیر نگری

ممبئی میں شہریت ثابت کرنے کے لیے ساڑھے چار لاکھ مسلمانوں کو نوٹس

جاری کیے گئے، ان نوٹسوں کی تعمیل کتنی ذمہ داری سے کی گئی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ دہلی کے بہت سے مسلمانوں کے نام جاری کیے ہوئے شہریت سے متعلق نوٹس کے بنڈل سڑکوں پر پڑے پائے گئے، وہ نوٹس نہ مسلمانوں کو ملیں گے نہ مسلمان شہریت ثابت کرسکیں گے، اور ان کے نام ووٹر لسٹ سے نکال دیئے جائیں گے، علی گڑھ شہر کے مسلم اکثریت والے علاقوں یونائیٹڈ کالونی، امیر نشان، دودھ پور، سرسید نگر، خسرو نگر کے ہزاروں افراد کے نام ووٹر لسٹ میں نہیں ہیں اور یہ دانستہ کیا گیا ہے۔

مسٹر صلاح الدین اُویسی نے شکایت کی ہے کہ حیدرآباد کے پانچ حلقوں سے ایک لاکھ تیس ہزار مسلمانوں کے نام ووٹر لسٹ سے خارج کیے گئے ہیں، عثمانیہ یونیورسٹی کے پانچ سو پروفیسروں، لیکچراراوراسٹاف کے نام فہرست سے خارج پائے گئے، فرقہ پرستوں کی مسلم دشمنی نے ان کو اس سازش پر آمادہ کیا ہے، یہ سازش ملک کے ترقی اور اس کی سالمیت کے لیے ایک سنگین خطرہ ہے، اس سازش کو ناکام بنانا ہر سیکولر ذہن کے محبّ وطن کا فرض ہے۔ جمعیۃ علماء ہند نے ایسے انسانیت دوست اور وطن سے محبت کرنے والوں کو آواز دی کہ وہ ایک جگہ بیٹھ کر اس سازش اور مذموم منصوبہ کو ناکام بنانے کی تدبیر پر غور کریں۔

کنونشن برائے تحفظ شہریت

اسی سنگین صورت حال کے پیش نظر جمعیۃ علماء ہند نے ۱۱؍دسمبر ۱۹۹۴ء کو فکّی آڈیٹوریم نئی دہلی میں ''تحفظ شہریت کنونشن'' بلایا، جسٹس سردار علی چیئرمین اقلیتی کمیشن کی سرکردگی میں استقبالیہ کمیٹی بنائی گئی، مجلس استقبالیہ کے ارکان میں مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند، کے پی انی کرشنن ایم پی، مولانا شاہ عون احمد قادری پھلواری شریف، مسز سبھد را جوشی، مسٹر شکیل احمد ایڈوکیٹ سپریم کورٹ، چتر انن مشرا ایم پی، مولانا عبدالعلیم فاروقی لکھنو، شیو چرن ماتھر سابق وزیر اعلیٰ راجستھان مولانا ارشد مدنی دیوبند اور ڈی آر گوئل شامل تھے۔

مجلس استقبالیہ نے کنونشن کے لیے جو دعوت نامہ جاری کیا تھا اس میں کہا گیا!

> ''آج ہندوستان دوراہے پر کھڑا ہے اس وقت صورت حال تقریباً ویسی ہی ہے جیسی ملک کے بٹوارے کے وقت تھی، اس وقت راشٹریہ سیوک سنگھ کی سرکردگی میں جارحانہ ذہن رکھنے والی فرقہ پرست طاقتوں نے ملک کو ہندوراشٹر بنانے کا مطالبہ کیا تھا، ہندوستان کے عظیم قومی لیڈروں نے اس منصوبے کو ناکام بنا دیا، ان فاسد طاقتوں نے بتدریج طاقت حاصل کی اب ان کے حوصلے یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ انھوں نے یہ اعلان کیا ہے کہ بابری مسجد کی شہادت ہندوراشٹر کے قیام کی طرف پہلا قدم ہے۔''

دعوت نامے میں آگے چل کر فرقہ پرستوں کے تازہ ترین منصوبے سے روشناس کراتے ہوئے بتایا گیا کہ ایک ظالمانہ قانون ٹاڈا کا جابرانہ استعمال کیا جارہا ہے، اور مسلمانوں کو حق شہریت سے محروم کرنے کے لیے مسلمانوں سے ہندوستانی شہریت کا ثبوت مانگا جارہا ہے، دعوت نامے میں کہا گیا!

> شہریت ثابت کرنے کے لیے ایسی شرطیں رکھی گئی ہیں، جن کو پورا کرنا تقریباً ناممکن ہے، اس طرح ہندوستانی شہریوں کی ایک بڑی تعداد کو حق شہریت سے محروم کیا جارہا ہے، مزید کہا گیا کہ اس کی مدافعت کے لیے اور قوم کے ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے اور شہریوں پر مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے ''کنونشن برائے تحفظ شہریت'' منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے، آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ آپ کنونشن میں شرکت کریں اور کنونشن کے پیغام کو پورے ملک میں پھیلائیں۔''

خانۂ انوری کجا باشد؟

ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود ان کے عزم دینیات اور فطری طور پر حالات سے نبرد آزمائی کے جذبے کی بنیاد پر تھا، نیز مسلم قیادت کے تدبر وفراست، دوراندیشی

اور خطرات کے خلاف پامردی سے ڈٹے رہنے کی قدرتی صلاحیت کا مرہون منت تھا، جس قیادت میں خود غرضی، دنیا طلبی، اور عزت و جاہ حاصل کرنے کا کوئی جذبہ نہیں تھا، اخلاص اس قیادت کا جوہر تھا اور ایمان و یقین اس کی طاقت، ان دونوں چیزوں کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی، ان دونوں خصوصیات سے جمعیۃ علماء ہند کی قیادت متصف تھی، آزادی کے فوراً بعد سے ایک عرصہ تک ہندوستان کے منتشر مسلمانوں کی قیادت تنہا جمعیۃ علماء ہند کے ہاتھوں میں تھی، کیونکہ اس کے علاوہ کسی بھی طبقہ میں نہ لب کشائی کی ہمت تھی نہ احتجاج کرنے کی طاقت، بدقسمتی سے ہر مسلمان اپنے کو مجرم سمجھنے لگا تھا اور مجرم میں جرأت مفقود ہو جاتی ہے، جمعیۃ علماء ہند اس صبر شکن مرض سے پاک صاف تھی اس لیے اس میں جرأت و ہمت بھی تھی اور اس کو دین و ایمان کی حفاظت کی بھرپور توانائیاں حاصل تھیں، وہی اخلاص وہی مدبرانہ قیادت توارث کے ساتھ موجودہ دور تک اربابِ جمعیۃ علماء ہند بالخصوص مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کی ذات میں موجود ہے، اس لیے آنے والے خطرات کا ادراک کرتے ہی اس کی پیش بندی کے لیے اقدام شروع ہو جاتا ہے، آزادی کے پچاس برسوں بعد بھی ہندوستان کی سرزمین سے جو بھی فتنہ اٹھتا ہے اس کی پہلی زد مسلمانوں پر پڑتی ہے، بات وہی تھی جو انوری نے کہی تھی:

ہر بلائے کز آسماں آید — گرچہ بر دیگرے قضا باشد
بر زمیں نارسیدہ می پرسد — خانۂ انوری کجا باشد

صدر محترم کی وضاحت

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے ان دو مسئلوں کی وضاحت فرمائی جن کی وجہ سے یہ کنونشن بلایا گیا تھا، آپ نے ایک بیان میں فرمایا! کہ فرقہ وارانہ فسادات کے بعد اب آر، ایس، ایس، اور اس کی حلیف سنگھ پریوار نے مسلم دشمنی کی جو نئی مہم شروع کی ہے، اس کا دائرہ فسادات سے زیادہ وسیع اور خطرناک ہے، اب وہ مسلمانوں کو دوسرے درجہ کا شہری بنانے کے لیے ان بنیادی حقوق کو سلب کرنا اور ان کو

بے اثر بنانا چاہتے ہیں جوان کو سیکولر ہندوستان کے آئین کے تحت ان کو حاصل ہیں، آر، ایس، ایس، کی اس خطرناک مہم میں اس کو انتظامیہ اور حکومت کے عملہ میں اپنے ہم خیال عناصر کا پورا تعاون حاصل ہے، بدقسمتی سے کئی بار فرقہ پرستوں کو شامل کر کے حکومت بنائی گئی، جس کی وجہ سے انھوں نے بڑی تیزی کے ساتھ حکومت کے کلیدی محکموں میں آر ایس ایس کے آدمیوں کو بھر دیا اور آج مریض کے ہاتھوں میں پورا نظام حکومت ہے وہ آر، ایس، ایس، اور جملہ فرقہ پرست تنظیموں کی بھرپور ہم نوائی کرتے ہیں، انھیں کے تعاون کی وجہ سے بابری مسجد شہید ہوئی اور آر، ایس، ایس، اور اس کی حلیف جماعتوں نے مسلمانوں کو حاصل شہری حقوق پر دوطرفہ جملہ کا آغاز کر دیا ہے۔

ہندوستان کی بعض ریاستوں میں دہشت گردی کا دور دورہ ہے اس دہشت گردی پر قابو پانے کے لیے ٹاڈا کا قانون بنایا گیا تھا، اب وہی کالا قانون ٹاڈا امن پسند مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جانے لگا ہے، جس کا دہشت گردی سے دور کا بھی تعلق نہیں، اور جن ریاستوں میں دہشت گردی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے وہاں کے مسلمانوں کے خلاف بے دریغ ٹاڈا کا استعمال ہو رہا ہے، ٹاڈا وہ کالا قانون ہے، جو انصاف کے تقاضوں اور انسانی حقوق کی پامالی کا بدترین اور سب سے خطرناک ہتھیار ہے، اس کے استعمال سے ایک بے گناہ شہری کو قانون اور انصاف کی پناہ سے باہر نکال کر جنگل کے قانون کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتا ہے۔

دوسری طرف مسلمانوں کو جمہوری عمل سے الگ کر کے اور ان کے وجود کو بے اثر بنانے کے لیے اُن کی بڑی تعداد کو ووٹ کے حق سے محروم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، فرقہ پرست عناصر اپنے عزائم میں کس حد تک کامیاب ہیں اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ الیکشن کمیشن جیسے ذمہ دار خود مختار اور غیر جانبدار ادارے میں بھی ان کا اثر ہے، بلکہ فرقہ پرستوں کے زیر اثر کام کرتا ہے،

ڈی آر گوئل کا اظہارِ خیال

۱۱؍دسمبر ۱۹۹۴ء کو یہ کنونشن فکّی آڈیٹوریم نئی دہلی میں ہوا، پورا آڈیٹوریم کھچا کھچ

بھرا ہوا تھا، ہر چہرہ سے امنگ اور جوش جذبے کا اظہار ہو رہا تھا، کنونشن میں شریک ہونے والے ملک کے مختلف خطوں اور صوبوں سے آئے تھے اور پورے ملک کی نمائندگی کر رہے تھے، ان میں مختلف سیاسی پارٹیوں کے ممتاز لیڈروں، سرکردہ وزراء، دانشور، مفکر، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، دینی مدارس کے علماء، صحافی واخبار نویس اور ماہرین قانون بڑی تعداد میں شامل تھے، کنونشن کی صدارت مولانا سید اسعد مدنی نے فرمائی، مسٹر ڈی آر گوئل نے فرائض نظامت ادا کرتے ہوئے کنونشن کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے بتایا! کہ ہمارا ملک اس وقت سنگین صورت حال سے دوچار ہے، آج فرقہ پرستوں نے جمہوریت کا مطلب ہندوؤں کی بالادستی سمجھ لیا ہے، ایڈوانی جو خود سندھ سے ہندوستان آئے ہیں، قومیت کی نئی نئی تعبیر کر رہے ہیں، آپ نے واضح لفظوں میں کہا کہ برادران وطن کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جنگ آزادی میں کسی ایک فرقہ نے حصہ نہیں لیا، بلکہ تمام فرقوں نے حصہ لیا ہے، ہماری آزادی مشترکہ جدوجہد سے ملی ہے اس لیے کسی ایک فرقہ سے شہریت کا ثبوت طلب کیا جانا انتہائی بے تکی اور غیر منطقی بات ہے، اگر شہریت کا ثبوت طلب کرنا ضروری ہے تو ہندوؤں سے بھی طلب کیا جائے اور خود لال کرشن ایڈوانی جو سندھ سے تشریف لائے ہیں، وہ بھی اپنی وفاداری اور حب الوطنی کا ثبوت پیش کریں۔

ٹاڈا کے قانون کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر ڈی آر گوئل نے بتایا کہ یہ قانون تخریب کاری اور دہشت گردی کے انسداد کے لیے بنایا گیا تھا، لیکن اس کا استعمال بہت غلط طریقے سے ہو رہا ہے، جس کی نشاندہی سپریم کورٹ اور قومی انسانی حقوق کمیشن نے بھی کی ہے، یہ کنونشن انھیں مسائل کو حل اور درپیش مشکلات کو دور کرنے کے لیے منعقد کیا گیا ہے۔

جسٹس سردار علی چیئرمین اقلیتی کمیشن

مجلس استقبالیہ کے صدر مشہور دانشور اقلیتی کمیشن کے چیئرمین جسٹس سردار علی خاں تھے، انھوں نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں ان دونوں مسئلوں پر بہت ہی سلجھے

ہوئے انداز اور سنجیدہ الفاظ میں روشنی ڈالی، آپ نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں کہا!

”جمعیۃ علماء ہند کے زیرِ اہتمام حقوق شہریت کنونشن میں شریک آپ حضرات کا استقبالیہ کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہوں، جمعیۃ علماء ہند آزادی کی جدوجہد میں پیش پیش رہی ہے، اور اب ملک کے پسماندہ طبقات کے حقوق کی حفاظت میں مستعدی اور تندہی کے ساتھ لگی ہوئی ہے، حب الوطنی کے جذبے سے جمعیۃ کی خدمات تعارف کی محتاج نہیں، قومی سطح پر ملک کے طول وعرض میں اس کی خدمات کا اعتراف ہمیشہ کیا گیا۔

صدر استقبالیہ نے فرقہ پرستوں کی جاری مسلسل کوششوں اور مسلم دشمن رویّہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ!

”حال میں ملکی سطح پر پیش آنے والے بعض واقعات نے جوصورت حال پیدا کی ہے، اس کی وجہ سے اقلیتیں خوف زدہ ہیں اور خوف و دہشت کی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں، ۱۹۸۷ء میں ٹاڈا جیسے چنگیزی قانون کا نفاذ، ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کی شہادت کے بعد فسادات کا سلسلے اور اب انتخابی فہرست میں اپنا نام شامل کرنے کے لیے شہریت کی تصدیق کا مطالبہ، یہ سب اقلیتوں کو خوف زدہ کرنے کی چند مثالیں ہیں۔“

خطبہ استقبالیہ میں آگے چل کر کہا گیا!

”اس کنونشن میں خاص طور پر مسلمانوں سے شہریت کے ثبوت کے مطالبہ پر غور کرنا ہے، آبادی کے ایک معتدبہ حصہ کو حق رائے دہندگی سے محروم کرکے انتخابات میں ووٹ کے حق سے محروم کرنے کی یہ ایک ناپاک کوشش ہے، آبادی کے ایک حصہ کو بے وطن افراد قرار دینے کی ایک سوچی سمجھی سازش ہے، آسام، بہار، بنگال کے سرحدی علاقوں کے علاوہ اب مہاراشٹر، دہلی میں بھی لاکھوں افراد کو ووٹر لسٹ سے اس بنا پر خارج کردیا گیا ہے کہ ان کے پاس شہریت ثابت کرنے کے لیے قابل قبول سند موجود نہیں ہے۔

۱۹۹۳ء میں ملک کے شمال مشرقی صوبے آسام، بنگال اور بہار میں صدیوں سے آباد خالص ہندوستانی شہریوں کو میں نے ابتر حالت میں زندگی گذارتے دیکھا ہے، اوراب مہاراشٹر اور دہلی کے تقریباً پانچ لاکھ مسلمانوں سے الیکشن کمیشن کی ہدایات پر شہریت کے ثبوت مہیّا کرنے کے لیے نوٹس جاری کرائے گئے ہیں۔ پولیس افسران نے شہریت کے ثبوت کے لیے نوٹس جاری کیے اور اُن سے اپنی شہریت ثابت کرنے کے لیے حسب ذیل اسناد کا مطالبہ کیا۔

(۱) شہریوں کے قومی رجسٹر میں نام کا اندراج
(۲) بااختیار افسران سے شہریت کا سٹیفکیٹ
(۳) حکومت ہند کا جاری کردہ پاسپورٹ
(۴) پیدائش کا تصدیق نامہ

صاف ظاہر ہے کہ مختصر مدت میں کسی بھی شہری کے لیے مطلوبہ تصدیق نامے حاصل کرنا کس قدر دشوار ہے اور افسران کی جانچ بھی اتنی قلیل مدت میں انسانی امکانات سے بعید ہے، ملکی یا صوبائی سطح پر آج تک ایسے کسی رجسٹر کا پتہ نہیں چل سکا، جس میں شہریوں کا اندراج موجود ہو، حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مسئلہ کو واضح کرے، شہریت کی تصدیق حاصل کرنا کسی شہری کے لیے آسان کام نہیں ہے، ہندوستانی شہریت کی دفعہ ۳۵۵؍ کے تحت مرکزی حکومت ہی مکمل چھان بین کے بعد یہ فیصلہ کرنے کی مجاز ہے کہ کب اور کیسے کسی کو شہری قرار دے پھر کلکٹر اس کی تصدیق جاری کردے گا، رہ گیا پاسپورٹ تو یہ اس وقت بنایا جاتا ہے جب کوئی بیرون ملک سفر کا ارادہ رکھتا ہو، ہر شہری سے پاسپورٹ بنوانے کی توقع رکھنا فضول ہے، پیدائش کی تصدیق کا مسئلہ بھی پیچیدہ ہے، میرا اندازہ ہے کہ پچاس برس کی عمر کے خصوصاً غیر تعلیم یافتہ افراد میں بہت کم تاریخ پیدائش سے واقف ہوں گے، واقف بھی ہوں تو وہ تصدیق کہاں سے

لاسکیں گے جبکہ بہت سے علاقوں میں پیدائش کا اندراج حال ہی میں شروع کیا گیا ہے۔

خطبہ استقبالیہ میں اس عقدۂ لاینحل کی صورت حال کو پیش کر کے حاضرین کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا کہ!

"یہ چند اہم مسائل ہیں جن پر کنونشن میں بحث ہونی چاہیے، حق شہریت جملہ دستوری حقوق کی اصل اور بنیاد ہے، کسی کو حق شہریت سے محروم کرنا اسے جملہ بنیادی حقوق سے محروم کرنا ہے، جس کا تذکرہ دستور بند کے تیسرے باب میں کیا گیا ہے۔"

صدر استقبالیہ نے اس مسئلہ کی اہمیت وضرورت بتاتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا ہے کہ مسلمان اتنے اہم مسئلہ کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں اور کہیں کوئی سرگرمی نظر نہیں آتی، آپ نے کہا!

"یہ بات اچھی نہیں کہ شہریت کے حالیہ مسئلہ میں مسلمانوں کی طرف سے کوئی واضح ردعمل سامنے نہیں آیا ہے، مسلمانوں میں قیادت کی کمی اس سے واضح ہے کہ اس چیلنج کا مقابلہ کرنے میں کسی نے دلچسپی کا مظاہرہ نہیں، اگر یہ صورت حال جاری رہی تو مسلمان قومی دھارے سے بالکل ہی کٹ کر رہ جائیں گے۔"

مسئلہ کی وضاحت کے بعد

کنونشن جن نازک اور وقت کے اہم ترین دو مسئلوں پر غور کرنے کے لیے بلایا گیا، صدر استقبالیہ نے ان کی اہمیت، نوعیت، نزاکت اور اس کی پیچیدگی کو بہت واضح لفظوں میں کنونشن کے سامنے پیش کیا تھا، لیکن پیشکش اجمالی تھی، ابھی مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالنی باقی تھی، اور مسلمانوں کا اس سلسلے میں جو نقطۂ نگاہ ہے اس کی وضاحت بھی ضروری تھی، صدر استقبالیہ نے حق شہریت ثابت کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے جو ثبوت مانگے گئے تھے، ان کو انتہائی دشوار اور ناقابلِ

حصول ثابت کر دیا تھا، کہ اگر یہی ثبوت جو مسلمانوں سے مانگا جار ہا ہے ہندوؤں سے بھی مانگا جائے ،تو یقین ہے کہ نوے فیصدی اپنی شہریت کا ثبوت نہیں دے سکتے، پھر مسلمانوں سے ایسی دقت طلب اور دشوار طلب ثبوت کیوں مانگا جار ہا ہے، یہ سراسر بد باطنی، بدنیتی اور مسلم دشمنی کی بنیاد پر ہے، اسی ظالمانہ روش کے خلاف احتجاج کے لیے مولانا سید اسعد مدنی نے یہ کنونشن بلایا تھا، وہی اس کنونشن کی صدارت فرمار ہے تھے، اس لیے انھوں نے اپنے خطبہ صدارت میں اپنے سارے تجربات ومشاہدات کی روشنی میں ان مسئلوں کے پس منظر پر سیر حاصل روشنی ڈالی۔

خطبہ صدارت

کنونشن کی صدارت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند فرمار ہے تھے، وہ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل و مشکلات سے جس درجہ واقف ہیں، آج پورے ملک میں اتنا واقف کار کوئی دوسرا مسلم قائد اور لیڈر نہیں ہے، فرقہ پرست حکومت سے باہر رہتے ہوئے بھی حکومت پر کتنے اثر انداز ہیں اور حکومت ان کی منشا اور مرضی کے مطابق کام کرنے پر مجبور ہے، اس حکمتِ عملی نے ہندوستان میں کبھی قومی یکجہتی پیدا نہیں ہونے دی اور ملک میں اقلیتوں کی اتنی بڑی تعداد کبھی سکون کی زندگی نہیں پاسکی۔

صدر محترم حکومت اور اس کے خارجی مشیر کاروں کی ریشہ دوانیوں سے مکمل واقفیت کی وجہ سے مسلم مسائل میں ان کی حتمی اور دوٹوک رائے ہوتی ہے اور نتیجہ کے لحاظ سے وہی یہاں کی اقلیت کے لیے مثبت نتائج پیدا کرتی ہے، ٹاڈا قانون اور ووٹر لسٹوں سے مسلمانوں کے ناموں کا خارج کرنا ان دونوں دُور رس مسئلوں سے بھی وہی سب سے پہلے واقف ہوئے اور اس کی اہمیت کو محسوس کیا، اور اس سیلاب کے بند باندھنے کے لیے سب سے آگے آئے، اس کنونشن کے بھی درحقیقت وہی داعی تھے، اس لیے آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں اندر کی تمام صداقتوں کو منظر عام پر لا دیا ہے، آپ نے آزادی کے بعد سے ہی فرقہ پرستوں کی سرگرمیوں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے فرمایا!

’’یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ سپریم کورٹ کے فیصلے اور انتخابات میں فسطائی طاقتوں کی پسپائی سے ملک وقوم کی یکجہتی اورانصاف کے تقاضے حتمی طور پر ہوگئے، آج جس طرح ملک کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد کوشہریت کے حق سے محروم کیا جارہا ہے، اور بدنام زمانہ ٹاڈا قانون کو آلہ کار بنا کر جس طرح انصاف کی دھجیاں اُڑائی جارہی ہیں، اس پس منظر میں میں اپنا الفاظ دُہرانا چاہوں گا! کہ ہمیں یہ تاریخی سبق نہیں بھولنا چاہیے کہ فسطائیت جمہوری نظام کو ہی سیڑھی بنا کر اُسے ختم کرنے کے لیے اقتدار حاصل کرتی ہے، ہمیں ہندوستانی سیکولرزم، جمہوریت اور نیشنلزم کی دشمن طاقتوں کے ارادوں اور ریشہ دوانیوں کے بارے میں ہوشیار رہنا ہوگا۔‘‘

آپ نے مزید فرمایا کہ!

’’۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے بعد فسطائی طاقتوں نے آسام میں یہ سوال اُٹھایا تھا، جمعیۃ علماء ہند کی جدوجہد کے نتیجہ میں یہ فیصلہ ہوا کہ جن لوگوں کے نام این، آر،سی، میں شامل ہوں ان کو ہندوستانی تصور کیا جائے، اور جن کے نام اس میں نہ ہوں ان سے دیگر ثبوت طلب کیے جائیں، اس فیصلہ پر عمل درآمد کے بعد آسام کے اس وقت کے وزیراعلیٰ نے ۱۹۶۹ء میں اعلان کیا کہ اب آسام میں کوئی غیر ملکی نہیں ہے، قیام بنگلہ دیش کے بعد بنگلہ دیش سے سمجھوتہ ہو، جس کے مطابق ۱۹۷۱ء ’’کٹ آف ایر‘‘ مان لیا گیا یعنی جو لوگ ۱۹۷۱ء تک آسام میں تھے ان کو آسام کا شہری مان لیا گیا۔

قانونی نکتہ

صدرمحترم نے آسام میں شہریت کے مسئلہ کی تاریخ بتاتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ ۱۹۷۱ء تک جو لوگ آسام میں تھے، وہ سب آسام کے شہری مانے جاچکے ہیں۔ اسی میعاد میں ووٹرلسٹ بنی اور اسی ووٹرلسٹ کی بنیاد پر الیکشن ہوچکے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ووٹ دینے والے سب آسام کے شہری ہیں۔

صدر محترم کے الفاظ میں!

”۱۹۹۰ء میں الیکشن کمیشن نے بڑے پیمانے پر ووٹر لسٹوں پر نظر ثانی کرائی، کسی بھی حلقہ کے ووٹروں کی فہرست میں کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ملی، اسی ووٹر لسٹ کے مطابق ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۱ء کے الیکشن ہوئے، اور کسی بھی فرد یا جماعت نے کسی حلقہ کے الیکشن کو اس بنیاد پر چیلنج نہیں کیا کہ ووٹروں کی لسٹ غلط تھی، گورنمنٹ آف انڈیا، حکومت آسام اور عدالتیں ان باتوں کو جانتی ہیں، پھر اب کیا وجہ ہے کہ ناممکن الحصول چیزوں کی شرط لگائی جارہی ہے۔

۱۹۶۲-۶۳ء میں جب فسطائی فرقہ پرستوں کی رام مندر کی سیاست ناکام ہوتی دکھائی دی تو انھوں نے اس مسئلہ کو پھر سے زندہ کردیا، ان تنظیموں کو بدقسمتی سے الیکشن کمیشن پر اثر انداز ہونے میں کامیابی حاصل ہوگئی، اور کمیشن کے نام نہاد رہنما خطوط کی بنیاد پر آسام کے تقریباً تیس لاکھ شہریوں کے نام ووٹر لسٹ سے خارج کردیئے جن میں ایک مختصر تعداد کے علاوہ سبھی مسلمان ہیں یہ رہنما خطوط جاری کرنے میں الیکشن کمیشن نے دستور، انصاف قانون اور گذشتہ قائم طے شدہ اصولوں کو نظر انداز کرکے حق شہریت کے ثبوت کے لیے تین چیزوں کا مطالبہ کیا۔

(۱) پیدائش کا سٹیفکیٹ (۲) ۱۹۶۶ء کی فہرست ووٹر میں اندراج (۳) این آر سی یعنی نیشنل رجسٹر سٹی زن میں نام کا اندارج۔

ملک کی ۹۹ فیصدی آبادی کے پاس پیدائش کا سٹیفکیٹ نہیں ہے، خود وزیر داخلہ مسٹر ایس، پی چوہان کے پاس بھی نہیں ہے، یہ سلسلہ جاری رہا تو پچاس کروڑ آبادی غیر ملکی ہوجائے گی ہم یہ برداشت نہیں کریں گے۔“

صدر محترم نے مزید فرمایا!” کہ اب کی بار یہ مہم آسام تک محدود نہیں بلکہ ملک

گیر پیمانے پر چلائی جارہی ہے،اوراس کے جونئے پہلو سامنے آئے ہیں، ان سے یہ نتیجہ ناگزیر ہے کہ یہ ایک ملک گیر سازش ہے‘‘ جس میں انتظامیہ کے اہم ارکان بھی شامل ہیں۔

خطبہ صدارت میں نیک نیتی سے یہ مشورہ دیا گیا کہ دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ملک وقوم کے مصالح کے پیش نظر اس مسئلہ کو پہلی فرصت میں حل کرلیا جائے ،جس کی منصفانہ صورت یہ ہے!

۱۔ ووٹرلسٹ پر نظر ثانی کرلی جائے جس کے لیے ایسا عملہ مقرر کیا جائے جو بغیر کسی جانبداری کے اپنی ذمہ داری اصول وانصاف کے مطابق ادا کرے۔

۲۔ ملک کے شہریوں کو بلا وجہ شہریت کا ثبوت طلب کرکے پریشان نہ کیا جائے، ہاں جولوگ واقعی مشتبہ ہیں صرف انھیں سے ثبوت طلب کیا جائے۔

۳۔ مندرجہ ذیل اسناد میں سے کسی ایک کو شہریت کے ثبوت کے لیے کافی سمجھا جائے۔

(الف) جائداد کا پٹہّ (ب) راشن کارڈ (ج) اسکول/ کالج کا سرٹیفکیٹ (د) پاسپورٹ (ہ) مکان وغیرہ کے کرایہ کی رسید (و) برتھ سرٹیفکیٹ (ز) کوئی بھی کاغذ جو اس بات کو ظاہر کرے کہ وہ شخص ۱۹۶۶ء سے پہلے ہندوستانی شہری تھا (ح) ۱۹۶۶ء کی ووٹر لسٹ (ط) این، آر، سی، ۱۹۹۱ء سٹی زن سرٹیفکیٹ شہریت کا تصدیق نامہ، یہ وہ کاغذات ہیں جن کو ملک کی ساری عدالتیں تسلیم کرتی ہیں، اور اپنے فیصلوں میں بطور شہادت قبول کرتی ہیں، انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو شہریت کے ثبوت کے لیے کافی سمجھا جائے۔‘‘

صدرمحترم نے ایک چبھتا ہوا سوال ارباب اختیار سے کیا ہے، آپ نے فرمایا! کہ اگر مذہب کی بنیاد پر امتیاز برتنا آئین کے بنیادی عنصر کے منافی ہے،تو اس قسم کے نوٹس ایک ہی مذہب کے لوگوں کو جاری کرکے ان سے شہریت کے ثبوت کا مطالبہ کرنا صریحاً آئین کی خلاف ورزی ہے،جس کا خاطر خواہ انسداد ہونا چاہیے،شہریت کے

ثبوت کا اگر مطالبہ کیا جائے، تو اس میں مذہب کی بنیاد پر فرق نہیں ہونا چاہیے۔

صدر محترم نے شہریت کے ثبوتوں کے سلسلے میں فرمایا! کہ پولیس جو ثبوت طلب کر رہی ہے، اس کا فراہم کرنا کچھ آسان نہیں ہے، ایک انتہائی مشکل اور دشوار طلب کام کی ذمہ داری اقلیت پر ڈالنا کہاں کا انصاف ہے، آپ نے فرمایا! کہ سوال یہ ہے کہ جو ثبوت مانگے جارہے ہیں، وہ کتنے شہری فراہم کر سکتے ہیں؟ مثلاً پیدائش کا سرٹیفکٹ کتنے لوگوں کے پاس ہوتا ہے، خاص طور پر دیہات کے ان پڑھ پیدائش کا اندراج کرانے کے بعد بھی سرٹیفکٹ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے، اسی طرح این، آر، سی کا علم بھی بیشتر ہندوستانیوں کو نہیں ہے، کیونکہ گورنمنٹ کا یہ سکریٹ ڈاکومنٹ ہے، ۱۹۶۶ء کی ووٹر لسٹ اکثر صوبوں میں ضائع ہو چکی ہے، مثلاً آسام کے ۶۰ ر فیصدی حصوں میں وہ موجود نہیں ہے، اور جہاں تک ذمہ دار افسران سے سند یا سرٹیفکٹ حاصل کرنے کا تعلق ہے، ان لوگوں تک رسائی عوام کے امکان سے باہر ہے، خصوصاً ان لوگوں کے لیے جن کو دو وقت کی روٹی کے لیے تگ درد سے فرصت نہیں ملتی اور نہ حکومت نے اس کا بندوبست کیا ہے۔

صدر محترم نے ان تینوں طرح کے ثبوتوں کے سلسلے میں صحیح اور حقیقی صورت حال پیش کر دی کہ موجودہ نظام حکومت میں ان میں سے کوئی ثبوت حاصل کرنا انتہائی مشکل اور دشوار ہے، آپ نے دوٹوک لفظوں میں یہ بات کہہ دی کہ جمعیۃ علماء ہند ہرگز نہیں چاہتی کہ کسی غیر ملکی کو غیر قانونی طور پر دراندازی کرنے والے کو ہندوستان کا شہری تسلیم کیا جائے، لیکن یہ بات ہرگز قابل قبول نہیں کہ ہندوستان کے شہریوں کو ان کے شہری حق سے مذہب کی بنیاد پر محروم کیا جائے، پھر آپ نے فرمایا! کہ:

”دوسرا مسئلہ جس پر کنونشن کو غور کرنا ہے وہ ہے ٹاڈا کا بے جا اور ظالمانہ استعمال، یہ قانون جو ملک کی یکجہتی اور سلامیت کی حفاظت کے لیے بنایا گیا تھا، آج ملک اور ملک کے باشندوں کے لیے سوہانِ روح بن گیا ہے، حکومت کی انتظامیہ اس قانون کا بیدریغ استعمال شہریوں کو پریشان کرنے اور اپنی جیبیں بھرنے کے لیے کر رہی ہے، مہاراشٹر اور گجرات

میں جو کمیونل فسادات ہوئے، ۱۹۹۲ء میں ہوئے ان کی چوٹ سب سے زیادہ مظلوم مسلمانوں پر پڑی تھی، اس پر ستم یہ کہ انھیں کے ہزاروں لوگوں کو ٹاڈا کے تحت دھر لیا گیا۔''

صدر محترم نے مزید فرمایا کہ!

''سپریم کورٹ نے اس قانون کو غیر واجب تو نہیں قرار دیا البتہ اُسے جائز قرار دیتے ہوئے عدالت نے یہ بھی کہا! کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثر اوقات ہمارے سامنے ایسے معاملات آئے ہیں جہاں استغاثہ نے ٹاڈا کا غلط اور بے جا استعمال کیا، عدالت عالیہ نے ٹاڈا عدالتوں کے ججوں اور سرکاری وکیلوں کو تلقین کی کہ وہ اپنے آپ کو عوام کے حقوق کا محافظ سمجھیں، استغاثہ کے نمائندہ نہیں، اس کے غلط استعمال کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے، کہ آج تک جتنے لوگ ٹاڈا کے تحت گرفتار کیے گئے ہیں، ان میں سے ایک فیصدی سے بھی کم کے خلاف مقدمے کامیاب ہوئے۔''

صدر محترم نے خطبۂ صدارت کے آخر میں فرمایا! کہ: مجھے یقین ہے کہ یہ کنونشن ملک وملت کے لیے حق وانصاف کے حصول اور بنیادی مسائل کا خاطر خواہ حل تلاش کرنے میں کامیاب ہوگا اور انصاف وقانون اور مساوات کو ایمانداری کے ساتھ عمل میں لانے کی جدوجہد تیز کرے گا۔

ممتاز لیڈروں کا اظہار خیال

اس کنونشن میں بہت سے قومی سربرآوردہ اور مشہور وممتاز رہنما بھی شریک ہوئے تھے، انھوں نے اپنے جذبات وخیالات کا اظہار بھی کیا تھا، اور بلا استثنا ہر ایک نے جمعیۃ علماء ہند کے موقف کی بھرپور تائید کی، بہت سے لیڈروں نے تو یہ بھی کہا کہ یہ مسئلہ صرف مسلمانوں کا نہیں کہ وہی اس کے خلاف جدوجہد کریں، بلکہ یہ قومی مسئلہ ہے، اس کے لیے دوسروں کو بھی آگے آنا چاہیے، ان میں سے کئی لیڈران نے جمعیۃ

علماء ہند کے اکابر کے نام لے لے کر ان کی قربانیوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ یہ آزادی ہندو مسلمانوں کی مشترکہ جدوجہد کا ثمرہ ہے، کسی ایک طبقہ نے یہ آزادی نہیں حاصل کی ہے، اس لیے سب کو ہندوستان میں باعزت مقام ملنا چاہیے، سیکولرزم، جمہوریت، انصاف ومساوات کے اصولوں پر اس ملک کو چلانا ہی اس ملک کے لیے صحیح راہ ہے، مشہور لیڈروں میں مسٹر آئی، کے، گجرال سابق وزیر حکومتِ ہند، مشہور سماجی لیڈر مسز سبھدرا جوشی، مشہور صحافی ڈی، آر، گوئل، مسٹر جگن ناتھ مشرا سابق وزیر اعلیٰ بہار، سپریم کورٹ کے ایڈوکیٹ اُو، پی شرما، مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ مسٹر دِگ وجے سنگھ، مسٹر منی شنکر ایرا یم پی، چترائن مشرا ایم پی، کشمیری لیڈر سیف الدین سوز ایم پی ہر ایک نے بلا استثنا جمعیۃ علماء ہند کے موقف کی پرزور لفظوں میں تائید کی اور حق و صداقت کا اظہار کیا، پھر کنونشن کی طرف سے ان دونوں مسئلوں پر ایک طویل قرارداد منظور کی گئی۔

یکساں سول کوڈ کا مسئلہ

ہندوستان کی عدالت عالیہ سپریم کورٹ نے ایک انفرادی معاملہ میں فیصلہ دیتے ہوئے حکومت ہند کو توجہ دلائی، کہ وہ جلد سے جلد ملک میں یکساں سول کوڈ نافذ کردے، واقعہ یہ تھا کہ ایک ہندو شوہر نے اسلام قبول کرلیا، میاں بیوی کے تعلقات ناخوشگوار تھے، اس کی بیوی سرلا مدگل نے سپریم کورٹ میں دعویٰ کردیا کہ کیا ایک ہندو شوہر جس کی شادی ہندو قانون کے تحت ہوئی وہ اسلام قبول کرنے کے بعد دوسری شادی کرسکتا ہے؟ کیا ایسی شادی جس کی سابق شادی قانونی طور پر تنسیخ نہیں ہوتی ہے، کیا اس کی دوسری شادی باضابطہ مانی جائے گی؟ سپریم گورٹ نے اپنے فیصلے میں کہا کہ عدالتیں اصلاح کرنے والوں کا رول اختیار کریں کیونکہ حساس دماغوں کی برداشت سے باہر ہے کہ وہ لوگوں کو ناانصافی جھیلتے ہوئے دیکھیں، پھر چند سطروں کے بعد تحریر کیا گیا کہ پیش نظر مقدمہ بھی ایک ایسا ہی مقدمہ ہے جو یکساں شہری قانون کی فوری اشد ضرورت کی طرف توجہ دلاتا ہے، سپریم کورٹ کی دونفری بنچ نے جس کے

سامنے یہ مقدمہ تھا، اس نے شوہر کے اسلام کو اسی نقطۂ نگاہ سے دیکھا کہ سرلا مدگل کے شوہر نے اپنی ہندو بیوی سے تعلقات خراب ہونے کی وجہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اپنا مذہب تبدیل کیا ہے، تاکہ اس کو دوسری شادی کرنے کے لیے قانونی گنجائش مل جائے، بنچ نے اسی کو حقیقت وصداقت مان کر فیصلہ میں لکھا کہ حکومت ہند جلد ازجلد یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لیے قدم اُٹھائے، یہ فیصلہ ۱۰رمئی ۱۹۹۵ء کو سنایا گیا۔

فیصلہ جمعیۃ علماء ہند کی نظر میں

یہ فیصلہ جب اخباروں میں شائع ہوا تو جمعیۃ علماء ہند نے اس کو خطرہ کی گھنٹی سمجھا، کیونکہ دستور ہند کی دفعہ ۴۴ جس میں ملک میں یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کی بات کہی گئی ہے۔ جمعیۃ علماء ہند نے ہمیشہ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اس دفعہ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ رکھا جائے، جب سپریم کورٹ نے اس کی سفارش کی اور حکومت کو توجہ دلائی کہ وہ جلد سے جلد یکساں سول کوڈ نافذ کرے تو فرقہ پرست عناصر کو موقع ہاتھ آ گیا کہ وہ اس دفعہ کے نفاذ کے لیے حکومت کو مجبور کریں، اس دفعہ کا نفاذ مسلمانوں کے عائلی قوانین مسلم پرسنل لا پر خط تنسیخ کھینچ دیتا ہے اس لیے جمعیۃ علماء ہند نے اس فیصلہ کے آتے ہی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس مرادآباد میں یکم جون ۱۹۹۰ء کو بلایا، پورے دن اس موضوع پر ممبران نے بحث کی اور اس کے بعد مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی۔

"مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس ایک بار پھر یہ اعلان کر دینا اپنا اسلامی فریضہ سمجھتا ہے کہ اسلام ایک مکمل دین ہے، اور اس کے منصوص احکام ناقابلِ ترمیم و تنسیخ ہیں۔ "مسلم پرسنل لا" یعنی نکاح طلاق وغیرہ قرآن وحدیث سے منصوص احکام ہیں، اس لیے مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تنسیخ اور کامن سول کوڈ کی تجویز مسلمانوں کے مذہب میں کھلی مداخلت ہے چونکہ ہمارا ملک ایک جمہوری اسٹیٹ ہے جس میں ہر باشندہ کو ہر قسم کے سارے حقوق حاصل ہیں اور آئین ہند میں واضح الفاظ میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہاں کے ہر باشندہ کو مکمل مذہبی ولسانی ولسانی

آزادی حاصل ہوگی، اس کے باوجود یکساں سول کوڈ کا مطالبہ دستور ہند سے کھلا انحراف ہے، جس کی اجازت کسی کو نہیں دی جاسکتی۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس سمجھتا ہے کہ سپریم کورٹ کے اس فیصلے میں قانون وانصاف کے بجائے گردوپیش کے تاثر کی کارفرمائی ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ اس فیصلے پر خالی الذہن ہوکر نظر ثانی کی جائے تاکہ ملک کی عدالت عالیہ کا وقار قائم رہے اور وہ سیاسی بازیگروں کا کھلونہ نہ بنے۔

مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس باور کرتا ہے کہ آئین ہند کے بنیادی دستور و اصول کے مقابلہ میں رہنما اور رہبر اصولوں کی چنداں حیثیت نہیں ہے، اس لیے بنیادی اصولوں کو ان رہبر اصولوں پر کسی حال میں بھی قربان نہیں کیا جاسکتا، پھر رہبر اصولوں میں یکساں سول کوڈ کے علاوہ نشہ بندی، لازمی تعلیم، صحت عامہ وغیرہ کی بھی ہدایت کی گئی ہے، مگر آج تک کسی پارٹی یا جماعت نے ان امور کی جانب کوئی توجہ نہیں کی، اس ملک میں یکساں سول کوڈ کا نعرہ مسلمانوں کو چڑھانے کے لیے وقتاً فوقتاً بلند کیا جاتا ہے۔

مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا حکومت ہند سے مطالبہ ہے کہ وہ دستور میں دیئے گئے مذہبی ولسانی حقوق کے تحفظ کا کھلے لفظوں میں اعلان کرے اور اس بات کا بھی بندوبست کرے کہ اس رہنما اصول کا سہارا لے کر اسلام دشمن عناصر مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے کھیلنے کی کوشش نہ کریں۔

مجلس عاملہ کا فیصلہ

جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے صرف یہ قرارداد منظور کر کے اطمینان نہیں کیا بلکہ اس سے ایک قدم اور آگے بڑھ کر اس نے سپریم کورٹ کی حکومت ہند کو یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی ہدایت کو مداخلت فی الدین قرار دیتے ہوئے فیصلہ کیا کہ یکساں

سول کوڈ کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کرنے کے لیے دارالحکومت دہلی میں ۴؍جولائی ۱۹۹۵ء کو ایک کل ہند کنونشن بلایا ہے۔

یکساں سول کوڈ مخالف کنونشن

مجلس عاملہ کے فیصلے کے مطابق ۴؍جولائی ۱۹۹۵ء کو نئی دہلی تال کٹورہ اسٹیڈیم میں جمعیۃ علماء ہند کے زیراہتمام یکساں سول کوڈ مخالف کنونشن منعقد کیا گیا، ملک کے گوشہ گوشہ سے ہزاروں علماء کرام اور دانشوران ملت اور ہر مکتبہ فکر کے نمائندوں نے اس کنونشن میں شرکت کی، اجلاس کی صدارت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی، مسلم قائدین اور جلیل القدر علماء کرام اور دانشوران ملت نے یکساں سول کوڈ کی مخالفت میں پرجوش تقریریں کیں، اور ہر مقرر نے دوٹوک لفظوں میں اس خیال کا اظہار کیا! کہ مسلمانوں کے عائلی قوانین میں مسلم پرسنل لاصرف سماجی ضابطہ یا قومی رسم و رواج نہیں بلکہ جس طرح تمام مذہبی احکام ہیں ان قوانین کی بھی وہی حیثیت ہے، اس لیے مسلمان اس میں کسی طرح کی ترمیم و تنسیخ کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کرسکتا، اور اگر بالفرض دفعہ ۴۴ کے تحت یکساں سول کوڈ نافذ کیا جائے تو مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے۔

مولانا مدنی کا خطبہ صدارت

صدر اجلاس مولانا سید اسعد مدنی نے اپنے خطبہ صدارت میں کہیں جذبات سے کام نہیں لیا بلکہ اصل مسئلہ پر پوری گہرائی کے ساتھ غور کر کے قانون وانصاف کی روشنی میں سپریم کورٹ کے موجودہ فیصلہ کو پیش کیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ یہ فیصلہ تضادات کا شکار ہے، اور بتایا کہ اس فیصلہ پر ہم کو خود حیرت ہے کہ عدالت عالیہ نے اتنے نازک اور اہم ترین پہلو کو کیوں نظرانداز کردیا ہے، آپ نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے فیصلے کی عبارت نقل کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ!

”دفعہ ۴۴ کی بنیاد اس تصور پر ہے کہ مہذب سماج میں مذہب اور عائلی

قانون میں کوئی تعلق نہیں ہے، آئین کی دفعہ ۲۵ نے مذہبی آزادی دی ہے،جبکہ دفعہ ۴۴ مذہب کے سماجی رشتوں اور ملی قانون پرسنل لا سے الگ کرنا چاہتی ہے، شادی، وراثت اور سیکولر نوعیت کے ایسے ہی مسائل کو دفعات ۲۵، ۲۶، ۲۷ کے تحت دی ہوئی آئینی ضمانت کے تحت نہیں لایا جاسکتا۔''

فیصلہ کی اس عبارت کے نقل کرنے کے بعد جناب صدر نے ثابت کیا کہ یہ وضاحت ان وضاحتوں کے بالکل خلاف ہے جو سپریم کورٹ کی بڑی بنچ نے پیش کی ہیں خطبہ صدارت کے الفاظ میں۔

''عدالت عالیہ کی یہ تازہ وضاحت سپریم کورٹ کی بڑی بنچ کی ان وضاحتوں کے خلاف ہے، جو ماضی میں متعدد فیصلوں میں کی جاچکی ہیں، جن میں کہا گیا ہے کہ کسی بھی مذہب کی کیا کیا چیزیں بنیادی ہیں، اوران کے یہاں کیا کیا رسوم ہیں، اس بات کو خود اس مذہب کے ذمہ دار ہی طے کریں گے کوئی دوسرا غیر متعلق شخص یا غیر متعلق مذہب حتی کہ عدالت اور حکومت بھی اس سلسلے میں اپنی طرف سے کسی مداخلت کی مجاز نہیں، اس لیے عدالت عالیہ کی جانب سے کی گئی تازہ تاویل تغافل یا تجاہل عارفانہ ہی معلوم ہوتی ہے، اورہمیں مختلف وجود سے اس پر سخت حیرت ہے۔''

پھر صدر محترم نے اس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ عدالت عالیہ کی تشریح ہوسکتا ہے کہ بعض قوتوں کے سلسلے میں صحیح ہو جن کے رسم ورواج کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ مقامی حالات کے لحاظ سے وہ رسوم اختیار کرلیے گئے ہیں، لیکن مسلمانوں کے عائلی قوانین کے متعلق ایسا سوچنا قطعی درست نہیں، ان کے عائلی قوانین اوررسوم جن کو مسلم پرسنل لا کہا جاتا ہے، بلا استثناء ہر ایک قرآن وحدیث سے اسی طرح ماخوذ ہیں، جیسے عبادات، عقائد، اس لیے مسلمانوں کے عائلی قوانین ان کے مذہب کا جزا ورحصہ ہیں ان قوانین میں ترمیم درحقیقت ان کے مذہب میں ترمیم ہے جو دستور کی دفعہ ۲۵ کی رُو سے صحیح نہیں ہے، مزید آپ نے فرمایا کہ ہم اسی لیے یہ کہنے پر مجبور

اور حق بجانب ہیں کہ مسلمانوں کے سماجی رشتوں اور اسلام کے عائلی قوانین کو اگر دستور کی دفعہ ۲۵ کے تحت محفوظ نہیں قرار دیا جاتا اور انھیں دفعہ ۴۴ کی غلط تشریح کر کے الگ کر دیا جاتا ہے تو اس کو دستور اساس سے انحراف کے علاوہ دین میں کھلی مداخلت قرار دیا جائے گا۔

اس فیصلہ پر ہماری حیرت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دستور اساسی کی دفعہ ۲۵ کا تعلق بنیادی حقوق سے ہے اور دفعہ ۴۴ کا مملکت کی حکمت عمل کے ہدایتی اصول سے دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، دفعہ ۲۵ کو دفعہ ۴۴ پر ترجیح حاصل ہے، سپریم کورٹ میں ایک مقدمہ ''گیشونند بھائی بنام کیرل اسٹیٹ'' آیا اس کے فیصلہ میں کہا گیا!

''پارلیمنٹ دستور میں ترمیم اور بنیادی حقوق میں تبدیلی تو کرسکتی ہے، لیکن کوئی ایسی تبدیلی یا ترمیم جو دستور کے بنیادی ڈھانچہ کو متاثر کرے وہ باطل ہوگی، بنیادی ڈھانچے میں پانچ باتیں شامل ہیں، جن میں دستور کا سیکولر کردار بھی ایک ہے، جہاں بنیادی حقوق اور رہنما اصول میں ٹکراؤ ہوتا ہے، وہاں بنیادی حقوق کو اولیت حاصل ہوتی ہے۔''

خطبۂ صدارت میں کہا گیا کہ!

''تازہ فیصلہ میں رہنما اصول کی دفعہ ۴۴ کی ایسی تشریح کی گئی ہے، جس سے بنیادی اصول متاثر ہوتے ہیں، یہ حیرتناک بات ہے، صدر محترم نے یہ بھی واضح کیا کہ یہ فیصلہ سابقہ فیصلے کے خلاف ہے، آپ نے نظیر پیش کی کہ چیف جسٹس کلدیپ سنگھ نے حکومت کو دیئے گئے عدالت کے اسی طرح کے مشورہ کو ماضی قریب میں نامناسب قرار دیا تھا، جموں کشمیر ہائی کورٹ نے ڈاکٹر آصف حمید وغیرہ کے کیس میں وہاں کی اسمبلی کو قانون بنانے کا مشہورہ دیا تھا تو فاضل جج چیف جسٹس کلدیپ سنگھ نے ۱۹۸۹ء میں اس مشورہ کو دلائل کے ساتھ کنڈم کیا تھا، مولانا نے فرمایا کہ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ دستور اساسی کی وضاحتوں کو سپریم کورٹ کے فیصلوں اور خود فاضل جج کے ماضی کے فیصلے کے برخلاف اس وقت عدالت کی

جانب سے حکومت کو دیئے گئے مشورے میں کیا راز ہے؟ صدر محترم نے کہا یکساں سول کوڈ کا مشورہ دینے میں عدالت نے دستور اور آئین کی دفعات کے ٹکراؤ اور تضادات کو ملحوظ نہیں رکھا۔ جس دفعہ کو اولیت دینی چاہیے تھی، اس کو نظر انداز کر دیا گیا، ان وجوہ سے مسلمانوں کے لیے حکومت کو دیا گیا مشورہ قابلِ برداشت نہیں رہا، اسی وجہ سے جمعیۃ علماء ہند نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور یہ کنونشن بلایا ہے۔

صدر محترم نے ایک بار پھر مسلم پرسنل لا کی اہمیت وافادیت اور ان قوانین کے فطرت انسان کے عین مطابق ہونے پر روشنی ڈالی اور بتا کہ شریعت میں ان قوانین کی بڑی اہمیت ہے، مسلمان ان قوانین کا انکار کر کے مسلم سماج میں رہنے کے قابل نہیں رہ جائے گا، آپ نے بتایا کہ جن لوگوں کے یہاں طلاق کی اجازت نہیں ہے، وہ ایسے اصول کو اپنائے ہوئے ہیں جو فطرت انسان کے خلاف ہے، اور اس کا نتیجہ آئے دن بھگتتے رہتے ہیں، اس کے برخلاف اسلامی عائلی قوانین میں ہر مشکل کا حل موجود ہے، فطرت کے مطابق ہونے کی وجہ سے قابل عمل ہیں، اس لیے مسلمان مرد اور عورت اپنے پرسنل لا کو مذہبی اور حکم خداوندی سمجھتے ہیں، جن پر ان کی آخرت کی کامیابی منحصر ہے، لیکن وہ اس دنیا کی زندگی کے لیے بھی پرسنل لا کو تجربات کی روشنی میں بہت بڑی نعمت اور گھر کو نمونہ جنت بنانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اسی لیے وہ اس کی حفاظت کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔''

حکومت سے مطالبہ

کنونشن جس مقصد کے لیے بلایا گیا تھا، صدر محترم نے آخر میں اس کے بارے میں فرمایا! کہ ''ان بنیادوں پر حکومت ہند سے ہمارا پُر زور مطالبہ ہے کہ وہ آئے دن پیش آنے والی اس صورت حال کے تدارک کے لیے ضروری کارروائی عمل میں لائے

تا کہ ہندوستان کی جمہوری قدروں کو پامال سے بچایا جاسکے،تنگ نظر عناصر کی جانب سے کی جانے والی غیر آئینی حرکتوں پر قدغن لگ سکے اور مسلمان اپنے دین پر عمل کرنے میں دشواری محسوس کرنے کے سبب احتجاج کا رُخ اختیار کرنے پر مجبور نہ ہوں،اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) رہنما اصول کی دفعہ ۴۴ جو بنیادی اصول کی دفعہ ۲۵ سے متعارض ہے، اس کو حذف کیا جائے۔

(۲) یا کم از کم مسلمانوں اور ان کے پرسنل لا کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔‘‘

کنونشن کے بعد

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے مسلمانان ہند سے اپیل کی تھی کہ یکساں سول کوڈ کے احتجاج میں صدر جمہوریہ ہند اور وزیر اعظم حکومت ہند کو ہر علاقہ سے ہزاروں کی تعداد میں احتجاجی خطوط لکھے جائیں، اور جلسے کر کے تجویزیں ارسال کی جائیں، اس اپیل کا اثر یہ ہوا کہ بلا مبالغہ لاکھوں کی تعداد میں احتجاجی خطوط صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم کے نام بھیجے گئے۔

کنونشن کے بعد اس کی منظور شدہ قرارداد حکومت تک پہنچائی گئی جس کے جواب میں وزیر اعظم حکومت ہند نے یقین دہانی کرائی کہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا حکومت کا کوئی ارادہ نہیں ہے، اور نہ اس کے بارے میں سوچا جارہا ہے۔ وزیر اعظم کے علاوہ دوسرے وزرا کے بھی اس سلسلے میں اخبارات میں بیانات آئے کہ اس بارے میں حکومت کے پیش نظر کوئی ارادہ نہیں، اگرچہ وزرا کے اخباری بیانوں پر زیادہ بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ہے،لیکن یہ بات یقیناً خوش آئند تھی کہ احتجاج موثر ہوا اور آئندہ اگر اس سلسلے میں کسی اقدام کا خیال آیا تو حکومت یہ سوچ کر ہی قدم اُٹھائے گی کہ مسلمان کسی قیمت پر اس کو قبول نہیں کریں گے، دوسری کامیابی یہ ملی کہ سپریم کورٹ کے احاطہ تک اس احتجاج کی آواز گئی، کیونکہ عدالت عالیہ کی ایک دوسری بنچ جس میں چیف جسٹس کلدیپ سنگھ بھی شامل تھے اپنے اس مشورہ کو ایک ضمنی بات قرار دیتے ہوئے یہ

بات صاف کردی کہ حکومت اس ہدایت پر عمل کرنے کی پابند نہیں ہے۔

رٹ پٹیشن

جمعیۃ علماء ہند نے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ان یقین دہانیوں اور وضاحتوں کے بعد بھی کلی اطمینان نہیں کیا، ہوسکتا ہے حالات کے دباؤ میں وقتی طور پر ایسا کیا گیا ہو اس لیے اس جنگ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے سپریم کورٹ کے اس مشورہ اور ہدایت کے خلاف رٹ پٹیشن داخل کردیا تاکہ عدالتی سطح پر بھی یہ جنگ جیت لی جائے رائے عامہ کی سطح پر تو جمعیۃ علماء ہند نے بازی جیت لی ہے، اور یقین ہے کہ عدالتی سطح پر بھی اس کو ضرور کامیابی ملے گی کیونکہ یہ مسئلہ واضح اور دلائل ہمارے حق میں ہیں۔

پچیسواں اجلاس عام ممبئی

جمعیۃ علماء ہند کا چوبیسواں اجلاس ۱۹۸۳ء میں اسی ممبئی شہر میں ہوا تھا، اس کے بارہ برس بعد پچیسواں اجلاس عام بھی اسی ممبئی میں منعقد ہوا، یہ اجلاس عام ۲۷/۲۸/۲۹/اکتوبر ۱۹۹۵ء میں آزاد میدان میں ہوا تیسرے دن کے اجلاس میں ساٹھ ستر ہزار کا مجمع تھا، اس اجلاس میں ملک کے تمام صوبوں کے نمائندے اور مندوبین ارکان، قومی و سیاسی رہنما، قومی لیڈران میں وزیر ماحولیات و جنگلات مسٹر راجیش پائلٹ، وزیر فلاح و بہبود مسٹر ستیارام کیسری، وزیر مملکت برائے دفاع مسٹر سریش بچوری، مسٹر پی ایم سعید وزیر بے قلمدان جعفر شریف، پنڈت بشمبر ناتھ سابق گورنر اُڑیسہ، سیکولر ڈیموکریسی کے ایڈیٹر اور فرقہ واریت مخالف کمیٹی کے جنرل سکریٹری دیش راج گوئل، مغربی بنگال یوتھ کانگریس کی صدر ممتا بنرجی، سماج وادی پارٹی کے ایم پی مسٹر راج ببر اور عبدالرحمٰن انتولے سابق وزیر اعلیٰ مہاراشٹر کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اجلاس عام کی صدارت مولانا سید اسعد مدنی جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی،

اخبارات کی اطلاعات کے مطابق پچاس سال کے اندر ممبئی کے آزاد میدان میں اتنا بڑا اجتماع نہیں ہوا، اجلاس تین دنوں تک چلتا رہا، شریک اجلاس ہونے والے تمام قومی لیڈروں نے اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کیا اور مسلمانوں کے مسائل پر تقریریں کیں، خصوصیت کے ساتھ سابق وزیر اعلیٰ مہاراشٹر اے آر انتولے کی تقریر فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلے میں آنکھیں کھول دینے والی تھی، انھوں نے بتایا کہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اگر حکومت صدق دلی سے چاہے کہ فساد نہ ہو تو فساد کا ہونا ناممکن ہے، اگر اتفاقاً ہو جائے تو فوراً اس پر قابو پایا جا سکتا ہے، تجاویز مرتب کرنے کے لیے سب کمیٹیاں بنا دی گئی تھیں، پندرہ تجویزیں مختلف مسائل پر مرتب کر کے اجلاس میں پیش کر کے تائید حاصل کی گئی۔

خطبہ صدارت

اجلاس کی صدارت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی اور اپنا خطبہ صدارت پیش کیا، یہ خطبہ حالات و مسائل کے لحاظ سے بہت جامع تھا ان تمام مسائل پر روشنی ڈالی گئی جس سے یہ ملک اور اس ملک کی اقلیت دوچار تھی، خطبہ میں حالات کی صحیح اور سچی عکاسی اور ایسی حقیقت و واقعیت کو پیش کیا گیا، جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اگر وہ حق پسند اور انسانیت دوست ہے، خطبہ صدارت طویل ہے، کیونکہ مسائل ہی کچھ اتنے اہم تھے کہ اختصار کرنا مشکل تھا صدر محترم نے ہندوستان کے طرز حکومت سے بات شروع کی ہے آپ نے فرمایا کہ!

> ”ہمارا ملک ہندوستان دستوری اعتبار سے جمہوریت اور سیکولرزم کا پابند ہے اور ہر سیاسی جماعت یہاں تک کہ بھاجپا جیسی کمیونل پارٹی بھی جمہوریت اور سیکولرزم کا نعرہ بلند کر کے ہی کرسی اقتدار تک پہنچی ہے اور آگے بڑھنے کی کوشش کرتی ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیا جمہوریت کا نعرہ بلند کرنے یا کسی ملک کو سیکولر اسٹیٹ کہہ دینے سے وہ صحیح معنوں میں جمہوری اور سیکولر ہو جائے گا۔“

ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب نفی میں ہے، معلوم ہوا کہ جمہوریت اور سیکولرزم کی جو روح ہے وہ اس کے ڈھانچے میں نہیں ہے، شکل وصورت میں وہ ملک جمہوری اور سیکولر اسٹیٹ ہے، لیکن جمہوریت اور سیکولرزم کے جو بنیادی اصول اور خصوصیات ہیں وہ یہاں عنقا ہیں۔ آپ نے فرمایا!

سچی جمہوریت

”حقیقی جمہوریت تو وہ آزادی ضمیر وآزادی رائے ہے جو دین و مذہب کے دائرے میں کسی قسم کی زور زبردستی کو روا نہ رکھے، حقیقی جمہوریت تو یہ ہے کہ رنگ ونسل، دولت وثروت کا ہر امتیاز مٹا کر یہ اعلان کرے کہ کلکم بنوا آدم من تراب ، سچی جمہوریت کے یہ وہ زریں اصول ہیں جو دستورِ ہند میں واضح الفاظ میں موجود ہیں، مگر اب تک کی ساری حکومتیں جمہوریت کے ان بنیادی اصولوں کو پامال کرتی چلی آرہی ہیں، ان کے لیے پریس اور پارٹیوں کو مکمل آزادی ہی نہیں بلکہ سرکاری وسائل وذرائع ابلاغ پر پوری طرح ان کی وکالت کرتے ہیں، گویا کہ دستور نے انھیں اس کا حق دے دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جتنی سازشیں اور کوششیں کی جاسکتی ہیں اور کرائی جاسکتی ہیں ان سے دریغ نہ کریں۔“

مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی

”مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی اور ان کے حقوق کی پامالی کا اظہار مسٹر ایم این ایچ رٹائرڈ مجسٹریٹ ان الفاظ میں کرتے ہیں، کہ آزادی کے بعد سے آج تک کوئی مسلمان وزیر اعظم نہیں ہوا اور نہ ہونے کی اُمید ہے۔ کچھ مسلمانوں کو غیر اہم اور معمولی محکمے مثلاً وقف، جیل ٹرانسپورٹ دے کر وزیر بنا دیا جاتا ہے، جو برائے نام ہی ہوتے ہیں، یہی حال سروسز کا بھی ہے، سول پولیس، دفاع اور نوکریوں میں مسلمان برائے نام ہیں کوئی بھی

مسلمان ٹاٹا، برلا، مفت لال کی طرح صنعت کار نہیں ہے، پاکستان بننے کے بعد تقریباً ہر مسلمان کو شک کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے، یہاں تک کہ آج اونچے افسران مسلمانوں کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، آج سے پچیس برس پہلے کی حالت مجھے یاد ہے جبکہ میں ضلع مجسٹریٹ تھا کہ جب کبھی لا اینڈ آرڈر کی بات آتی تو مجھے گورنمنٹ سے خفیہ ہدایت ملتی تھی کہ مسلمانوں کے لائسنسی ہتھیاروں کو بھی ضبط کرلیا جائے، لیکن ہندوؤں کے متعلق کبھی بھی اس قسم کی ہدایت نہیں آئی، حالانکہ پاکستان کے ساتھ تین جنگوں نے ثابت کردیا ہے کہ مسلمان دھوکے باز نہیں ملک کے وفادار ہیں ان پر بھرپور بھروسہ اور اعتماد کیا جاسکتا ہے۔'' (مسلم انڈیا ۱۳؍دسمبر ۱۹۹۰ء)

صدر محترم نے جمہوری ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ ناروا اور ظالمانہ امتیاز کی ایسی شہادت دی ہے جسے جمعیۃ کے علاوہ کسی میں طاقت نہیں ہے، یہی حال زندگی کے ہر شعبہ میں ہے، آپ نے مسلمانوں کے ساتھ حکومت کے امتیازی سلوک کے ذکر کرنے کے بعد وہ مسئلہ اٹھایا ہے، جو ہندوستان میں بدقسمت مسلمانوں کا مقدر بنا دیا گیا ہے، یا فرقہ پرست شکاریوں کے لیے مسلم آبادیوں کو شکارگاہ بنا دیا گیا ہے، آپ نے خطبہ صدارت میں فرمایا!

''تقسیم ملک کے بعد قتل و غارتگری کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، حکومتوں کی مجرمانہ خاموشی، چشم پوشی اور حکومت کے اہلکاروں امن وقانون کے ذمہ داروں کی سازش سے مسلمانوں کے لیے ایک ناسور بن گیا ہے۔ صرف ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۳ء تک نو سال کے عرصہ میں سرکاری رپورٹوں کے مطابق ۹۳۵۹ مسلمان فرقہ وارانہ فسادات میں شہید کیے گئے۔ واقعات وتجربات کی شہادت پر یقین کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ اعداد و شمار عادت کے مطابق گھٹا کر پیش کیے گئے ہیں، اسی پر بقیہ سالوں کو قیاس کرلیا جائے، یہ تو صرف جانی نقصان کی فہرست ہے۔ تجارتی، صنعتی اور

مالی نقصانات کا اندازہ تو اربوں اور کھربوں تک پہنچ سکتا ہے۔‘‘

صدر محترم نے ان اعدادوشمار کے پیش کرنے کے بعد جو بات کہی ہے وہ بہت ہی روح فرسا اور جگر گداز ہے۔اس سے مسلمانوں کے جان ومال کی قدر وقیمت اور حکومت کی نگاہ میں مسلمانوں کا درجہ اس ملک میں مکھی مچھر سے بھی کمتر معلوم ہوتا ہے، آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا اتنا بڑا مالی نقصان یا جانی نقصان افسران کی غفلت اور لاپرواہی بلکہ سازش اور شرکت سے ہونے کے باوجود حکومت نے کبھی ان افسروں سے باز پُرس نہیں کی لیکن ہندوؤں کا معمولی بھی جانی و مالی نقصان ہو گیا تو ان افسران سے باز پرس بھی ہوئی اور ان کو سزا بھی دی گئی، کیونکہ حکومت کی نگاہ میں ان کے جان و مال کی قدر وقیمت ہے اور مسلمان حشرات الارض یا کیڑے مکوڑے کی طرف ہے، جو چاہے اس کو روندے، مسل دے اس کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں، مسلمانوں کی بس یہی قدر وقیمت ہے، آپ نے فرمایا! کہ مسلمانوں پر قیامت برپا کرنے میں اخبارات کا بہت اہم رول ہوتا ہے وہ جھوٹی اور اشتعال انگیز افواہوں کو شاہ سرخیوں میں شائع کر کے دوسروں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے اور تباہ وبرباد کرنے پر اُکساتے ہیں، آمادہ کرتے ہیں، ارباب حکومت ان کی مجرمانہ حرکتوں کو دیکھتے ہیں مگر ان اخبارات سے کوئی باز پرس نہیں کرتے، آپ نے اس کی مثال میں بتایا کہ ابھی سال ڈیڑھ سال کی بات ہے کہ فساد کے موقع پر علی گڈھ میں فساد کی آگ پر پٹرول چھڑکتے ہوئے ایک اخبار نے یہ جھوٹی خبر شائع کر دی کہ مسلم یونیورسٹی کے میڈیکل کالج میں دوسو غیر مسلم افراد کو قتل کر دیا گیا، یہ کتنی اشتعال انگیز اور آگ بھڑکانے والی خبر تھی، مگر حکومت اندھی بہری بنی رہی اور اخبار والوں سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی، وحشت و بربریت کے واقعات کی فہرست میں آپ نے فرمایا! کہ پانچ سو سالہ بابری مسجد کے قتل کا بھی ذکر بڑے دل دوز انداز میں فرمایا! آپ نے بتایا کہ یہ کام خود حکومت کی سرپرستی اور سازش سے ہوا اور پھر مسجد کی شہادت کے بعد پورے ملک میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا، وہ ہندوستان کی حکومت کی بددیانتی اور انسانیت دشمنی کی بدترین مثال ہے، آپ نے خطبہ صدارت میں اس بات پر بھی روشنی ڈالی کہ اس ملک

میں ایک مستحکم اور مضبوط تنظیم آر، ایس، ایس، کی ہے، جس کا واحد مقصد ہندوستان کی سرزمین سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹادینا ہے، وہ باقاعدہ مسلح نوجوانوں کی ایک فوج رکھتی ہے، حملہ اور وار کرنے کی مشق کراتی ہے، اس کی وردی ہوتی ہے اور ہر فساد میں ان کا مرکزی کردار ہوتا ہے، حکومت کی رپورٹوں میں بھی اس تنظیم کی سازشوں اور خلاف قانون حرکتوں کا ذکر بھی آتا ہے، مگر آج تک اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی بلکہ اکثر ان کوشہ دی گئی اور ان کے مقصد کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو انتظامیہ کے افسران دور بھی کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ فسادات میں انتظایہ کے افسران کا رول بھی مجرمانہ ہوتا ہے، فساد کی شدت میں بسا اوقات ان کا ہاتھ ہوتا ہے اور ثابت بھی ہوجاتا ہے مگر کبھی ان پر ایکشن نہیں لیا گیا، جبکہ دوسری معمولی کوتاہیوں پر ان سے باز پرس ہوتی ہے، تبادلہ ہوتا ہے مگر مسلمانوں کے قتل عام میں اگر ان کا ہاتھ ہے تو حکومت کی نگاہ میں یہ کوئی جرم ہی نہیں، اس لیے ایکشن لینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

صدر محترم نے فرمایا کہ تجربات کی روشنی میں بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ افسران جہاں چاہتے ہیں وہیں فساد ہوتا ہے اور جہاں نہ چاہیں ہرگز فساد نہیں ہوسکتا، یعنی امن وامان کے محافظ ہی امن وامان کے دشمن ہیں، قانونی کارروائیوں میں بھی امتیاز اور فرق بتاتا ہے کہ حکومت کے ذہن ومزاج میں جو تنگ نظری اور تعصب کا زہر ہے اس کی نشاندہی کرتا ہے، ممبئی میں ایک زبردست بم دھماکہ ہوا جس سے تباہی پھیلی اور نقصان ہوا تو اس کے مشتبہ مجرموں کی تلاش میں زمین وآسمان کا گوشہ گوشہ چھان مارا گیا، جبکہ نامزد مجرم نہیں تھے، لیکن اسی ممبئی میں فساد کے موقع پر انگنت مسلمان شہید ہوئے کروڑوں کی جائداد تباہ وبرباد ہوئی اور تباہی پھیلانے والے برملا اور بطور فخر اس کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن ان پر کوئی ہاتھ ڈالنے والا نہیں۔ ان کی گرفتاری کا ذکر تک نہیں کیونکہ مرنے والے مسلمان ہیں تباہ وبرباد ہونے والے مسلمان ہیں اور اس ملک میں یہ کوئی جرم نہیں، جان ومال کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں کے لیے نہیں دوسروں کے لیے ہے اس دردناک کہانی کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہوئے صدر محترم نے فرمایا!

”لا اینڈ آرڈر اور جان و مال کی حفاظت کے بنیادی حق کے سلسلے میں جمہوریت کی دعویدار حکومتوں کا یہ جانبدارانہ رویّہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت کے ساتھ ان کے غیر منصفانہ بلکہ مجرمانہ سلوک کی یہ خونچکاں داستان اس قدر دل گداز اور غم انگیز ہے کہ اُسے سن کر پتھر کا دل رکھنے والے بھی خون کے آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتے مگر سرمستانِ بادۂ اقتدار کا طرز عمل بتا رہا ہے کہ مسلمانوں کے خون سے رنگین ارضِ وطن کو دیکھ کر وہ اس طرح خوش ہیں جیسے بادِ بہاری نے صحن چمن میں لالہ وگل بکھیر دیئے ہیں۔

صدر محترم نے اپنے خطبہ میں حکومت کی دورخی پالیسی اور ہر شعبۂ زندگی میں مسلمانوں کے ساتھ امتیاز اور ناروا سوتیلا پن برتنے کی مثالیں پیش کی ہیں اور بتایا ہے کہ آپ زندگی کے جس شعبہ میں جائیں آپ کو اس کا ثبوت ملتا چلا جائے گا، سرکاری اور پرائیویٹ اداروں میں مسلم طلبہ کا داخلہ دشوار ترین بنا دیا گیا ہے، صنعت وحرفت، تجارت وزراعت اور سرکاری اسکیموں میں مسلمانوں کو فائدہ پہنچ جائے یہ ممکن ہی نہیں، ساری سہولتیں، مراعات، امداد دوسروں کے لیے ہیں مسلمانوں کے مقدر کا خانہ خالی رہتا ہے، سرکاری ملازمتوں پولیس اور فوج میں ڈھونڈنے سے بھی مسلمانوں کا نام نہیں ملے گا، اگر افسران کی نظر چوک گئی کوئی مسلمان ملازمت میں آ گیا تو اس کو اتنا بے قیمت بنا دیا جاتا ہے کہ اس کے ضمیر، اس کی غیرت، اس کی عزتِ نفس پر ہر دم ہتھوڑے برستے رہتے ہیں، حکومت کو مسلمانوں کی وقف کی جائداد جو کروڑوں کی ہے کوئی پرواہ نہیں، اس کے نظم سے بے نیاز ہے، تباہ ہوتی چلی جارہی ہے، اب جا کر پچاس برس بعد ۱۹۹۵ء میں وقف ایکٹ پاس ہوا ہے، مجرمانہ سزاؤں کا قانون چاہے کسی اور مقصد سے بنایا گیا ہو، لیکن اس کا اطلاق مسلمانوں پر آسان بنا دیا گیا ہے، جیسے ٹاڈا کا کالا قانون جو دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے بنایا گیا تھا، اب عام طور پر اس کا استعمال مسلمانوں پر کیا جاتا ہے، مسلمانوں کے مسلم پرسنل لا کو پامال کرنے کے لیے رہ رہ کر یکساں سول کوڈ کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے، دینی مدارس جو مسلمان اپنے سرمایہ

سے چلاتے ہیں ان کو دہشت گردی کا اڈہ کہہ کر تختہ مشق بنایا جاتا ہے، ان پر چھاپے مارے جاتے ہیں، سرحدی ریاستوں میں مسلمانوں کو غیر ملکی کہہ کر ستایا جاتا ہے اور ان سے شہریت کا ایسا ثبوت مانگا جاتا ہے جو کبھی دستیاب نہ ہوسکے، اب تو صاف لفظوں میں ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے کی بات بھی سنائی دینے لگی ہے، ان تمام مظالم پر روشنی ڈالتے ہوئے صدر محترم نے فرمایا!

”یہ وہ حالات ہیں جن میں ملک گھرا ہوا ہے، جس کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ کمیونل اور فاشسٹ تنظیموں کی جانب سے جب بھی تعصب اور فرقہ واریت پر مبنی کوئی غلط، خلاف قانون اور غیر دستوری نظریہ سامنے آتا ہے، تو ہماری حکومت زبان سے تو انکار کرتی ہے، لیکن عمل اسی کمیونل نظریہ کے مطابق ہی کرتی ہے، حکومت کے اس دو رُخے رویّہ نے حالات کو سنگین سے سنگین تر بنادیا ہے۔“

آپ نے آخر میں مسلمانوں کی کوتاہیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ وہ ہوش مندی سے حالات کا مقابلہ نہیں کرتے، پھر آپ نے مسلمانوں کی تاریخ عزیمت کے صفحات کھول کر دکھائے ہیں پھر ان کو شدائد ومصائب پر صبر وتحمل کی تلقین کرتے ہوئے عزم وہمت سے کام لینے اور مذہب پر سختی سے کاربند ہونے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ جمعیۃ علماء ہند ہمیشہ سے قوم وملت کی مخلصانہ خدمت کرتی آئی ہے اس راہ پر پوری قوت ارادی سے قائم ہے اور اسلام اور مسلمانوں پر آنے والی مصیبتوں میں سپر بننے کے لیے اس طرح تیار ہے، جیسے آج سے پہلے تھی۔

جمعیۃ علماء ہند کے ذیلی شعبے اور دائرۂ کار

جمعیۃ علماء ہند کی تنظیم ملک گیر ہے، ہندوستان کے بیشتر صوبوں میں اس کی ریاستی تنظیمیں بہت متحرک اور فعال ہیں، مرکزی دفتر نئی دہلی سے ان کا براہِ راست رابطہ رہتا ہے، اس لیے مرکزی دفتر ہمہ وقت پورے ملک کے قومی وملی مسائل سے باخبر رہتا ہے، اور اس ریاست کے بنیادی مسئلوں سے بھی واقف ہوتا ہے، جو ان

علاقوں میں خصوصیت سے پائے جاتے ہیں، بہت سے قومی وملی مسائل وہ ہیں جن کا تعلق براہِ راست مرکزی دفتر سے ہے، جہاں ان کاموں کے لیے الگ الگ ذیلی دفاتر ہیں اور اس شعبے کے ذمہ دار اس نظام کو باقاعدگی سے چلاتے ہیں، اور اپنی کارگذاری رپورٹ مرتب کرکے صدر دفتر کے حوالے کرتے ہیں۔

امارت شرعیہ

جمعیۃ علماء ہند نے ۱۹۸۶ء سے امارت شرعیہ کا نظام قائم کرکے امیر الہند کا انتخاب کیا تھا، پہلے امیر الہند حضرت مولانا ابوالماثر حبیب الرحمٰن الاعظمی نور اللہ مرقدہ تھے، ان کی وفات کے بعد ایک نمائندہ اجتماع نے دوسرے امیر الہند کا انتخاب کیا اور مئی ۱۹۹۲ء میں اس جلیل القدر منصب پر حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کا انتخاب کیا گیا، جو تادمِ تحریر اس منصب پر فائز ہیں، مرکزی دفتر کے ایک حصے میں باقاعدہ امارت شرعیہ کا دفتر ہے، وہ پورے ملک میں محکمہ شرعیہ قائم کرتا ہے قصبوں اور شہروں کی سطح پر یہ محکمہ شرعیہ کام کرتا ہے، نکاح طلاق وغیرہ کے مقدمات پر بڑی باریک بینی اور دیدہ وری کے ساتھ غور کرکے فیصلے کرتا ہے اور اخلاقی طور پر وہ نافذ بھی ہوتا ہے، محکمہ شرعیہ کی وجہ سے مسلم معاشرہ کی ایک اہم ترین ضرورت پوری ہوتی ہے۔

اس شعبہ نے "محکمہ شرعیہ" کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی شائع کیا ہے، جس میں طلاق، خلع اور تفریق کے ضروری اور اہم مسائل لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ ہر علاقہ کا محکمہ شرعیہ اس کی روشنی میں مقدمات کا فیصلہ کرے، اس کتابچہ میں دعویٰ کے دائر ہونے سے لے کر مقدمہ کے فیصلے تک کے سارے ضابطے اصول وقواعد اور طریقہ کار درج ہیں، اطلاعی فارم کے خاکے بھی دے دیئے گئے ہیں آج پورے ملک میں بہت سے مقامات پر یہ محکمہ شرعیہ قائم ہے، اس کے پاس مقدمات آتے ہیں، اس کو صحیح اسلامی قوانین کی روشنی میں بےلوث اور اخلاص کے ساتھ فیصلے کیے جاتے ہیں اس کتابچہ کی روشنی میں مسلم سماج اس سلسلے کے پیچیدہ سے پیچیدہ تر معاملوں کو خوش اسلوبی سے انجام دیا جاتا ہے۔

ادارۃ المباحث الفقہیہ

جمعیۃ علماء ہند کا ایک ذیلی شعبہ المباحث الفقہیہ کے نام سے ہے جس میں دورِ جدید میں پیدا ہونے والے ایسے مسائل پر بحث و تحقیق کرکے شرعی حکم متعین کیا جاتا ہے، جن مسائل کا قدیم فقہ کی کتابوں میں صراحتاً ذکر نہیں ہے، جدید ترین اور عصرِ حاضر کے پیدا کردہ ایسے مسائل پر اس شعبہ نے متعدد سمینار منعقد کیے ہیں، ان سمیناروں کے موضوعات تھے، غیر سودی رفاہی اداروں اور سوسائٹیوں کی شرعی حیثیت کیا ہے، اس مسئلہ پر المباحث الفقہیہ کی جانب سے ایک سمینار منعقد کیا گیا، دوسرے سمینار کا موضوع تھا ''اسلامی نظام قضا اور ہندوستان'' تیسرا فقہی اجتماع ''شیئرز اور ایکسپورٹ'' کے مسئلہ پر ہوا، ایک فقہی اجتماع ''دوسرے مسلک پر فتویٰ اور عمل'' کے عنوان سے ہوا، ایک سمینار ''غیر اسلامی مما لک میں عقودِ فاسدہ'' کے موضوع پر ہوا، ان فقہی اجتماعات اور سمیناروں کی کارروائی رپورٹوں سے اندازہ ہوا کہ اہل علم اور اہلِ فتویٰ نے ان میں بڑی دلچسپی سے حصہ لیا اور بعض اجتماعات میں سیکڑوں کی تعداد میں اہل فقہ وفتویٰ شریک ہوئے اور اپنے اپنے مقالے پیش کیے اور پوری بحث و تمحیص، تنفید و تحقیق سے کام لے کر مسئلہ کو منقح کیا گیا، بعض مسئلوں میں اتفاق رائے نہیں ہوسکا اور بعض اہل فقہ وفتویٰ کا اس کارروائی پر اختلافی نوٹ بھی ہے، اس سے اندازہ ہوا کہ پوری دیانتداری اور تحفظ ذہنی سے علیحدہ ہوکر تحقیق کا حق ادا کیا جاتا ہے۔

شعبۂ اصلاحِ معاشرہ

یہ شعبہ ملکی سطح پر کام کرتا ہے اس کی چار سالہ روداد دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ پورے ملک میں اس کی سرگرمیاں جاری ہیں، اس شعبہ کا مقصد مسلم معاشرہ کو غلط رسم و رواج سے پاک صاف کرنا ہے، مسلم سماج میں بہت سی غیر اسلامی رسوم اور علاقائی اثر پذیری کی وجہ سے بہت سے خلافِ شرع رواج غیروں سے لے کر مسلم سماج میں بھی داخل کردیئے گئے ہیں، ایسے تمام غیر اسلامی رسم و رواج کی نشاندہی کرکے حدیث و

قرآن اورتعلیمات اسلامی کی روشنی میں مسلم معاشرہ سے مٹانے کی جدوجہد کی جاتی ہے،شادی وغمی کے موقعوں پر غیر اسلامی توہمات وخرافات اور رسم و رواج نے مسلم سماج کی صورت بگاڑ دی ہے، عصر حاضر کی بہت سی برائیاں دوسروں سے چل کر مسلمانوں میں داخل ہوگئی ہیں، جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ شریعت کی نگاہ میں معصیت ہے،ایسے تمام امور کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے،شعبہ اصلاح معاشرہ کی طرف سے باضابطہ وفود پورے ملک میں بھیجے جاتے ہیں، یہ وفود علماء کرام اور دینی مدارس کے اساتذہ پر مشتمل ہوتے ہیں، وہ خوش دلی سے اس قومی وملی ضرورت کے لیے بھر پور تعاون بھی دیتے ہیں، اس طرح یہ شعبہ متحرک اور فعال ثابت ہوا ہے،تازہ ترین جو رپورٹیں میری نگاہ سے گذری ہیں ان میں ہندوستان کے بیشتر صوبوں میں وفود بھیجنے کا ذکر ہے، علماء کرام کے ان وفود نے ہر جگہ مقامی مسلمانوں کے اجتماعات کیے،وعظ ونصیحت کی، وہاں کی علاقائی غیر اسلامی رسوم کی نشاندہی کرکے ان کے ترک کرنے کی ان سے اپیل کی، جلسہ کے بعد بالعموم ہر جگہ اہل علم اور بااثر حضرات پر مشتمل اصلاحِ معاشرہ کی کمیٹی بھی بنادی کہ وہ مقامی طور پر اس کے لیے جدوجہد کرتی رہے، اس وقت میرے سامنے ہریانہ، پنجاب، ہمال پردیش راجستھان، آندھرا پردیش،تامل ناڈو، مدھیہ پردیش، مرٹھواڑہ، مہاراشٹر، کرناٹک،شمالی کرناٹک، بیجاپور، مغربی بنگال، بہار اور اتر پردیش کی مفصل رپورٹیں ہیں جن میں شعبہ اصلاح معاشرہ کے مرکزی دفتر کی جانب سے علماء کرام کے وفود پہنچنے ، اجتماعات بلانے اور غلط رسم و رواج کی نشاندہی کرکے ان سے اجتناب کی تاکید کرکے وہاں اصلاح معاشرہ کمیٹی کے تشکیل کرنے کا ذکر ہے۔

اجراءمکاتب دینیہ

آزادی کے بعدسیاسی وسماجی دباؤ کی وجہ سے دُور افتادہ اَن پڑھ دیہاتی مسلمانوں نے اسلام ترک کردیا تھا،ان کو از سرنو دائرہ اسلام میں لاکران کی ابتدائی دینی تعلیم کے لیے دینی مکاتب کا اجرا جمعیۃ علماء ہند کا ایک مثالی اوراہم ترین کارنامہ ہے۔

تقسیم ملک کے بعد ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش، راجستھان، گجرات کے کچھ علاقوں میں ارتداد کا زبردست فتنہ اٹھایا گیا اور لاکھوں افراد کو ظاہری طور پر مرتد کردیا گیا، ہریانہ، پنجاب اور ہماچل کے اضلاع میں خاص طور پر انبالہ، سنگرور، ہوشیار پور، کانگڑہ، بلاسپور، منڈی اس فتنہ کا شکار ہوئے۔ راجستھان میں اجمیر، بیاور، اُودے پور اور پالی کے علاقوں میں پچاسوں ہزار مسلمانوں کو مرتد بنالیا گیا، اُترپردیش میں تحصیل ہاتھرس کے بعض گاؤں اور آگرہ کے بہت سے دیہات میں بھی مسلمان مرتد ہوگئے، دراصل یہ لوگ آبائی طور پر مسلمان تھے مگر سارے رسم ورواج ہندوانہ اختیار کرلیے گئے حتی کہ نام بھی مسلمانوں جیسے کم ہی رکھتے تھے، شاید کلمہ شہادت سے بھی وہ پورے طور پر واقف نہیں تھے مگر وہ اپنے کو اس حالت میں بھی مسلمان ہی سمجھتے تھے اور کہتے تھے اسی کمزوری کی وجہ سے فرقہ پرستوں کے دباؤ میں آکر پوری پوری آبادی پنچائت کرکے اجتماعی طور پر اسلام چھوڑ کر دوسرا دھرم قبول کرنے کا اعلان کردیتے تھے۔ جیسے ایک کپڑا اُتار کر دوسرا کپڑا پہن لیا اس سے زیادہ مذہب کی تبدیلی کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ صرف سماجی رسم و رواج کے اختیار کرنے کا نام مذہب سے وہ پہلے بھی ہندووانہ رسم و رواج میں مبتلا تھے اس لیے یہ خاندانی مسلمان بڑی آسانی سے آریہ سماجیوں کے شکار ہوگئے۔

آزادی کے بعد اس ملک میں سوائے جمعیۃ علماء ہند کے کوئی مسلمانوں کی جماعت یا تنظیم نہیں تھی، جو لوگ آزادی سے پہلے سیاسی جماعتوں میں شریک تھے ان کے سامنے ایسے مہیب اور خوفناک حالات آئے کہ وہ خود کو مجرم سمجھنے لگے، اس لیے ان کے اندر زبان کھولنے کی بھی جرأت نہیں تھی اس لیے جمعیۃ علماء ہند نے ابتدا ہی سے ان مرتد ہونے والے مسلمانوں کی طرف توجہ کی، کچھ ارباب جمعیۃ کو مستقل طور پر ان علاقوں میں مقرر کردیا گیا، وہ ان علاقوں کے دورے کرکے مسلسل مرتد ہونے والے مسلمانوں کو دوبارہ اسلام میں لانے کی برابر جدوجہد کرتے رہے، قدرت نے ان کو کامیابی دی، کیونکہ وہ پہلے بھی اپنے کو مسلمان کہتے اور سمجھتے تھے، اگرچہ مسلمانوں کے طور طریق پر نہیں تھے، جب پورے علاقے کے مرتد ہونے والوں کو اس کا احساس ہوا

کہ ہماری پشت ہندوستان کے بہت سے مسلمان ہیں تو پھر وہ پوری جرأت کے ساتھ اسلام میں واپس آ گئے اور اس فتنہ کے مستقل سد باب کے لیے ضروری سمجھا گیا کہ ان تمام علاقوں میں ابتدائی دینی مکاتب قائم کر کے ان کو دین کی ابتدائی معلومات دے دی جائیں، اور ان کی نئی نسل کو دینی تعلیم دے کر سچا اور پکا مسلمان بنا دیا جائے، تو مستقبل میں یہ حادثہ دوبارہ نہیں ہوگا اسی نقطہ نگاہ سے ان تمام علاقوں میں چار درجن سے زائد دینی مکاتب کھولے گئے اور شہری علاقہ سے اساتذہ وہاں بھیجے گئے اور ہر قابل ذکر آبادی میں کوشش کی گئی کہ ایک مسجد تعمیر کر دی جائے تا کہ نماز روزہ سے وہ واقف رہیں ان مکتبوں میں ان دیہاتوں سے مسلمان بچے لائے جاتے اور ان کو ابتدائی دینی تعلیم دی جانے لگی۔ ان مخدوش علاقوں میں چار درجن سے زائد مکاتب اسلامیہ کا براہِ راست تعلق جمیعۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر نئی دہلی سے تھا، وہی تنخواہ اور مکاتب کے دیگر اخراجات کی متکفل ہے اور مستقل ایک نگراں رکھ کر کام کا جائزہ لیتی رہتی ہے۔

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمیعۃ علماء ہند نے ان مخدوش علاقوں کے بار بار دورے کیے کہ اور وہ تمام تدابیر اختیار کی جاتی رہیں جن کی وجہ سے ان کو مستقبل میں ارتداد کے فتنہ سے بچایا جا سکے، مرکزی دفتر نے مستقل ایک ذمہ دار عالم کو مقرر کر دیا جو ان علاقوں میں حالات کا ہمیشہ جائزہ لیتے رہے اور ان مکاتب کی نگرانی اور ان کی کارگذاری کو درست رکھتے اور ان کی ضرورت سے مرکزی دفتر کو مطلع کرتے۔

۱۹۹۱ء کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ راجستھان کے علاقہ بیاور میں ۱۹/ تحصیل ہاتھرس میں ۷/ساندھن کے علاقے میں ۱۶/مکاتب کھولے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ ہریانہ کے قصبہ سونی پت کے علاقے میں بہت سے مکاتب کھولے گئے۔ مساجد کی تعمیر کا سلسلہ بھی برابر جاری ہے، متاثرہ علاقوں میں دینی مکاتب اور تعمیر مساجد اور ویران مساجد کی مرمت و آبادی کے علاوہ امام وخطیب کا تقرر، اساتذہ کو ان علاقوں میں بھیجنے، اسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کی جا چکی ہیں، بیاور کے علاقے میں ۱۳ مسجدیں تیار ہو چکی ہیں اور ۱۱/ویران مسجدوں کو پھر سے آباد کیا جا چکا ہے، اذان جماعت کا بندوبست کیا جا چکا ہے، راجستھان کے علاقوں کے علاوہ ہریانہ کے بہت

سے گاؤں خطرات میں ہیں، اس کے سد باب کے لیے جمعیۃ علماء ہند فکر مند ہے اور اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کے وسائل فراہم کررہی ہے۔

مسلم فنڈ کی تحریک

مسلم فنڈ جو ضرورتمندوں کو غیر سودی قرض دیتا ہے، جو ملک کے مختلف علاقوں میں مصروف کار ہے، مرکزی دفتر دہلی میں اس کا کوئی شعبہ یا ذیلی دفتر نہیں لیکن یہ اسکیم جمعیۃ علماء ہند کی ہدایات اور اس کی جدوجہد سے بروے کار لائی گئی ہے، لیکن ہر جگہ کا مسلم فنڈ خود مختار آزاد ہے، اپنی صوابدید کے مطابق کام کرتا ہے البتہ طریقہ کار ٹھیک وہی ہے، جس کو جمعیۃ علماء ہند نے مقرر کردیا ہے، اس میں تبدیلی ممکن نہیں، البتہ جمعیۃ علماء ہند جہاں جہاں مسلم فنڈ قائم ہے، ان پر نظر رکھتی ہے اور جہاں قائم نہیں ہیں، لوگوں کو اس کے قائم کرنے کی طرف توجہ دلاتی رہتی ہے، ایک رپورٹ سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ایک سو سے زائد مقامات پر مسلم فنڈ قائم ہے اور چھوٹے یا بڑے پیمانے پر کام کرتے ہیں وہ سب کے سب مقامی جمعیۃ علماء کے ارکان کی جدوجہد کے نتیجہ میں قائم ہوئے ہیں اس اسکیم کا مقصد غریب اور چھوٹے کاروبار یوں کو مالی مدد فراہم کرنا ہے اور ان کو سودی قرض لینے سے روکنا ہے، مسلم فنڈ اس کی ضرورت کے مطابق رقم دیتا ہے اور مقررہ مدت پر وصول کرلیتا ہے، مسلم فنڈ نے اپنے اپنے علاقوں میں محیر العقول کامیابیاں حاصل کی ہیں بہت بڑی تعداد میں پست حال اس کی مدد سے کاروبار میں اپنے پیروں پر کھڑے ہوگئے، ان کو بروقت قرض مل گیا، اور سود کی لعنت اور نقصان سے بھی وہ محفوظ رہے اس لئے کاروبار ترقی کرگیا، یہ ایک مثالی کارنامہ ہے ضرورت ہے کہ اس اسکیم کو مزید فروغ دیا جائے۔

تعلیمی وظائف

جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر کی طرف سے ٹیکنیکل تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبہ کو تعلیمی وظائف بھی ایک عرصہ سے دیا جارہا ہے، تاکہ وہ طالب علم مالی کمزوری کی

وجہ سے تعلیم سے محروم نہ رہ جائیں، ادھر چند برسوں سے مجاہد ملت اسکالرشپ دینے کا سلسلہ شروع کردیا گیا ہے، جس کے تحت اعلیٰ فنی تعلیم حاصل کرنے والے طبقہ کو وظیفہ دیا جاتا ہے تاکہ مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد پیدا ہوں اور ان کی معاشی حالت بھی درست ہو۔

امداد بیوگان

مرکزی دفتر کی طرف سے بے سہارا بیوہ عورت کو مدد دینے کا بھی نظم ہے، تحقیق و تفتیش کے بعد مستحق نادار شریف بیواؤں کو جن کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے ان کی سرپرستی کرنے والا ان کے خاندان میں کوئی نہیں ہے، ایسی بے سہارا خواتین کو ماہوار یا سالانہ مالی مدد دی جاتی ہے، یہ انتہائی احتیاط اور خفیہ طور پر مدد کی جاتی ہے، تاکہ ان کی غیرت وشرافت کو ٹھیس نہ لگے۔

ریلیف فنڈ

فسادزدہ علاقوں کے مظلوم مسلمانوں کو فسادات میں تباہ وبرباد کردیا جاتا ہے، وہ نان شبینہ کے محتاج ہوجاتے ہیں، ان کے گھروں کو لوٹ لیا جاتا ہے، آگ لگا کر پھونک دیا جاتا ہے، سامان معیشت جو زندگی بھر کی کمائی ہوتی ہے بلوائی لوٹ لے جاتے ہیں، لاکھوں اور کروڑوں کی املاک تباہ وبرباد کردی جاتی ہیں، ایسے لوگوں کو دوبارہ خود کفیل بنانا اور پھر اپنے پیروں پر کھڑا کرنا بڑا ہی مشکل اور دشوار طلب کام ہے، اتنا بڑا بوجھ ایک حکومت ہی اٹھا سکتی ہے، عوامی تعاون سے چلنے والی کوئی جماعت اس کا حق کیسے ادا کرسکتی ہے۔ لیکن جمعیۃ علماء ہند آج پچاس برسوں سے اس کے مقدر میں قدرت کی طرف سے یہ ذمہ داری لکھ دی گئی ہے، اور وہ اس ناقابل تحمل بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہے، جمعیۃ علماء ہند کا ریکارڈ کیا جائے تو بیسوں ہزار فسادات کا ذکر ملتا ہے، فسادات کی نوعیت اس کا پھیلاؤ، تباہیوں اور بربادی کی تفصیل، ارباب جمعیۃ کے وفود کی سروے رپورٹیں، ریلیف کمیٹیوں کی تفصیلات غرضیکہ کاغذات کا ایک انبار ہے،

جس کو آسانی سے نہ دیکھا جاسکتا ہے، نہ پڑھا جاسکا ہے، کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ تنظیم صرف فسادزدہ علاقوں کی تعمیرِ نو، بازآبادکاری کے لیے وجود ہی میں آئی ہے، حالانکہ، اس کے درجنوں اہم تریں کارگذاریوں کے شعبے حیرت ناک اور مثالی کار نامے برابر انجام دیتے چلے آرہے ہیں، لیکن ان تمام کارگزاریوں پر فسادزدگان کی ریلیف امداد بازآبادکاری کی تفصیلات چھائی ہوئی ہیں، حیرت ہوتی ہے، ارباب جمعیۃ کی قوت کارکردگی پر کہ ایک عوامی جماعت بعض فسادزدہ علاقوں کے تباہ و برباد مسلمانوں کی بازآبادکاری کا دوبار میں اپنے پیروں پر کھڑا کرنے، گھریلو روزمرّہ برتنے کے سامان خوراک لباس دوا علاج پر پچاس پچاس لاکھ کی ریلیف کا بندوبست کرلیتی ہے اور نیم جان انسانوں کو ایک نئی زندگی دینے میں کامیاب ہوجاتی ہے اور یہ سارے کام صرف عوامی امداد وتعاون کے ذریعہ انجام دیتی ہے، قدرت کو جمعیۃ علماء ہند سے یہ کام لینا تھا تو اس کی ذمہ داری حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم کے سر ڈال دی، ان کی شخصیت کا کمال یہ ہے کہ وہ عوام کی مدد کے لیے عوام ہی سے تعاون لیتے ہیں، اور بڑے سے بڑا کارنامہ انجام دیتے ہیں، اس میں اصل راز یہ ہے کہ عوام سے ان کا اتنا گہرا اور عقیدت مندانہ رابطہ ہے کہ ان کی ایک آواز پر بڑے سے بڑے کام ہوجاتے ہیں، بہت سے فسادزدہ علاقوں میں معلوم مسلمانوں کے تباہ شدہ مکانوں کی تعمیر کا جو سلسلہ شروع ہوا، نو برسوں چلا اور کروڑوں روپے ان پر صرف ہوئے لیکن جمعیۃ علماء ہند کی طرف صدر محترم مولانا سید اسعد مدنی نے ان کو پایۂ تکمیل پہنچایا، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے انھوں نے فرقہ پرستوں کو چیلنج کر رکھا ہے کہ:

تو تیر آزما، ہم جگر آزمائیں

بلا مبالغہ آج پورے ملک میں تنہا جمعیۃ علماء ہند مظلوم مسلمانوں کا واحد سہارا بنی ہوئی ہے، فسادزدہ علاقوں کے مظلومین کی نگاہیں اس کی طرف اُٹھتی ہیں۔

مرکزی دفتر

غالبًا ہندوستان میں مسلم تنظیموں میں جمعیۃ علماء ہند وہ واحد تنظیم ہے جس کا

مرکزی دفتر ہر طرح منظّم، باضابطہ، با اصول اور دورِ جدید کی بہت سی سہولتوں سے آراستہ ہے اس کا سارا نظم ونسق دور جدید کے تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق ہے، لیکن اس کے پورے نظام پر اسلامی تہذیب کی مکمل اور گہری چھاپ ہے، بہادر شاہ ظفر مارگ کے اپٹوڈیٹ علاقہ میں واقع مسجد عبد النبی کی بلند بالا مسجد کے زیر سایہ تین سمتوں میں دو منزلہ عمارتوں میں جمعیۃ علماء ہند کا سکریٹریٹ ہے، جس میں مختلف شعبوں کے الگ الگ ذیلی دفاتر ہیں اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں، صحن مسجد میں پارک اور مسجد کے کھلے ہوئے فرش پر خوبصورت چھت ڈال کر نمازیوں کی راحت رسانی کا بندوبست کیا گیا ہے، مسجد میں پنج وقتہ نماز کے ساتھ اس علاقہ میں اسی مسجد میں نماز جمعہ بھی ادا کی جاتی ہے، مسجد کی مشرقی سمت میں مفتی کفایت اللہ ہال ہے، جس میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس ہوتے ہیں، مرکز دفتر ان مسجد عبد النبی کے بالمقابل مشرقی سمت میں پولیس ہیڈکوارٹر کی وسیع وعریض چودہ منزلہ عمارتوں کے سلسلے کو دیکھ کر غالب کی بات یاد آ جاتی ہے، مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے۔

مدنی ہال

مسجد عبد النبی سے شمالی جانب وہ بلند وبالا اور پر شکوہ عمارت ہے جس کو مدنی ہال کہا جاتا ہے، اس کی کئی منزلیں ہیں اور لفٹ لگی ہوئی ہے، اسی عمارت میں جمعیۃ علماء ہند کے اہم ترین اور بڑے اجتماعات ہوتے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند کی قائم کردہ محمودیہ لائبریری ہے جس میں اسلامیات کا اچھا ذخیرہ ہے اور جمعیۃ علماء ہند کے ۸۰ر سالہ ریکارڈ کتابچے، اجتماعات کی رپورٹیں، مطبوعات اخبارات کی فائل، مجلس عاملہ، مجلس منتظمہ کی کارروائی رپورٹوں کا ذخیرہ موجود ہے، اسی بلڈنگ میں جمعیۃ علماء ہند کا ترجمان الجمعیۃ ویکلی کا بھی دفتر ہے اور اس کا اسٹاف ایک حصہ میں مصروف کار رہتا ہے، مدنی ہال سے جنوبی سمت میں دس فٹ کے فاصلہ پر عام مہمان خانہ اور وی، آئی، پیز کے لیے قیامگاہیں ہیں، اور دفتر کے دو کمروں میں جمعیۃ علماء ہند کا ریکارڈ روم ہے جس میں ۱۹۱۹ء سے لے کر اب تک کے خطوط، رپورٹیں، کارگذاریوں کی تفصیلات اور تمام اہم ترین فائلیں موجود ہیں یہاں

بہت ہی اہم اور تاریخی ذخیرہ ہے۔

جمعیۃ بلڈنگ

جمعیۃ علماء ہند کا قدیم دفتر پرانی دہلی گلی قاسم جان میں تھا وہاں ایک بڑی عمارت ہے جو پہلے خستہ حالت میں تھی لیکن تعمیر جدید کے بعد اس کی شکل وصورت بدل گئی، اسی عمارت میں الجمعیۃ بکڈ پو قائم ہے جہاں جمعیۃ علماء ہند کی مطبوعات ملتی ہیں اب وہاں دفتری امور سے متعلق کوئی شعبہ کام نہیں کرتا، اب دفتری نظام ۱/ بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی کے صاف شفاف علاقہ میں منتقل کردیا گیا ہے وہیں سارا اسٹاف رہتا ہے۔

پریس بلڈنگ

جمعیۃ علماء ہند کی ایک جدید تعمیر کردہ بلڈنگ اوکھلا میں ہے جس کو پریس بلنڈنگ کہا جاتا ہے یہ عمارت جلد ہی بن کر تیار ہوئی ہے یہ عمارت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ناظم جمعیۃ علماء ہند کی طرف منسوب کی گئی ہے اور ''مجاہد ملت بلڈنگ'' کا نام دیا گیا ہے، یہ عمارت دومنزلہ خوبصورت جدید طرز کی تعمیر ہے۔

ریگستان میں ہرا بھرا نخلستان

جس طرح لق و دق ریگستان میں جہاں اُڑتی ہوئی ریت، تپتے ہوئے سورج کی تمازت، العطش پکارتی ہوئی زبانیں اور لُوسے جھلستے ہوئے جسم عالم اضطراب میں دور ہرے بھرے نخلستان میں پہنچ کر اس کے ٹھنڈے سائے میں بیٹھ کر شیریں اور ٹھنڈے پانی سے اپنی پیاس بجھا کر جو راحت محسوس کرتے ہیں، کچھ اسی طرح کی بات ۱/ بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی میں واقع جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر کی ہے۔

ملک کے کسی خطہ میں مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑی تو نہ مقامی انتظامیہ ان کی مدد کرتی ہے، اور نہ ریاستی حکومت ان کی فریاد سنتی ہے اور نہ وہاں تک آسانی سے ان کی رسائی ہی ممکن ہے، اس طرح ان کے زخموں کا مداوا کرنے والا ان کو کہیں نظر نہیں آتا

وہ ہر طرف سے مایوس ہوکر اپنے ریزہ ریزوں اور داغ داغ جسم اور زخمی روح لے کر وہ سیدھے جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر نئی دہلی پہنچ جاتے ہیں۔

قدیم دفتر سے جدید دفتر تک

جمعیۃ علماء ہند کے اکابر نے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں جدوجہد آزادی کے بعد ان میں قدم رکھا تھا اپنی قوت ارادی، عزم و ہمت اور افلاس کی وجہ سے بڑی سے بڑی قوتوں سے ٹکرائے، سختیاں سہیں، مصیبتیں جھیلیں مگر ان کے پائے استقامت میں جنبش نہیں ہوئی، گلی قاسم جان دہلی میں ایک خستہ سی عمارت میں جمعیۃ علماء ہند کا مرکزی دفتر تھا جو چند کمروں پر مشتمل تھا اس عمارت پر پولیس کے چھاپے پڑتے رہے اور سارے کاغذات، رجسٹر، کتابچے اور فائلیں اٹھا کر لے جاتی، دفتر ویران ہو جاتا، مگر اکابر جمعیۃ پھر اسی ویرانے میں بیٹھ کر عزم و عمل کے خاکے بناتے اور اس میں اپنے خون جگر سے رنگ بھرتے یہاں تک کہ ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء نے غلامی کی شب تار کو آزادی کی صبح درخشاں سے ہم کنار کر دیا۔

لیکن یہ خوش فہمی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی کہ اب ہم آزاد ہو گئے ہیں کیونکہ حالت ہی ایسے پیش آئے کہ اس سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں تھا، لیگ والوں کی جذباتی سیاست نے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے اس ملک کی سرزمین کو تپتا ہوا تو اپنا دیا، جمعیۃ علماء ہند کے اکابر کو اُسی تپتے ہوئے توے پر کھڑے ہوکر اپنے عزم و ثبات اور صدق و اخلاص کا امتحان دینا تھا، انھوں نے یہ امتحان دیا اور وہ اس امتحان میں کامیاب ہوئے دنیا نے اس کو دیکھا تاریخ نے اس کو محفوظ کر لیا، آزادی کے بعد کے چند مہینوں میں صدیوں کی مصیبت مسلمانوں پر گذر گئی، کوئی مسلم تنظیم یا جماعت ان چند مہینوں کی خونیں داستان سنانے کی پوزیشن میں نہیں تھی، نتیجتاً جمعیۃ علماء ہند اس کارزار حیات میں لہولہان ہوتی رہی، اس لیے اسی کو اس داستان سنانے کا حق بھی ہے، کیونکہ جنگ آزادی کے پورے دور میں اور آزادی کے بعد کے زمانے میں اس کا کردار بے داغ، اس کی خدمات بے لوث اور اس کی جدوجہد بے غرض رہی، آزادی

کے فوراً بعد حالات کے تپتے ہوئے توے کو جمعیۃ علماء ہند کے اکابر نے اپنے لہو تر کر کے ٹھنڈا کیا اور سرزمین ہند اس لائق ہوئی کہ یہاں کا مسلمان اس پر قدم رکھ سکے، اس داستان کا آغاز قدیم دفتر گلی قاسم جان سے ہوا اور وہیں اس کا اختتام بھی ہوا، لیکن اخلاص وایمان کے جذبوں سے معمور یہ تاریخ سینوں میں رہی زبانوں پر آتی رہی لیکن اس کو نقش دوام نہ مل سکا اور جب جمعیۃ علماء ہند قدیم دفتر سے نئی دہلی کے جدید دفتر میں منتقل ہوئی تو اپنے اکابر کے جذبات کے وارث وامین مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے ضرورت محسوس فرمائی کہ اگر جمعیۃ علماء ہند کے بے مثال کارناموں کو قلمبند نہیں کیا گیا تو بہت جلد قوم ملک اور نئی نسل ان کو فراموش کردے گی، جو ایک المیہ سے کم نہ ہوگا۔

تاریخ جمعیۃ علماء ہند

جب دو بڑے دریا آپس میں ٹکراتے ہیں تو کتنا تموج ہوتا ہے، کتنا تلاطم پیدا ہوتا ہے؟ کتنے گرداب بنتے ہیں؟ اس طرح جب غلامای کی شب تاریک آزادی کی صبح نو سے ٹکرائی تو کچھ ایسا ہی طوفان برپا ہوا، اندھیرے اور اُجالے کا ویسا سنگم بنا کہ کچھ لوگوں کی شاہراہ زندگی بقعۂ نور بن گئی، اُجالوں سے بھر گئی اور کچھ لوگوں کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہوگئی، اس گھنے اندھیرے میں ان کو ایک قدم بھی چلنا دشوار ہوگیا، جمعیۃ علماء ہند نے عزم وعمل کے چراغ جلا کر اس اندھیرے کو شکست دی، یہ پوری کہانی تاریخ جمعیۃ علماء ہند میں پیش ہے۔

عزیمت سے بھرپور قیادت

جمعیۃ علماء ہند کی زمام قیادت ہمیشہ ان بزرگوں کے مضبوط ہاتھوں میں رہی جن کے زہد وتقویٰ، علم وکمال، بے لوثی واخلاص، تدبر وفراست اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ صدق وصفا کا معاملہ ہر شک شبہ سے بالا رہا۔ مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی اس کے پہلے صدر تھے جو اکیس سال ۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۰ء تک مسلسل

صدر رہے۔ اس کے بعد ۱۹۴۰ء سے اس کی صدارت کے فرائض شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے انجام دیئے اور جب ۱۹۵۷ء میں آپ نے سفر آخرت اختیار فرمایا تو شیخ الہند کے دوسرے شاگرد فخر المحد ثین مولانا سیّد فخر الدین احمد شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے صدارت کی ذمہ داری سنبھالی اور ۱۹۷۳ء تک آپ اس منصب پر فائز رہے۔ اور جب دور معذوری آ گیا تو اسی ۱۹۷۳ء میں اصحاب الرائے کی نگاہ انتخاب حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی کی ذات گرامی پر پڑی اور متفقہ طور پر جمعیۃ علماء ہند کی زمام قیادت آپ کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ تادم تحریر وہی صدر ہیں۔

پچیس سالہ دورِ صدارت

مولانا سیّد اسعد مدنی دامت برکاتہم نے اپنے پیشروں کے نقش قدم پر چل کر ان کی روایت کو باقی رکھا، جمعیۃ علماء ہند کے دائرہ کار کو وسیع کیا اور آج ہندوستان کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں جمعیۃ علماء کے کارکن موجود نہ ہوں، آپ کے دور صدارت میں جمعیۃ علماء ہند کی تنظیم ہندوستان گیر ہوگئی، اٹھارہ سال ممبر پارلیمنٹ ہو کر ایوان حکومت میں جس جرأت و بیباکی سے ملت اسلامیہ کی وکالت کی ہے وہ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروں ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کے انداز بیان، جرأت اظہار اور ارباب حکومت کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے والی تقریروں کی یاد تازہ کر دی، ہندوستان کے کسی بھی خطہ میں مسلمانوں پر فسطائی عناصر نے ظلم و ستم کیے فسادات برپا کیے وہاں کے حالات کتنے ہی خطرناک کیوں نہ رہے ہوں، وہاں آپ کا پہنچنا ضروری تھا کئی بار تو موت کے منہ سے نکل کر آئے یا پیادہ گاؤں دیہاتوں کے دشوار گذار راستوں میں چل کر مظلوم مسلمانوں کو تسلی تشفی دی، ڈھارس بندھائی، حوصلہ دلایا اور جب تجربات و مشاہدات اور سروے رپورٹ لے کر پارلیمنٹ میں کھڑے ہوئے تو ان فسادات کی تفصیل اتنے دردناک الفاظ میں بیان فرمائی کہ سن کر انسانیت تڑپ اُٹھے، پارلیمنٹ کے ریکارڈ میں کتنے فسادات کا ذکر اور مسلمانوں کی مظلومیت کی کتنی داستانیں محفوظ

کردیں اس کا صحیح تخمینہ لگانا مشکل ہے، بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ اظہار صداقت میں ۱۸/سال تک پارلیمنٹ میں ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کے وہ تنہا وکیل رہے۔

دور رس نگاہ

حکومت کی سرگرمیوں پر آپ کی بڑی گہری نگاہ رہتی ہے، کس قانون مسودہ بل، کس دفعہ میں ترمیم سے مسلم کاز پر زد پڑتی ہے، ہمیشہ بہت گہرائی سے اس کا جائزہ لیتے رہے مشہور قانون دانوں، سپریم کورٹ کے سینئر وکیلوں سے اس سلسلے میں مشورے لیتے ،ان کی رائے معلوم کرتے اور جب یقین ہو جاتا کہ میرا نقطہ نگاہ صحیح ہے تو حکومت کی سطح پر بھی اس کی مخالفت کرتے اور ضرورت پڑی تو عوامی سطح پر رائے عامہ پیدا کرنے کی جدوجہد فرماتے ہیں، ایسے بہت سے قوانین اور ترمیموں کے خلاف آپ نے آواز بلند کی، کبھی کامیابی ہوئی اور کبھی ناکامی، لیکن آپ اپنے موقف پر مضبوطی سے جمے رہے۔

آپ کا ایک مضبوط موقف

ہندوستان میں فسادات کا تسلسل مسلمانوں کی زندگی کا سب سے بڑا روگ ہے اور آج پچاس سالوں سے ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ مقدر بن گیا ہے کوئی شمار کرکے یہ نہیں بتا سکتا کہ اب تک کتنے ہزار فسادات ہو چکے ہیں اور کتنے مسلمان ان فسادات میں شہید ہوئے اور مسلمانوں کی کتنے ارب کی جائداد فرقہ پرستوں نے تباہ و برباد کی کتنی آبادیاں اُجڑ گئیں کتنی مساجد، مدارس، خانقاہیں درگاہیں مزارات سطح زمین سے مٹا دیئے گئے، کتنی مظلوم عورتوں اور بچوں کے اپنے خون سے تاریخ کے صفحات پر اپنی داستانیں لکھی ہیں اس کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا، کسی مہذب اور جمہوری حکومت کی سب سے بڑی ناکامی یہ ہے کہ وہ اپنے شہریوں کے جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت نہ کرسکے لیکن ہمارے ملک ہندوستان میں لاقانونیت اور جنگل کا قانون آج پچاس سالوں سے رائج ہے، آج تک ایمانداری سے کسی بھی حکومت نے فسادات

کے انسداد کی کوئی تدبیر اختیار نہیں کی اور نہ کوئی قدم اٹھایا۔

مولانا مدنی نے پارلیمنٹ میں اور پارلیمنٹ کے باہر ہزاروں بار یہ تجویز رکھی کہ ان فسادات پر قابو پانے کے لیے ضلع انتظامیہ کو ذمہ دار بنایا جائے جس علاقہ میں فساد ہو وہاں کے ایس پی اور کلکٹر سے باز پرسی کی جائے اگر ان کی کوتاہی ثابت ہو تو بلا تاخیر ان کو سزا دی جائے، کیونکہ امن و امان قائم رکھنا ان کی ذمہ داری اور ان کے فرائض میں ہے، اور فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی پر وہ سزا کے مستحق ہیں مولانا مدنی مدظلہٗ کا موقف یہ ہے کہ اگر حکومت اس اصولی طریقہ کار کی پابند ہو جائے تو ہندوستان کی سرزمین میں سے فرقہ وارانہ فساد کا نام ونشان مٹ جائے، آپ یہ بھی واضح لفظوں میں کہتے ہیں کہ جس طرح انعامی ڈاکوں قاتلوں اسمگلروں اور فریبیوں کے گرفتار کرنے پر افسران کو انعامات دیئے جاتے ہیں، فسادات پر قابو پانے والے افسران کو بھی بڑا سے بڑا انعام دیا جائے تو پھر ناممکن ہے کہ اس ملک میں کہیں فساد ہو آج پچیس سال سے مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ یہ آواز لگا رہے ہیں، مطالبہ کر رہے ہیں، ارباب حکومت کو اس طرف متوجہ کر رہے ہیں، لیکن دل کے آبگینے ہوس اقتدار کے ان پتھروں پر گر گر کر چور ہوتے رہے، لیکن ان پتھروں پر کوئی ہلکی سی بھی لکیر نہیں پڑ سکی اور آج تک دل سے نکلی ہوئی اس آواز پر کوئی کان دھرنے والا نہیں پیدا ہوا، لیکن مولانا مدنی مدظلہ نے اپنا موقف نہیں بدلا کیونکہ وہ اس معاملہ میں حق بجانب ہیں۔

فسادات کا ریکارڈ روم

مجھے کئی بار مرکزی دفتر کے تمام کاغذات کارروائی رپورٹ مجلس عاملہ اور مجلس منتظمہ کی کارروائی کے رجسٹروں پر نظر عائد مطالعہ کرنے کا موقع ملا، ریکارڈ روم میں ریکارڈ اور کاغدات کی ترتیب وتنظیم سے بھی واسطہ پڑا، جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ کی ترتیب کے وقت بس مجھے مہینوں ریکارڈ روم میں معتکف ہونا پڑا، ان تمام موقعوں پر میں نے دیکھا کہ آزادی کے پچاس سالوں میں ہونے والے فسادات کی اتنی مفصل رپورٹیں یہاں موجود ہیں کہ شاید گورنمنٹ کے ریکارڈ میں بھی اتنی مفصل اور اتنی بڑی

تعداد میں نہ ہوں کیونکہ مولانا مدنی دامت برکاتہم وبرکاتہم نے ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے اہم اور ضروری خدمت سمجھتے ہیں کہ ان کو سکون کی زندگی نصیب ہو جس قوم کا ارباب حکومت میں کوئی ہمدرد نہ ہو جس کے درد و کرب کی کسی کو فکر نہ ہو، جن کے زخموں پر کوئی مرہم لگانے والا نہ ہو، اس مظلوم کی خدمت صرف انسانی و اخلاقی فریضہ ہی نہیں، دینی وشرعی ذمہ داری بھی ہے، مولانا مدنی مدظلہ نے اس کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا ہے اور آج تک پائے ثبوت میں ادنیٰ سی جنبش بھی نہیں ہوئی۔

دین پر استقامت وعزیمت

یہ سب کچھ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسلام کا تقاضا یہی ہے، اس سرزمیں پر اسلام کی بقا اور ملت اسلامیہ کا وجود اسی جدوجہد کا متقاضی ہے، مولانا مدنی مدظلہ اس کو دین و مذہب کی خدمت اور اپنا مذہبی فریضہ تصور کرتے ہیں، دین کی سربلندی کے لیے وہ دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ کر فوز وفلاح کی راہیں تلاش کرتے ہیں اور شب وروز دین کی عظمت اور سرخروئی کے لیے زندگی کے شب و روز گذار رہے ہیں، ہمارے اکابر جمعیۃ علماء ہند کی یہی امتیازی خصوصیت رہی کہ انھوں نے کبھی دین اور سیاست میں علیحدگی گوارا نہیں کی، ان دونوں میں جدائی چنگیزیت کو جنم دیتی ہے، انسانیت اس سے پناہ مانگتی ہے یہی وجہ ہے کہ ارباب جمعیۃ ہوس اقتدار کے جال میں کبھی نہیں آئے کہ عنقا را بلند است آشیانہ، البتہ ان ٹیلوں اور پہاڑیوں پر ضرور چڑھے جہاں سے حق وصداقت کی آواز دُور دُور تک پہنچائی جا سکے تا کہ دین وملت کے وقار کو بچایا جا سکے ان کی حفاظت کی جا سکے مسلمانوں کو دکھ درد کے لمحات میں تسلی تشفی دی جا سکے، مولانا مدنی مدظلہ کا ہمیشہ کا یہی معمول ہے آپ سے پہلے اکابر جمعیۃ نے جو نقوش قدم چھوڑے ہیں آپ انھیں نقوش قدم پر چل رہے ہیں۔ آج جمعیۃ علماء ہند کی تنظیم کو جو استحکام نصیب ہے اس کی آواز میں جو توانائیاں محسوس ہوتی ہیں وہ مولانا موصوف کی بے پناہ جدوجہد کا ثمرہ ہے۔

دفتری نظام

جمعیۃ علماء ہند کے دفتری نظام کو مربوط و مستحکم بنانے میں جو کامیابی حاصل کی وہ اس جذبے سے ہے کہ دین پر مرمٹنے والوں کو ایک مرکز سے وابستگی مفید نتائج پیدا کرتی ہے، ان کی آواز میں طاقت آتی ہے، اتنے وسیع پیمانے پر دفتری نظام کو پھیلانے اور مالی اعتبار سے اس کو مستحکم بنانے کا راز یہی ہے کہ اس دورستم میں مظلوم مسلمانوں کو ایک پناہ گاہ حاصل ہو، اگر اس کے نظام میں اضمحلال آ گیا تو اس تباہ کن فرقہ واریت کے خلاف مظلوم اقلیت کی کوئی وکالت کرنے والی تنظیم نہیں رہ جائیں گی۔ مولانا موصوف پچیس سالوں سے مسلسل جدوجہد فرمارہے تھے اور کروڑوں کی لاگت سے دفتری نظام کو اتنا مستحکم بنادیاہے کہ اگر مخلص اور دین پر مرمٹنے والوں نے اس مرکز سے رابطہ بنائے رکھا تو باطل کی کوئی قوت ان کو پامال نہیں کرسکتی۔

اسیر ادروی

جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب، بنارس

۵/اپریل ۱۹۹۹ء